عجیب آدمی

عصمت چغتائی

عصمت چغتائی

عصمت چغتائی کی ادبی زندگی کا آغاز ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں ہوا۔ اس دوران اور اس سے چند سال قبل اردو ادب میں کچھ اہم اور نتیجہ خیز تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں۔ رومانیت کی دھند رفتہ رفتہ چھٹتی جا رہی تھی اور حقیقت نگاری کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا۔ جدید تعلیم اور مغرب کے اثر سے کچھ لوگوں میں زندگی سے نظر ملانے کی جرأت پیدا ہوئی۔ اس جرأت کا پہلا اظہار "انگارے" (۱۹۳۲ء) کی شکل میں سامنے آیا۔ "انگارے" ان دس کہانیوں کا مجموعہ تھا جن میں ہندوستانی سماج کے بعض کریہہ پہلوؤں کی حقیقی تصویر تھی۔ اس میں چند ایسے موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا گیا تھا جن پر قلم اٹھانا غیر اخلاقی اور غیر ادبی تصور کیا جاتا تھا۔ دولت کی غلط تقسیم، جھوٹی مذہبیت اور سڑے بند اور گھٹے ہوئے سماجی ماحول کی نفسیاتی اور جنسی الجھنیں ان کہانیوں کے اہم موضوعات تھے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

> جھوٹی مذہبیت، ریاکاری، تہذیب و شائستگی کا سوانگ، وطن پرستی اور قوم پرستی کے ڈھونگ ان سب پر "انگارے" کے مصنفین نے اپنے طنز کے تیر برسائے۔

روایتی اخلاق و آداب کا پرورده معاشرہ ادب میں زندگی کے اس گھناؤنے رخ کو قبول نہ کر سکا۔ "انگارے" کی زبردست مخالفت ہوئی۔ کتاب ضبط کر لی گئی۔ اس اقدام سے "انگارے" کی شہرت میں کچھ اضافہ ضرور ہوا۔ گرچہ "انگارے" فنی نقطۂ نظر سے اہم کارنامہ نہیں تھا

لیکن موضوعات اور اظہار کی بے باکی نے نئے ادب کے لئے راہیں ہموار کیں۔

خلیل الرحمن اعظمی لکھتے ہیں :

"یہ سارے افسانے خام ہیں لیکن ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ پہلی بار ہمارے افسانہ نگاروں نے اس بند کو توڑنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے سماج کے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل ابھی تک فن کے حدود میں داخل نہیں ہوئے تھے یا ارض ممنوعہ قرار دیے جاتے تھے"

"انگارے" کی اشاعت کے چند سال بعد باقاعدہ پروگرام کے تحت ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔

ترقی پسند تحریک کے دورِ عروج میں حقیقت نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ حقیقت نگاری ترقی پسند تحریک سے قبل بھی ہمارے ادب کا حصہ رہی ہے۔ نذیر احمد، علامہ راشد الخیری، پریم چند اور اولین خواتین ناول نگاروں کے یہاں حقیقت نگاری ملتی ہے۔ لیکن ان کی حقیقت نگاری "عینیت پرستی" میں پناہ لیتی ہے۔ ترقی پسند حقیقت نگاری نے زندگی کو اس کے اصل رنگ میں پیش کیا۔

مارکسی تحریک کے زیرِ اثر سرمایہ دار طبقے کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثر سے ایک طرف نوجوانوں میں جھوٹی مذہبیت اور اخلاق کی بے جا بندشوں سے آزادی حاصل کرنے کا رجحان بڑھا تو دوسری طرف علم نفسیات سے گہری دلچسپی کی وجہ سے ان کی توجہ انسانی نفسیات کی طرف مبذول ہوئی جس کے نتیجے میں ادب میں جنس کو ایک اہم موضوع کی حیثیت حاصل ہوئی۔ بیشتر ترقی پسندوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں جنسی حقیقت نگاری کو راہ دی۔ اس ضمن میں سب سے پہلے جو نام سامنے آتے ہیں وہ منٹو، محمد حسن عسکری اور عصمت چغتائی کے ہیں۔

منٹو اور عصمت کے افسانے جنسی حقیقت نگاری کی بہت اچھی مثالیں ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں کا موضوع جنس ہے۔ اور انہوں نے اس کا اظہار اس قدر بے باکی سے کیا کہ فحش نگاری اور عریانی کے الزام میں ان پر سرکاری مقدمہ دائر کیا گیا۔ منٹو اور عصمت نے حقیقت کی

تلاش صرف اس حد تک نہیں کی زندگی کا "نقشہ" کیا "ہے" بلکہ انھوں نے افراد کی اندرونی ذات میں اتر کر یہ بھی دیکھا کہ زندگی "ایسی" "کیوں" ہے۔ انھوں نے ظاہری حقیقت کی نقاب نوچ کر اس کے اصل چہرے کو دیکھا۔ اس طرح ان کا رشتہ حقیقت سے زیادہ فطرت سے استوار ہوا۔

عصمت کے افسانوں کا موضوع عام طور سے متوسط مسلم گھرانے کی لڑکیوں کی جنسی زندگی ہے۔ اس جنسی زندگی کی پیش کش میں عصمت نے اگر ایک طرف علم نفسیات سے فائدہ اٹھایا ہے تو دوسری طرف اس طبقے کی جنسی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ عصمت کا گھریلو ماحول جہاں ان کی پرورش ہوئی ان کے اس رجحان کا نشوونما میں معاون ثابت ہوا۔ ایک انٹرویو میں کہتی ہیں :

"دوپہر کو محلے بھر کی عورتیں جمع ہو کر بیٹھ جاتی تھیں اور ہم لڑکیوں سے کہا جاتا تھا "چلو بھاگو تم لوگ" میں چھپ کے پلنگ کے نیچے گھس کے کہیں سے ان کی باتیں سن لیا کرتی تھی۔ جنس کا موضوع، گھٹے ہوئے ماحول اور پردے میں رہنے والی بیویوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اس پر بہت بات چیت کیا کرتی ہیں۔ میری افسانہ نگاری اسی گھٹے ہوئے ماحول کی عکاسی ہے"۔

عصمت خود بھی ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کا گھر دوسرے متوسط گھروں کے مقابلے میں زیادہ آزاد خیال تھا۔ عصمت کہتی ہیں :

"میری تربیت زیادہ تر بھائیوں کے ساتھ ہوئی۔ پھر میری اماں کچھ زیادہ دخل نہیں دیتی تھیں۔ اس لیے مجھے آزادی سے سوچنے کی عادت پڑ گئی۔ اور میرے خاندان میں ہر بات بڑے چھوٹے سب پھٹ سے کہہ دیتے ہیں"

آزادی سے سوچنے کی عادت اور صاف گوئی نے عصمت سے ایسی کہانیاں اور ناول لکھوائے جن کے لیے بیک وقت وہ بدنام بھی ہوئیں اور نام بھی کمایا۔ غرض عصمت کی پرورش کچھ اس طرح ہوئی کہ تجسس کے مادے کے ساتھ موضوعات کی بے باکی اور لہجہ کی تیز طراری ان کی شخصیت کا حصہ بن گئی۔

"عجیب آدمی"

عصمت چغتائی کا ناول "عجیب آدمی" .... فلمی دنیا سے متعلق ہے۔ اس میں ایک کردار کے ذریعے پوری فلمی دنیا کے ماحول اور طریقہ کار کو پیش کیا گیا ہے۔

اس ناولٹ کا مرکزی کردار دھرم دیو فلم انڈسٹری کا نہایت مشہور اور کامیاب فلم اسٹار ہے۔ یہ شخص اندرونی طور پر ایک اچھا انسان ہے اور ذہنی اور جذباتی طور پر بہتر اور پر امن زندگی گزارنے کا خواہشمند ہے۔ لیکن وہ جس ماحول کا حصہ ہے وہاں اس کی یہ آرزوئیں ناکام رہ جاتی ہیں کیونکہ جابجا اس کے جذبات و احساسات اس ماحول کی حقیقتوں سے ٹکراتے ہیں اور اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔

ابتدا میں دھرم دیو منگلا سے محبت کرتا ہے۔ منگلا بھی اسے حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دیتی ہے۔ دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ لیکن شادی کے بعد جب دھرم دیو فلم کی شوٹنگ کے دوران زرینہ کے ساتھ کام کرتا ہے اور زرینہ اس کے قریب آنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ زرینہ کو جھنک دیتا ہے اور اپنی بیوی کو فون کرتا ہے کہ وہ وہاں آ جائے تاکہ وہ غلط جذبوں کی دسترس سے بچ سکے۔ لیکن جب وہ زرینہ کو اپنی فلمی پارٹی کے دوسرے افراد سے گھل مل کر بات کرتے دیکھتا ہے تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ زرینہ صرف ڈائریکٹر سے محبت کرتی ہے اس کے دل میں

میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس کے دل میں ایک خواہش ابھرتی ہے کہ بہر حال زرینہ اس سے محبت کرے۔

اس کی طبیعت کا یہ تضاد دراصل اس کی انسانی فطرت کا غماز ہے جس میں خیر و شر کی آمیزش ہے۔ رفتہ رفتہ زرینہ سے اس کی دوستی منظر عام پر آ جاتی ہے۔ نتیجے میں اس کی بیوی اس سے بدظن ہو جاتی ہے اور انتقام کے طور پر اس کی فلم میں گانے دینا بند کر دیتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی عدم تعاون کی تلقین کرتی ہے۔ اس کے بچے بھی اس سے ناراض رہتے ہیں۔ دھرم دیو پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کا غم غلط کرنے کے لئے اس کے دوست اسے ایک طوائف پدما کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہاں راگ و رنگ کی محفلوں میں وہ خود کو ڈبونے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو سنبھالنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کی زندگی منگلا' زرینہ اور پدما کے گرد الجھ کر دشوار ہو جاتی ہے۔ وہ بار بار بیوی بچوں کو اپنی طرف بلانا چاہتا ہے۔ ان کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اسے سکون مل سکے لیکن وہ واپس نہیں آتے۔ اس کا دوست بھی اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام رشتے ناطے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ وہ ہر ایک کی طرف سکون کی خاطر بڑھتا ہے لیکن پھر شراب اور خواب آور گولیاں ہی اس کے سکون کا ذریعہ بنتی ہیں اور یہی چیزیں اسے موت سے ہم کنار کر دیتی ہیں۔

اس طرح اس ناولٹ میں دھرم دیو کے کردار کے ذریعے فلم انڈسٹری کے اندرونی ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے جس میں پوری فلم انڈسٹری پر بھرپور طنز بھی ہے۔

اس ناولٹ کی کہانی اور اس کے ہیرو کا المیہ مشہور فلم ساز و اداکار گرودت کی زندگی سے قریب معلوم ہوتا ہے۔

!

دھرم دیو!

کون دھرم دیو؟

وہی دھرم دیو جو کبھی ایک راز تھا، اُسے کسی نے نہ دیکھا تھا۔

ایک جھینپو سا کمسن چھوکرا۔ جسے دیکھ کر ایک دم خیال آتا تھا کہ ہائے نصیب! یہ لڑکا کیوں ہوا؟ لڑکی ہوتا تو فلم لائن کی ساری پریاں ٹاپتی رہ جاتیں۔ لوگ اس کے عشق میں پاگل ہوتے، اس کی اداؤں پر دل و جان قربان کرنے کے لئے اس کے ٹیلیفون کے آگے خودکشیوں کی دھمکیاں دیتے۔ ملک کے بانکے اس کی تصویریں کلیجے سے لگا کر ٹھنڈی آہیں بھرتے۔ دلیش بھگت اُس کے ساتھ اپنی تصویریں کھنچوانا ملک اور قوم کی خدمت سمجھتے۔

میٹھی میٹھی قدرتی کاجل سے کجلائی معصوم سی آنکھیں، پتلی تلی ناک، نہایت نزاکت سے ترشے ہوئے گداز مگر چھوٹے چھوٹے ہونٹ ننھے بچے جیسی بھولی سی ٹھوڑی، سڈول ہاتھ پیر، پہلوانوں جیسے مچھلیوں دار نہیں بلکہ کنہیا جی کی طرح چکنے اور لچک دار اگر باریک ترشی ہوئی مونچھیں نہ پاتا تو بالکل اٹھارہ برس کی فلمی حسینہ لگتا۔

فلم پالی کچھ اس شان و شوکت سے ہٹ ہوئی کہ اس نے فلمی دنیا میں ہنگامہ مچا دیا۔ پالی جیسی فلمیں دھڑا دھڑ بننا شروع ہو گئیں، جو آدھی بنی تھیں

وہ پالی کی نقل میں کافی گڑبڑی ہو گئیں۔ بمبئی میں اس وقت ایسے اتنا عالم نہ تھا پالی میں پہلی بار ہوٹل میں حسینہ کا ناچ مغربی انداز میں پیش کر کے دھرم دیو نے اسے ہر فلم کا لازمی جزو بنوا دیا۔ اس کے بعد بہت کم ایسی فلمیں بنی ہیں جن میں ہوٹل کی اسٹیج یا میزوں کے گرد ناچ نہیں ہوتا۔ مغربی طرز کے غنڈے ، اسمگلنگ یا اسی قسم کی کوئی بہیودگی کرتے ہوئے بدمعاش بھی پالی کے بعد ہر فلم کی جان بن گئے۔ دھرم دیو ایک راز سے ایک دم چوٹی کے ڈائرکٹروں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

سنہ ۴۳ء میں جب اشوک کمار اور واچہ نے دوبارہ بمبئی ٹاکیز میں جان ڈالی تو پھر سے ہمنسو رائے کا زمانہ لوٹ آیا۔ فلم اسٹوڈیو کا ماحول کسی تعلیمی یا کلچرل ادارے جیسا معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے فلم اسٹار جو اس وقت چوٹی پر تھے، آج لوگ انہیں بھول چکے ہیں اور بہت سے آج کے قدآور فلم اسٹار اس وقت بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں بڑی سفارشوں سے داخل ہو پاتے تھے۔ وہ جنہیں دیکھنے کے لئے خلقت آج دیوانوں کی طرح ٹوٹ پڑتی ہے۔ اس وقت بسوں اور ٹرینوں میں جھک مارتے پھرتے تھے۔ ہر بڑے فلم اسٹوڈیو کے احاطے میں کتنے ہی نوعمر امیدوار کسی وسیلے سے داخل ہو جاتے صبح سے شام تک بنچوں پر بیٹھے، جمائیاں لیا کرتے۔ کوئی بڑا ڈائرکٹر، پروڈیوسر یا کوئی ہاٹ دار ہیرو سامنے سے گزرتا تو جھٹ ادب سے کھڑے ہو جاتے۔

کتنی ہی لڑکیاں جو بعد میں مشہور و معروف ہیروئنیں بن گئیں ان دنوں اپنی نانی یا باپ کے ساتھ اشوک کمار یا واچہ سے ملاقات کی آس لگائے باہر بنچوں پر بیٹھی سوکھا کرتیں۔ اس وقت ڈھائی تین لاکھ میں آج کی پچاس لاکھ کے سرمائے سے بننے والی فلم سے زیادہ روپیہ بٹورنے والی فلمیں بن جایا کرتی تھیں۔ نئے امیدواروں کو زیادہ آسانی سے چانس مل جاتے تھے اور اس وقت پروڈیوسر ڈائرکٹر اپنے لڑکوں لڑکیوں کو فلم لائن میں جھونکنا سخت ہتک کی بات سمجھتے تھے۔

ہر بات ہی کچھ سر پھری سی ہوا کرتی تھی۔ آج کل تو ایک فلم میں کام کر کے لوگ فلم اسٹار بن جاتے ہیں۔ فلم کی ریلیز سے پہلے ہی ان کے گھروں پر پروڈیوسروں کے کیو لگنے لگتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے انہیں چوٹی پر پہنچا دیتے ہیں۔

دلیپ کمار، راج کپور اور دیو آنند جانے کتنی فلموں کے بعد جمے ہیں۔

فلم اسٹار کو یوں دھاکے سے چوٹی ... پر چڑھانے اور ان کی قیمت اتنی زیادہ بڑھانے میں سب سے بڑا ہاتھ مدراس کا ہے۔ جو نیا ستارہ آسمانِ فلم پر نمودار ہوتا ہے مدراس کی فلم انڈسٹری اسے اُچک لیتی ہے۔ اور چھ مہینے کے اندر اندر اس کی فلم تیار ہو کر ہٹ ہو جاتی ہے اور وہ بمبئی میں بھی مدراس کی لگائی ہوئی قیمت مانگنے لگتا ہے۔ کبھی اسی طرح بمبئی کی فلم انڈسٹری نے بنگال کی انڈسٹری کو چبا چبا کر نگلا تھا۔ آج مدراس کی انڈسٹری نے بمبئی کا دیوالہ نکال کر رکھ دیا ہے۔

کبھی بمبئی کے پروڈیوسر اور ڈائرکٹر کی بھی یہی شان تھی جو آج مدراس والوں کی ہے۔ اس وقت ہر ہیرو کمپنی کا مالک نہ تھا جیسے آج ہے۔ یا تو خود ہیرو پروڈیوسر ہے اور اپنے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر فلمیں بناتا ہے یا بنواتا ہے۔ یا اس کا کوئی دوست یا رشتہ دار اس کی مدد سے ڈھنگ کی فلم بنا سکتا ہے۔ باقی سب بھرتی کے پروڈیوسر ہیں۔ سوائے دو چار کو چھوڑ کر سب فلم اسٹاروں کے رحم و کرم اور ڈسٹری بیوٹر کی دریا دلی پر بھروسہ کر کے فلمیں شروع کر دیتے ہیں۔ اور انھیں مکمل کرنے کے لئے آدمی سے گھن چکر ہو جاتے ہیں۔ لیجئے بات دھرم دیو کی تھی۔ جب وہ بمبئی ٹاکیز میں چھت سے لڑکوں لڑکیوں کے جھگمٹے میں چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا شاید ان خوابوں کے جال بنا کرتا تھا جو بالی کی ریلیز کے بعد حقیقت بن گئے۔ بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں ایک جامن کا پیڑ تھا۔ اس پر چیلیاں کم لگتی تھیں اور کوے زیادہ بیٹھا کرتے تھے اس کے گرد ایک بڑا سا چبوترہ تھا۔ دائیں طرف کینٹین تھی۔ اُدھر کچھ اسٹاف کے الگ الگ کمرے تھے مگر نوجوان امیدواروں کا اڈہ یہی چبوترہ تھا۔ ان میں چھوٹے موٹے کیرکٹر آرٹسٹ، اسسٹنٹ اور دنیا بھر کے نکھٹو لوگ بھی جا بیٹھتے۔ گپ شپ ہوا کرتی۔ گیتا بالی ان دنوں ایک چھوٹی سی فلم "گرلز اسکول" میں کام کر رہی تھی۔ اندو بالا "ضدی" میں دلیپ کا رول کر رہی تھی۔ مدھو بالا کو "رُول" کے لئے چنا گیا تھا۔ دو چار سین بھی ہوئے تھے مگر اتنی اہم نہیں ہوئی تھی کہ چبوترہ چھوڑ دیتی۔ "آواز" کے ٹرائیل ہو رہے تھے۔ گیتا کے دو گانے ریکارڈ بھی ہو چکے تھے اس زمانے میں شمشاد بیگم، امیر بائی کرناٹکی اور مسز گھوش کا بول بالا تھا۔ نثان

مستانہ، دُرانی کا زمانہ تھا۔ مکیش، محمد رفیع غیر معروف تھے۔ کشور کی آواز "ضدی" میں ایک غزل کے لئے ٹیسٹ ہو رہی تھی۔ دیو آنند "ضدی" کا ہیرو تھا۔ مگر اپنے ہم عمروں ہی میں جا بیٹھتا تھا۔ پیڑ کے اوپر کوے اور نیچے یہ سب جنگلی مَیناؤں کی طرح چیر چیر باتیں کیا کرتے۔ اُن میں دھرم دیو ایک طرف بیٹھا دھیمے دھیمے مسکرایا کرتا!

اندو بالا بڑی باتونی تھی۔ کلدیپ کور کا جی تو للچاتا ہو گا چبوترے والوں میں گھلنے ملنے کو مگر اسے اپنا کیریر بنانا تھا۔

پھر بھی وہ اندو بالا کو کرید کر پوچھ لیتی اور اندو بھی اُن جانے میں مخبری کر جاتی۔

"دلیپ کمار اور کامنی کوشل کا "شہید" بن رہا ہے۔"

"پگلا اندو کو دیکھ کر شرارت شروع کر دیتا ہے۔"

"کشور کمار رُوما کو بہت ہنساتا ہے۔" رُوما "مشال" میں اندھی لڑکی کا رول کر رہی تھی۔ شوٹنگ ہو رہی ہوا سٹوڈیو ضرور آتی تھی۔ کشور کمار کا ایک اشوک کمار کو دیکھ کر دم نکل جاتا تھا کیونکہ وہ خوب اسے بنگلہ میں ڈانٹتا تھا۔

"گیتا بالی کا کسی سے نہیں چلتا، وہ تو پھکڑ ہے سب سے ٹھٹھول کرتی ہے۔"

"دھرم دیو تو سوائے منگلا کے کسی سے بات نہیں کر پاتا۔"

زندگی میں انسان کتنی بار عشق کرتا ہے؟

اور فلمی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی ہی عشق ہے۔ جسے عشق کرنا نہیں آتا وہ رُوپہلے پردہ سکرین پر کیسے پیش کرے گا اور رُومانس نہ ہوں گے تو فلمیں کیسے چلیں گی؟ دھرم دیو پرلے درجہ کا عاشق مزاج تھا۔ بقول اندو وہ باری باری ہر لڑکی پر زور شور سے عاشق ہو چکا تھا جن میں وہ خود بھی شامل تھی۔ مگر جتنی تیزی سے بخار چڑھتا اسی سرعت سے اتر بھی جاتا۔ اکثر تو ایسا ہوا کہ صبح وہ گیتا بالی کے لئے ہلکان تھا۔ شام کو چلتے وقت مدھو بالا دماغ میں بھر گئی۔ صبح دوسرے دن آیا تو سلیٹ صاف۔ کوئی پونا کی واقف کار اسٹیشن پر مل گئی۔ لیکن دوپہر تک پھر منگلا کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا۔ منگلا کو اس کے بھائی لے گیا تو بھٹا لو

بیٹھا بیٹھا کامنی کوشل پر فریفتہ ہو گیا، مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ لوٹ پھر کر گاڑی آکر منگلا ہی پر رکتی۔

اور پھر متواتر ڈیڑھ دن منگلا ہی منگلا رہی۔ اور شاید طول پکڑ جاتی۔ اگر ثریا اپنے گیت کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں نہ آجاتی۔ جتنے دن ریکارڈنگ ہوتی رہی دھرم دیو اپنی ڈیوٹی چھوڑ چھاڑ کر میوزک روم کا طواف کرتا رہا۔ منگلا نے بہت بہت غصہ کیا مگر عاشق صادق ٹس سے مس نہ ہوا۔ منگلا سے اس دن ریہرسل نہ ہو سکی اور اس کا گانا لتا کو دے دیا گیا۔

ثریا چلی گئی تو وہ یتیموں کی صورت بنائے چبوترے پر بیٹھا رہا اور شاید عمر بھر بیٹھا ہی رہتا اگر منگلا کی آنکھ میں پلک نہ گھس گئی ہوتی۔ پلک نہ پڑتی تو دھرم دیو اسے اپنے سفید جھک کرتے کے دامن سے اس کے تجلائے ہوئے آنسو کیسے پونچھتا۔

اس دن منگلا نے جو گیت ریکارڈ کروایا وہ آج تک ہٹ ہے۔

وہ گانے کے لیے آئی تھی مگر اس کا سانولا سلونا بنگالی حسن، لمبے لمبے خم دار گیسو اور بھاری بھاری نیند اڑانے والی آنکھیں اس کی جڑ بن گئیں۔ کیوں کہ اسے ایکٹنگ سے چڑ تھی۔ اور پھر ادھر کئی مہینے سے دھرم دیو ڈانوا ڈول نہیں ہوا تھا۔ مدھو بالا نہایت ہوش ربا پوز دے رہی تھی۔ اور در و دیوار اس پر ہزار جان سے عاشق ہو رہے تھے، مگر دھرم دیو چٹان بنا صرف منگلا کے دھیان میں غرق تھا۔ منگلا بڑی چپکی سی تھی۔ ویسے گانے والیوں کو تو بس میٹھی آواز ہی بلندیوں پر چڑھنے کی ایک سیڑھی ہوتی ہے۔ شکل صورت سکس اپیل سب بیکار اگر گلا نہیں۔ گانے والوں کو ان راہوں سے نہیں گزرنا پڑتا ہے۔ میک اپ مین کے نخرے کہ ان دنوں یہ فن صرف انہی کی مٹھی میں تھا۔ اب تو یہ لوگ خود ہی میک اپ کر لیتے ہیں۔ کاسٹیوم انچارج کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ اسے صرف ایکسٹراؤں کے کپڑے لتے کی خبر رہتی ہے۔ اونچے اداکار تو اپنے درزیوں سے کپڑے اپنی مرضی سے سلواتے ہیں اور اپنے پاس ہی رکھ لیتے ہیں۔ عموماً واپس کرنا بھول جاتے ہیں۔

مگر ایک اداسی تھی جو دھرم دیو کے گرد کنڈلی مار کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے منگلا کے عہد و پیمان بھی نہ دور ہٹا سکے۔ چھٹے ساتویں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی نہ کوئی حیثیت نہ کوئی مستقل ذمہ داری پتھر کی طرح ٹھکا ہوا ہے ایک جگہ۔ عدم اور وجود برابر۔ سیٹ پر ڈائرکٹر حماقت کر رہا ہے مگر رائے کا اظہار گستاخی ویسے ہی کھایا ہوا ہے کھڑے کھڑے نکال دے گا۔ ہیرو ہٹس ہیروئن آلٹے سیدھے چکر دے رہی ہے۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ سب کا غصہ اسسٹنٹ پر۔ ساری زرخیز صلاحیتیں دم گھونٹے، نو ہاتھ پیروں تلے روندی جا رہی ہے۔ گدھوں کے ہاتھ میں سب کچھ۔ سمجھ بوجھ عذاب دوزخ جھیل رہی ہے۔

مگر ان کاجل کالی سوندھی سوندھی آنکھیں کہتی ہیں۔ جمے رہو۔ ہیرے کا نصیب ضرور جاگے گا۔ پتھر کا گمنام ٹکڑا تراشا جائے گا تو چکا چوند سے آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ ایک گونگی بے وقوف سی لڑکی جو ٹھیک سے ساڑھی بھی نہیں باندھنا جانتی۔ بات کرتے چھوئی موئی کی طرح سمٹ جاتی ہے۔ گلے میں رس ہے تو کیا؟

مگر اور بھی تو کوئی سہارا نہیں۔ سب ہی سلگانا جانتی ہیں۔ ان کے عشق کے شعلہ میں لپک تو ہے پر جلن بھی ہے۔ چڑھتی کمانیں ہیں ہر چہار طرف تیر برسا رہی ہیں۔

مصلحت اسی میں ہے کہ کوئی ٹھنڈی میٹھی ہمسفر کا ہاتھ پکڑ لو کہ نبضیں برقرار رہیں۔ اس کے آنچل کی آڑ میں بادِ مخالف کے تھپیڑوں میں پناہ تو ملے گی اور دل کا ٹھکانا ہو جائے تو دنیا کی خبر لیتے چلو۔

چنانچہ دھرم دیو نے بھی منگلا کو اپنا دل سنبھلا دیا کہ "بابل" کی ریلیز کے بعد شادی اور ہنی مون۔

اور "بابل" کی ریلیز کے بعد مہینوں زمین پر پیر ٹکانے کی مہلت نہ ملی۔ دعوتیں پارٹیاں اور ایک سے ایک اونچا آفر۔ وہی شخص جو کل تک دخل در معقولات کی حیثیت رکھتا تھا ایک دم عقلِ کل کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔

"وہ اپنی فلم بناؤ دھرم جی کیوں دوسروں کی تجوریاں بھرتے ہو؟"

اُن دِنوں خود مختار پروڈیوسر بڑی تیزی سے اُگائے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے فلم کمپنیاں ہی فلم بناتی تھیں جن کے اپنے فلم اسٹوڈیو ہوتے تھے۔ مستقل اسٹاف ہوتا تھا۔ اپنی لیبارٹری اپنے میوزیشین۔ رات کو شوٹنگ ختم کی صبح رش پرنٹ تیار۔ کام شروع کرنے سے پہلے رش پرنٹ دیکھے پھر آگے کام ہوا۔ ایک کمپنی سال میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فلمیں بنا لیتی تھی۔ بغیر ایک فریم بھی دیکھے فلم کا سودا ہو جاتا تھا۔ مقررہ ڈسٹری بیوٹر بند ڈبے لے جاتے اور لاکھوں کما ڈالتے۔

جنگ کے بعد ایک دم نئے سینما ہال بنے۔ فلموں کی مانگ بڑھی۔ نئے نئے ڈسٹری بیوٹر میدان میں آ گئے۔ کمپنیوں میں پہلے ہی سے پرانے ڈسٹری بیوٹر ڈٹے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ زیادہ فلمیں بنائی جائیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ زیادہ کمپنیاں بنتیں، اسٹوڈیو بنتے، فلم اسٹار بنتے اور یوں فلموں کی تعداد بڑھائی جاتی، مگر چونکہ نئے ڈسٹری بیوٹر کم سرمایہ لاتے اور آ سے بھی کسی مستقل اسٹوڈیو میں جکڑنا نہیں چاہتے تھے۔ دس پندرہ ہزار سے کام شروع کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ایک نیا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان دنوں ڈسٹری بیوٹروں نے سوچا کہ فلم بنانے والے کمپنیوں کے مالک نہیں بلکہ ڈائرکٹر اور فلم اسٹار ہیں، کیوں کہ انہی کے نام پر فلم چلتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان ڈائرکٹروں سے کہا کہ کیوں مالک کے حکم کے پابند رہتے ہو۔ پوری فلم نہیں ایک ایک صوبے کے حق تقسیم بیچو۔ ہم قسط وار دیں تم قسط وار فلمیں بناؤ۔

کون سی مشکل بات تھی۔ قسط وار فلمیں بننے لگیں۔ اور اب چلی بھیڑ چال یعنی اتنا آسان ہے پروڈیوسر بننا۔ دس پندرہ ہزار ادھر ادھر سے گھیر لاؤ اور جس کا جی چاہے پروڈیوسر بن جائے۔ سب کمپنیوں کا اسٹاف الگ الگ پروڈیوسر بن گیا۔

کمپنیوں میں اُلو بولنے لگے۔ مجبوراً کہیں تو تالے پڑ گئے اور باقی نے ان قسط وار پروڈیوسروں کو اسٹوڈیو کرائے پر دینے شروع کر دیئے۔ اب اتنے پروڈیوسر بن گئے کہ اسٹوڈیو کم پڑ گئے۔ اسٹوڈیو کی کمی کو آؤٹ ڈور شوٹنگ کر کے کام چلایا۔ فلم اسٹار کم پڑ گئے نئے اسٹار بنانے میں قسطوں پر فلم بنانے والوں کے دیوانے نکل گئے۔ پھر یہ ہوا کہ جس پروڈیوسر نے کسی بڑے اسٹار کو لیا اُس کی فلم قسطوں پر بننے لگی۔ باقی لوگ فلم بنانے سے زیادہ قسطیں وصول کرنے کی

تگ و دو میں گھس گئے۔

فلم بنانے کے لئے ضروری نہیں تھا کہ کوئی مشہور یا اور کا یا اب ڈائرکٹر ہی ہو۔ پرانے ڈائرکٹر جو کمپنیوں سے توڑ کر خود مختار بنا دیئے گئے تھے ان میں سے اکثر لڑھک گئے۔ کہاں ٹھاٹ سے اسٹوڈیو میں فلم بناتے تھے جہاں دُنیا بھر کی آسائش میسر تھیں۔ نہ فلم اسٹار سے ڈیٹ لینا نہ اسٹوڈیو بک کرانا، نہ فلم خام کے لئے دوڑ بھاگ، نہ شوٹنگ کے لئے آج یہاں کل وہاں سارا بستر بوریا لے کر جانا۔ کچھ کی بدھیا بیٹھ گئی اور اُن کے مقابلے میں بالکل نئے لونڈے نے دھڑ کے فلم شروع کی جو ہٹ ہو گئی۔

جیسے دھرم ویر نے!

اس کے بعد تو ڈسٹری بیوٹر کو یقین ہو گیا کہ اگر بڑے اسٹار ہوں، اچھا میوزک ہو تو ایگزبیٹر فلم لے لیتا ہے اور قسطوں میں شریک ہو کر بوجھ بانٹ لیتا ہے۔ لہٰذا اُس نے کہہ دیا بس کچھ نہیں چاہیئے۔ فلم اسٹار اور میوزک۔ اور ان کی مانگ بڑھی تو انہوں نے دام بڑھائے کسی کی جیب سے تو جاتے نہیں۔ پیسہ تو آخر میں پبلک کی جیب سے آتا ہے تو کیوں نہ جو مانگے وہ دیتے جاؤ۔ ایک ایک اسٹار بیس بیس فلموں میں جُٹ گیا اور ان بیس پروڈیوسروں کو جتنے دن مہینے میں اُن کے حصے میں آئے اُن کو دے دیئے۔ جن کی قسطیں نہیں آئی تھیں وہ رہ گئے منہ دیکھتے۔

اب بیچارے اسٹار پر ایک اور مصیبت پڑی۔ اتنی فلموں سے اتنا روپیہ آنے لگا کہ اگر سب انکم ٹیکس والوں کے سامنے ظاہر کر دے تو ٹیکس در ٹیکس لگ کر سب نکل جائے گا اس لئے کالا روپیہ یعنی بغیر رسید کے روپیہ کا چلن پڑا۔ اب خود مختار ڈائرکٹر پروڈیوسر کو پروڈکشن کے دوسرے جنجالوں کے ساتھ جھوٹی رسیدیں بنانے کی ذمہ داری اور لینی پڑ گئی۔

"ہریالی" کی کامیابی کا جشن منانے میں وہ عہد و پیمان جو املی کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر کئے تھے۔ انہیں نبھانے کی فرصت ہی نہ ملی۔

"ہریالی" کی کامیابی میں کچھ منگلا کا بھی دخل تھا۔ فلم کے گانے ہی اُس کی جان

تھے جو منگلا نے گائے تھے اور ان میں کلیجہ نکال کر رکھ دیا تھا۔

بالی بناتے وقت دھرم دیو ایک گمنام اسسٹنٹ تھا۔ وہ سال کا کامیاب ترین ڈائرکٹر بنا تھا اور اب اس کا نام سارے ملک کے گلی کوچوں میں پوسٹروں پر لکھا تھا۔ فلم انڈسٹری میں اس کا نام گونج رہا تھا۔ کچھ لوگ حسد کی آگ میں سلگ رہے تھے۔ ڈسٹری بیوٹر اس کے نام کی مالا جپ رہے تھے اور منگلا؟

منگلا نے دو دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ ٹیلی فون کر کے ہار گئی۔ دھرم جی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کہانی پر بیٹھے ہیں۔

ایسی تیسی کہانی کی، جاؤ بیٹھو کہانی پر یا چاہے میری سمادھی پر بیٹھو۔ اور جب دھرم کو پتہ لگا تو وہ ننگے پیر بھاگا آیا۔

"منگلی ——— میری جان ——— میری روح ..... میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔" اس نے آتے ہی اپنا سر منگلا کی گود میں رکھ دیا۔ اپنا فاقہ بھول کر وہ اس کی کنپٹیوں پر بام ملنے لگی۔

"اوہ۔ یہ لوگ مجھے پاگل کر دیں گے۔"

"وہ تو تم پہلے ہی ہو چکے ہو۔"

"ریتا کہتی ہے کہانی لڑکی کی ہونا چاہیے۔"

"تو پھر اڑچن کیسی؟"

"پرکاش کہتا ہے ریتا کو مار گولی، کوئی نئی چھوکری ڈال دو اور سیکس اپیل پر کیش کرو۔"

"واہ۔ اور چھوکری کے کپڑے تو کیا کھال بھی اتروا لو، چوں نہ کرے گی، بلکہ احسان مانے گی۔" منگلا نے تیر مارا۔ "کپڑا کم سیر دتن زیادہ۔ فائدہ ہی فائدہ!"

"اور سنسر کو جا کر تم سمجھاؤ گی؟"

"تمھیں کتنا سمجھا لیا جو اب سنسر کو بھی سمجھاؤں گی۔"

"منگل خفا ہو؟"

"اگر کہوں ہاں، تو؟"

"منگل..... ناگپور کے پاس تایا جی کی ساٹھ بیگھہ زمین ہے۔ چل وہاں املی کے پیڑ بہت ہیں بس چھاؤں میں لیٹیں گے....." دھرم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیسے اسی دم چل پڑے گا۔

"اور املی کے پتے پر ڈنڈ پیلیں گے۔" منگلا نے جملہ پورا کر دیا۔

"اوہ!" منگلا کی موسی دروازے پر کھڑی تھی۔

"نمشکار موسی۔" دھرم نے اس کے پیر چھونے کی دھمکی دی

"مجھے یہ منہ دیکھے کی باتیں نہیں بھاتیں۔ تین دن سے مورکھ نے ایک چاول کا دانہ نہیں ڈالا منہ میں۔ اب بھی نہیں جھکتی۔"

"موسی، کام کر رہا تھا کر شٹالو بیٹھا تھا۔" مگر موسی کے ڈانٹنے پر اسے پیار آنے لگا۔ کوئی تو اسے اپنا سمجھے۔ پیار سے نام لے سب شکوہ شکایت بھول جائے۔ چاہے اس کی موسی ڈانٹ بھی بتائے۔

کتنا پیار تھا موسی کی پھٹکار میں!

اور بالی کے ڈائرکشن کا موقعہ ملنے سے پہلے ہی موسی اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی، میٹھی میٹھی گولیاں، اندر کونین! منگلا کو اس سے ملنے پر پھٹکار پڑتی تھی! بھائی اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، تایا جی آتم ہتیا کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

آج اسے اپنوں جیسے طعنے دیئے جا رہے ہیں جس کے غارت ہونے کی دعائیں مانگی جاتی تھیں اس سے نہ آنے کی شکایت ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب وہ مشکوک انڈا نہیں، اچاق و چوبند چوزا ہے! اب اس سے شادی کے تقاضے ہو رہے ہیں۔ منگلا کا بھائی پروڈیوسر بننے کی سوچ رہا ہے۔ کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہانی سن کر پاس کر دو تو آرٹسٹ سائن کروں۔

وہ دیر سے آتا ہے تو منگلا سے زیادہ اب اس کا کنبہ دھرم دیو کے فراق میں بے حال ہوتا ہے۔ کبھی اس سے ملنے پر چار چوٹ کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ آج اسے چوگنی ملامتیں اس بات پر سننی پڑتی ہیں کہ وہ اسے پھانس کیوں نہیں چکتی۔ دھرم دیو ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بھولی بھالی معصوم لڑکی سے بازار والیاں

جیسے ہاتھ کھلوائے جارہے تھے۔ جیسے پیار اور دوستی نہیں کبوتر پھانسنا ہو۔ کہنے سننے سے منگلا کے دل میں بھی پھانس کھٹکنے لگی تھی۔ وہ طبیعت کا ہرجائی تو تھا ہی۔ منگلا کے بعد اگر کسی پر اس کا دل ٹھہرا تھا تو وہ رتنا ہی تھی۔ ویسے املی کے پیڑ کے نیچے بیٹھنے والوں میں منگلا کی سب سے بے تکلف سہیلی بھی رتنا ہی تھی۔

"مگر یہ فلم لائن ہے۔ یہاں کوئی کسی کا دوست نہیں۔ موقع سب سے بڑا دوست ہوتا ہے۔ دھرم دیو کی پوزیشن اب اور تھی۔ وہ چڑھتا سورج تھا۔ اور درما جی ڈھل رہے تھے۔ رتنا جب بمبئی آئی تھی تو کوئی اسے کوڑی کی تین نہیں پوچھتا تھا۔ کمسن تو تھی مگر حسین نہ تھی۔

"ناک طوطے جیسی ہے۔" کہیں سے جواب ملتا۔

"ٹھوڑی سپاٹ!"

مگر اداکاری اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ہیروئن کو اداکاری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے پاس تو بس صورت ہو اور بھرا ہوا جسم جسے توڑ مروڑ کر فلم بنالو۔ پبلک کا دل گرم!

رتنا کسی بے وقوف سے لڑکے کے ساتھ فلم کے شوق میں بھاگ لی تھی۔ وہ ٹھوکریں نہ برداشت کرسکا اور واپس چلا گیا۔ فلم لائن کا راستہ یک طرفہ ہوتا ہے۔ واپسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جب وہ ہر طرف سے ناامید ہوگئی۔ اس نے شہر کے منہ میں سر دے ہی دیا۔

"وہ بڑا سور ہے۔ داشتہ بنا کے رکھے گا۔" سب نے رتنا کو سمجھایا، ڈرایا مگر اور پھر راستہ ہی کون سا رہ گیا تھا۔ اتفاق سے انہیں دنوں درما جی خالی ہوئے تھے، ان کی تراشی ہوئی ہیروئن ہٹ ہوگئی اور ان کے کندھے پر پاؤں رکھ کے آسمان کا تارہ بن گئی۔ زخم تازہ تھا اور مرہم کی سخت ضرورت تھی۔ انہوں نے ریزہ ریزہ رتنا کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا۔ بار بار چوٹیں کھا کر انہیں کچھ زخموں سے پیار ہو چلا تھا۔ مستقبل کی ایسی تیسی، انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ رتنا میرا ہے فلم انڈسٹری گدھوں کی بستی ہے۔ اسے بام عروج پر پہنچانے کے لئے گھٹنے ٹیک

دیئے۔ گڑیا کی طرح اس سے کھیل کھیل کر ایسی فلم بنا ڈالی کہ رتنا فضاؤں میں تیرنے لگی۔ دھڑا دھڑ معاہدے ہونے لگے۔ درما جی سے کوئی لکھا پڑھی نہیں ہوتی تھی۔ نہ کبھی انہوں نے اور رتنا نے کوئی ضرورت محسوس کی تھی۔ وہی اس کی نئی گرما گرم نرس سنبھالے ہوئے تھے۔ کہانی سن کر فیصلہ کرتے، روپیہ وصول کرتے۔ غرض کہ پردوں میں چھپائے رہتے۔ درما جی کی بیوی کو بھی زیادہ اعتراض نہ رہا۔ میاں بیوی کا رشتہ تو درما جی کی پہلی فلم ہٹ ہوتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اور اب تو بس وہ چیک بک کی حیثیت رکھتے تھے۔ گو وہ اس کی کمائی کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے پھر بھی بوئی کھیتی کاٹ رہے تھے۔ رتنا ان کی نئی فلم میں فل کو آپریشن دے رہی تھی جس فلیٹ میں وہ بیوی سے الگ ہو کر رتنا کے ساتھ رہتے تھے اس کا کرایہ بھی خود ہی دیتے تھے۔

رتنا کے فلم اسٹار بنتے ہی اس کے خاندان کو ایک دم اس پر پیار آگیا۔ پہلے تو بہن اور بہنوئی ملنے آئے۔ رتنا کی خاک میں رُلی ہوئی عزت کو سہارا مل گیا۔ وہ ان کے قدموں میں بچھ گئی کہ پیاری بہن کو راندۂ درگاہ بہن کا خیال تو آیا۔ اس نے صندوق بھر بھر کے سارے کنبے کو تحفے بھیجے۔ بہن دو ماہ بعد پھر لوٹ آئیں۔ بمبئی میں ان کا بے طرح جی لگ گیا۔ ان کے ساتھ ماں بھی بیٹی کی جدائی نہ برداشت کر کے آگئیں۔ دو چار ماما چاچے بھی آ گھسے اور رہ پڑے اب وہاں گاؤں میں بھلا کس کا جی لگتا۔

درما جی اپنے ہی فلیٹ میں اجنبی ہو گئے۔ بہنوئی نے ہوکے میں آ کے اُلٹے سیدھے سب کانٹریکٹ لے لئے بغیر درما جی کی رائے لئے۔ وہ بہت چیخے چلائے مگر کچھ نہ کر سکے۔ انہیں رتنا کے ساتھ سونے کا شوق تھوڑی تھا۔ وہ تو اس کے ساتھ گڑیا کی طرح کھیلا کرتے تھے۔ کاروبار کی الجھنیں، بیوی کی زیادتیاں، دوستوں کی بے وفائیاں وہ رتنا کے قہقہوں میں ڈبو دیا کرتے تھے، اب جو گھر میں خوگر کی بھرتی جمع ہوئی تو خون کا سا گھونٹ پی کر کچھ دن تو جھیلتے رہے پھر رتنا سے کہا "ان کا پتہ کاٹو۔ تحفے دے دلا کے دفعان کرو۔"

رتنا کا کلیجہ پھٹ گیا۔ ہائے کس جتن سے تو روٹھا کنبہ منایا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ادھر خاندان والوں کا تقاضا تھا کہ یہ کیوں جان کو لگا ہوا ہے؟ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ کی بدنامی ہوتی ہے سو الگ۔ ویسے ہی کمروں کی کمی ہے۔ اوپر سے یہ ڈٹا ہوا ہے۔

اور تو رتیا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ایک دن پالی کی شوٹنگ کے زمانے میں دھرم دیو کے کندھے پر سر رکھ کے خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ دھرم دیو دل کا کچا ہل کے رہ گیا۔

"تم دوسرا فلیٹ لے لو بس ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے ساری روداد سن کر فیصلہ کیا۔ اور شام سے پہلے پہلے نئے فلیٹ کی چابی رتیا کو پکڑا دی۔

مگر ورما جی بری طرح پھیل پڑے۔

"تو سمجھتی کیا ہے۔ مٹھی بھر دھول آج میری بدولت آکاش پر چھا رہی ہے۔ تو کہتی ہے میں طوفان ہوں۔ میں بنانا جانتا ہوں تو بگاڑنا بھی جانتا ہوں۔ ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔ سارے کانٹریکٹ نہ کٹوا دیئے تو اندرجیت ورما نہیں جنگی ابڑی آئی خاندان والی۔"

رتیا تھر تھر کانپنے لگی۔ ورما جی کو وہ دیوتا سمان سمجھتی تھی۔ واقعی وہ ان کے ہاتھوں کا کھیل تھی۔ تب نئی نئی تھی نا۔ سمجھتی تھی واقعی ورما جی اسے خاک میں ملا دیں گے۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ورما جی خالی ڈھول تھے۔ یہ اسے انڈسٹری میں رہ بس کے معلوم ہوا، اس لئے اس وقت تو اس نے وعدہ کر لیا کہ صرف دکھاوے کو وہ نئے فلیٹ میں رہے گی ویسے اس کا تمام خالی وقت وہیں گزرے گا۔ یوں بھی گاڑی چلتی رہی۔

مگر ایک آدھ آن ٹری فلیٹ اور ورما جی سے جھگڑے کی خبریں نمک مرچ لگا کر لوگوں نے منگلا تک پہنچائیں۔ کچھ اخباروں میں بھی دونوں کے نام بہت ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ ورما جی دھرم دیو کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

صبح سے منگلا جلے پاؤں کی بلی کی طرح بے کل گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کا چکر کاٹ رہی تھی۔ ماں کے اور بھیا کے اصرار پر اس نے دو تین بار دھرم دیو کو فون پر یاد دہانی کی تھی کہ آج رات درگا پوجا ہے جس میں اس کی شرکت ازبس لازمی ہے۔ اگر آج وہ سب کام چھوڑ کر نہ آیا تو پھر منگلا سے ہاتھ دھو بیٹھے، ساری

عمر صورت نہ دکھائے گی۔

بڑی مشکل سے وہ ملا اور دیر تک پیار کی باتیں کرتا رہا۔ منگلا کا انگ انگ ہمک اٹھا۔ سارے شک شبے دل سے دور ہو گئے۔ وہ اس کا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں جدا نہیں کر سکتی۔ آج کی پوجا میں وہ بحیثیت منگلا کے منگیتر کے سارے خاندان کے ساتھ شریک ہوگا۔ اب بات بکھرنے کی حدوں کو پار کر چکی ہے۔ وہ تو اسے اپنا مان ہی چکی تھی، خاندان والے بھی سو یکار کر لیں گے۔ اور درگا میا کا آشیرواد مل جائے گا۔ بس دکھاوے کے سات پھیرے رہ جائیں گے۔

"مدھی اب دھرم جی بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ ایئرکنڈیشنڈ آفس میں دن بھر چھوکریوں کے انٹرویو لیتے ہیں، مجھے تو لگتا ہے ان کی نیت ڈانواڈول ہو رہی ہے۔ اور پھر رتیا لاکھ کی ہیروئن ٹھہری۔"

ابھی تو ٹیلی فون پر کانوں میں رس گھول رہا تھا، اور بھیا کی باتیں سن کر پھر کڑوے کسیلے شبہات بس گھولنے لگے۔ آدھ گھنٹے تک ٹیلی فون کھٹکھٹاتی رہی۔ معلوم ہوا انگیج ہے! گھر میں مہمان آنے لگے۔ مٹھائی اور پھل پھول کی تھالیاں سجنے لگیں۔ نیچے سیڑھیوں پر دھما چوکڑی مچا رہے تھے۔ بڑی سر ماری کے بعد دفتر کا نمبر ملا۔ معلوم ہوا کہ ابھی رتیا دیوی کو موٹر تک پہنچانے گئے ہیں۔

پندرہ منٹ بعد پھر فون کیا۔ معلوم ہوا ابھی نہیں لوٹے۔

پھر فون کیا۔ ہاتھ بری طرح لرز رہے تھے۔ اب کے دھرم دیو کی میٹھی آواز کان میں پڑی تو منگلا کی زبان تالو سے چپٹ گئی۔ اپنے لٹکی دل پہ بہت غصہ آیا۔

"کیا ہے منگلو یار؟"

"آ رہے ہو نا پوجا میں؟"

"پوجا؟"

"ہاں..... درگا پوجا ہے نا"

"اوہ!" دھرم دیو کی آواز بجھ گئی۔ "بات یہ ہے منگلا تھوڑا سا کام نکل آیا۔"

"تو تم نہیں آؤ گے!"

"آؤں گا تو، پر شاید دیر ہو جائے گی۔"

"پوجا کا سمے بیت جائے گا تب؟"

"مگر منگلا بات یہ ہے.... سنو....... تو منگلا"

مگر منگلا نے ٹیلی فون پٹخ دیا اور کہنی میں سر دے کر میز پر جھک گئی۔

"نہیں آ رہے ہیں؟" بھیّا نے تیر مارا۔

"کہتے ہیں شاید دیر ہو جائے گی۔ آئیں گے تو سہی۔"

"دیر تو ہوتی ہی ہے کبھی جلدی بھی ہوتی ہے۔ ایک پکچر ہٹ ہوئی تو دماغ ساتویں آسمان پر چڑھ گیا۔"

"تو فون ملا میں بات کروں گی۔" ماں پلّو سے ہاتھ پونچھتی لپکیں۔

"نہیں، کسی کی بنتی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ماں، آتے ہیں آئیں نہیں آتے نہ آئیں۔ وہ تو بس خوشامد کی لت پڑ گئی ہے انہیں۔ شیلا کا ٹیسٹ لینے کو کہا تو ٹال گئے۔ بولے شریف لڑکیوں کے لئے یہ لائن اچھی نہیں۔" شیلا پر بھیّا بُری طرح ریجھے ہوئے تھے۔

پوجا کا وقت ہو گیا ہے۔ سب کو دھرم دیو کا انتظار ہے، بار بار سب کی نظریں منگلا کی طرف اٹھتی ہیں۔ وہ چور سی بیٹھی ہے۔ کاش وہ سمے کو مٹھیوں میں بھینچ سکتی۔

سات، ساڑھے سات، آٹھ پھر نو! کوئی نہ آیا۔

گیارہ بج گئے، مہمان جا چکے تھے مگر منگلا دروازے سے پیٹھ لگائے چوکھٹ پر بیٹھی تھی۔ جیسے پتی ورتا عورت اپنے لاابالی پتی کے لئے انتظار میں بیٹھا کرتی ہے۔ پر ابھی تو وہ کنواری ہے۔ شادی کے بعد کیا ہو گا؟

اگر کیشو بھی ناکام لوٹا تو؟

مگر کیشو ناکام نہیں لوٹ سکتا۔

کیشو دھرم دیو کا سب سے اہم چمچہ تھا۔ وہ بستی ٹاکیز میں کینٹین میں تھا اور اپنے کھاتے میں دھرم دیو کا اُدھار لکھوا لیا کرتا تھا۔ کتنے سگریٹ پلاتے تھے، پان کھلاتے تھے، آملیٹ ٹھنساتے تھے، یہ دھرم دیو نہیں بھولا تھا جب اس

کا پہلا کانٹریکٹ ہوا تو کیشو اس کے ساتھ آ گیا۔ کوئی خاص کام اس کے ذمّہ نہیں تھا۔ دمیں سگرٹیں پلانا، آملیٹ تلوانا، ورلی ناکے سے بڑے لگوا کر لانا، مگر اب پیسے دھرم دیو کی جیب سے آتے تھے۔ وہ سائے کی طرح اس کے گرد منڈلاتا رہتا۔ باتھ روم میں بھی جاتا تو وہ باہر پہرا دیا کرتا۔ اگر منگلا اُسے ناپسند ہوتی تو دھرم دیو کی مجال نہیں تھی کہ اس سے راہ و رسم بڑھاتا مگر اُس نے منگلا کو بہن بنایا ہوا تھا۔ اس سے بہتر گھر والی دھرم دیو کے لئے نہیں مل سکتی۔ کوئی تو منہ اور گھوڑے کی لگامیں کھینچتا رہے۔ دھرم دیو ہی نہیں بہت سے اس کے دوست پروڈیوسر بھی کیشو سے مرعوب تھے۔ اگر کوئی ذرا بھی اس سے اکڑ فوں کرتا وہ فوراً اس کا پتّا کٹوا دیتا۔ ایمان دار ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے چمچوں کی ساکھ بگاڑنے کے لئے وہسکی کی بوتلیں جیب سے دام بھر کے سستی لاتا۔

لوگوں نے دوگنی تگنی تنخواہ دے کر اسے دھرم دیو سے توڑنا چاہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

"دھرم جی تو مجھے کوڑی نہ دیں اور جوتے مار کے نکالیں تب بھی نہیں چھوڑنے کا۔" جب دھرم جی یہ باتیں سنتے تو پھول کر غبارہ ہو جاتے۔ نہ جانے کتنے سال انڈسٹری میں گزارے کبھی چھوکری لوکری کے پھندے میں نہیں پھنسا۔ اپنی نہایت گھریلو سی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ اسی پرانے دادر کے گھر میں رہتا تھا کبھی شراب کی ایک بوند بھی نہ چکھی۔ حالانکہ ہر وقت بوتل پاس رہتی تھی، نہ جانے کون کب مانگ بیٹھے۔ اس کی واحد کمزوری بس دھرم دیو تھا۔ نہ جانے ایسا عجوبہ انڈسٹری میں کیوں اور کیسے زندہ تھا۔ منگلا جانتی تھی کہ وہ دھرم دیو کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ چاہے وہ پینے پلانے کی پارٹی میں موج کر رہا ہو جب اس سے پوچھو یہی کہتا ہے۔ کہانی پر بیٹھے ہیں۔ ٹرائیل ہو رہا ہے، ٹیونیں سن رہے ہیں۔ بعد میں دھرم دیو خود قبول دیتا تو وہ بات بنانے لگتا کہ دھرم جی تو بس بیٹھے تھے ایک بوند بھی نہیں پی۔"

بالکل نیک بیوی کی طرح وہ دھرم دیو کی دیکھ بھال کیا کرتا۔ کہیں وہ کسی لفڑے میں نہ پڑ جائے۔ ابھرتے سورج پر اِدھر اُدھر کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ سیاہ گھنگھور بادل۔ رندھیر اس کی نئی سکرپٹ پر کام کر رہا تھا بڑا اول جلول آدمی

تھا۔ اس کی باتوں میں دھرم دیو آجاتا تو کیشو کو تپانا معمول جاتا۔ تب وہ شکی بیوی کی طرح تمام میں بولایا پھرتا۔ جب وہ لوٹتے اور پتہ چلتا کہ خطرناک جگہ نہیں صرف ناریل کا پانی پینے یا نخرہ کی دوکان پر پان کھانے گئے تھے تو اس کی جان میں جان آتی۔

کوئی بارہ بجے کیشو لوٹا۔ منگلا اسے دیکھ کر بے تعلق سی ہو بیٹھی

"کل دس بجے برمن صاحب موہن اسٹوڈیو میں پہنچ جائیں گے ریہرسل کے لئے گاڑی لے آؤں؟"

منگلا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے تو کمبخت کو دھرم دیو کی کھوج میں بھیجا تھا۔ یہ کیا بے پر کی اڑا رہا ہے "وہ کہاں ہیں؟" اس نے چڑ کر پوچھا

"انہوں نے مجھ سے کہا ہم جا رہے ہیں تم برمن صاحب سے ریہرسل کا ٹائم پوچھ کر دیدی کو بول دو۔ میرے سامنے وہ اور رندھیر صاحب موٹر میں بیٹھے۔ اور۔۔۔ ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔" وہ کوئی بہانہ ڈھونڈنے لگا "شاید گھر جا کر سو گئے۔"

"وہاں نہیں پہنچے۔ فون کیا تھا۔" منگلا جرح کرنے لگی۔

"تو۔۔۔ تو۔۔۔ پھر۔۔۔" وہ مجرموں کی طرح قائل ہو گیا۔

"کہاں ملے تھے؟"

"وہ رندھیر صاحب کے ساتھ۔۔۔۔ رتیا دیوی کو کہانی سنانا تھی۔"

"رندھیر خود آٹھ بجے سے فون کر رہا ہے۔"

"تو۔۔۔۔ دیدی میں ابھی جا کے دیکھتا ہوں۔۔۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"ٹیکسی کئے لیتا ہوں، فون کر دوں گا۔"

"کہا نا تم سے کوئی ضرورت نہیں۔" منگلا نے ڈپٹ بتائی اور کیشو گردن جھکائے کھسک لیا۔

وہ خاموش بیٹھی سپاٹ دیوار کو گھورتی رہی۔ پھر دبے پاؤں پنجوں کے بل چلتی گئی۔ ٹیلی فون اٹھایا۔ ایک بار اور قسمت آزما لینے میں کیا ہرج ہے؟

"ہلو" ادھر سے کوئی بولا۔۔۔۔ "کس کو مانگتا" لڑکھڑاتی ہوئی آواز آئی۔

پھر ایک نقرئی ہنسی کی جھنکار گونجی اور ٹیلی فون کا سلسلہ کٹ گیا۔

چند لمحوں تک وہ احمقوں کی طرح رسیور پکڑے بیٹھی رہی۔

کتنا سناٹا تھا بستی پچھلے پہر کیسا غافل سو جاتا ہے۔ پڑوس میں کسی بیوقوف نے کسی کا نل بند نہیں کیا تھا۔ کے ٹپکنے سے یہ آواز اس کے کانوں میں برما کر رہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا پہلی منزل سے زمین کوئی آٹھ دس فٹ ہو گی۔

دور کہیں املی کے پتے سسکیوں کی طرح چبوترے کی ٹھنڈی اینٹوں پر گر رہے تھے اور کبوتروں کی چیخیں اس کے دماغ میں بھر گئیں۔

۲

"دھرم جی..... اُٹھئے..... اُٹھئے تو۔" کوئی اس کا شانہ مسلسل پکڑ کر ہلائے جا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ کنوئیں کی تہہ سے اُبھر کر اُوپر آیا۔ وہ ویسے ہی کپڑے پہنے صوفے پر آڑا ترچھا پڑا ہوا تھا۔ درد کی ایک سلاخ دماغ میں گہری اور گہری اُترتی جا رہی تھی۔

"ریڈی..... ہسپتال....." کشور کہے جا رہا تھا..... وہ ہڑبڑا کر ایک دم بالکل جاگ گیا۔

"کیوں کیا ہوا؟..... کیوں ہسپتال۔"

"ٹنکچر کی شیشی پی لی..... ماں جی کی آنکھ اتفاق سے کھل گئی.....۔"

دھرم نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی اور بھاگا۔

شام کو کہیں جا کے یقین ہوا کہ منگلا کی جان خطرے میں نہیں رہی۔ دھرم دیو ایک منٹ کے لئے بھی ہسپتال کے برامدے میں پڑی ہوئی بنچ سے نہیں ہلا۔ اگر منگلا کو کچھ ہو جاتا تو وہ چپکے سے اُٹھ کر باہر چلا جاتا اور کسی موٹر کے سامنے آجاتا۔ وہ اس کے بغیر ایک پل بھی جینے کو تیار نہیں۔ وہ خودکشی کے سینریو لکھتا رہا۔ آشا اور بڑی مشکل سے لوگ اُسے گھسیٹ کر گھر لے گئے۔

دوسرے دن منگلا کو گھر لے آئے۔ مگر ابھی اُسے ملنے کی اجازت نہ تھی سالا کا بہانہ ایک طرف پھینک کے وہ منگلا کے بارے میں دھرنا دے کر بیٹھ گیا

پیاسا اور گم سم۔ صبر و شکر کا مجسمہ۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے دل بھی پسیج گئے۔

جوں ہی منگلا کی طبیعت ٹھیک ہوئی دونوں کی شادی ہو گئی۔

ہوٹل کی ہزار بار اونچی ہوئی چائے جیسے رات کو اگر ٹرے میں نفیس نیلگری کی پتیاں کیتلی میں دم کر کے ملیں تو اس چائے میں وسکی جیسا نشہ ہوتا ہے۔

دھرم دیو کی کہانی پہ کام کرنے بیسیوں بار وہاں ملنے آ چکا تھا۔ وہاں اونچی ہوٹل چائے سے بھی زیادہ اونچی ہوئی چھوکریوں کا لنگر بھی بنا کرتا تھا۔ مگر دھرم دیو کبھی اس لنگر سے سمجھوتہ نہ کر پایا۔ اس نے بہت اپنے دل کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ بد مزاق آبرو باختہ لڑکیوں پر ایک رات کے لئے عاشق بھی ہونا چاہا۔ گرم اور بھنی ہوئی مرغی کے بل بوتے پر گرو دیو کی گیتانجلی اور شرت بابو کی منجھلی دیدی پر تبادلۂ خیال بھی کیا۔ مگر ان کی کھردری بکسی ہوئی ہنسی نے ہمیشہ آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔

ویسٹ ویو ہوٹل کی پُرسکون فضا میں منگلا کا پیار درِ عبادت کا سا تقدس لئے ہوئے تھا۔ ان حسین لمحوں کے بغیر وہ اب تک کیسے زندہ تھا۔ کیا حماقت ہے انسان اپنا کتنا وقت شہرت اور دولت کے پیچھے بھاگنے میں ضائع کر دیتا ہے۔ دھرم دیو نے بڑی سنجیدگی سے فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ صرف ہنی مون ہی منائے گا ایک مسلسل کبھی نہ ختم ہونے والا ہنی مون۔

لیکن پانچویں روز سے ہی لوگوں نے ان خلا میں کھوئے پریمیوں پر کمندیں پھینکنا شروع کر دیں۔ ہوشیار اور چابک دست ڈائرکٹر چھ دن کی شوٹنگ چار دن میں ختم کر سکتا ہے۔ کیا ہنی مون کے آٹھ دن کچھ تھوڑی سی ایڈیٹنگ سے سکیڑے نہیں جا سکتے۔ ساری عمر پڑی ہے چومنے چاٹنے کو کوئی بھاڑے کا مال تو ہے نہیں کہ فاں اُسے ایک نشست میں نپٹا لے۔ دہلی۔ یو پی کے ڈسٹری بیوٹر انتظار کر رہے ہیں۔ جنوبی ہند سے جو چیک آیا ہے اس کے بل بوتے پر خام فلم کا آرڈر بک کیا ہے۔ اسٹوڈیو کی تاریخ طے کرنا ہے۔ اوّل نمبر اسٹیج پھر کھو جانے کا خطرہ ہے۔ وہاں ٹریفک جام ہو رہا ہے اور آپ ہنی مون منا رہے ہیں۔ آٹھ دن میں تو بادشاہتیں لوٹ پوٹ ہو سکتی ہیں۔ روز تخت محل ڈھے جاتے ہیں۔ زبانی قلعیں بنتی ہیں۔ اور بگڑ جاتی ہیں۔ یہ لائن ایسی نہیں کہ اسے کلیئر چھوڑ دیا جائے۔ ذرا سی غفلت سے پھنسی چڑیا اُڑ بھی سکتی ہے۔ کیا خبر کسی دوسرے جال میں جا پھنسے۔ آخر

کتنی ہنی مون باقی رہ گئی ہے۔ ایک سیٹ پر تھوڑا سا کام رہ جاتے تو پھر کٹ لگوا کر پورا کر لیتے ہیں۔ ہنی مون ہی تو ہوا موت اور زندگی کا سوال تو نہیں۔

"میری مانو تو یہاں سے سیدھے ناگ پور چلیں۔ بس وہاں املی کے پیڑ کے نیچے پیار کریں۔" دھرم دیو نے منگلا کو مشورہ دیا۔ اس کی وجہ سے کتنی فلموں کے گانوں کی ریکارڈنگ رکی پڑی تھی، چھٹے روز کچھ منچلے فوٹوگرافر اور جرنلسٹ دولہا۔ دلہن کی تازہ ترین تصویریں لینے پہنچ گئے۔ ان سے جان چھوٹی تو کسٹوڈ ڈاک کا تھیلا اور پھلوں کا ٹوکرا لئے کورئر دھمکا۔ وہ دن ہوا تو ہنی مون کچھ کرکرا سا ہو گیا۔

شادی دھرم دیو کو راس آئی اور اس کا شمار فلم انڈسٹری کی قسمت بنانے والوں میں ہونے لگا۔ پہلے بیٹے کی پیدائش پر جو فلم ریلیز ہوئی وہ سپرہٹ ثابت ہوئی۔ لوگ اس کے نام کی قسمیں کھانے لگے۔ دھرم دیو کی پوجا شروع ہو گئی۔

دھرم دیو ٹیکنک

دھرم دیو ٹچ

دھرم دیو اسٹائل۔

"دھرم دیو کلکتی پان کا دلدادہ ہے۔" ورلی ناکہ کے پان والے کی دوکان ہٹ ہو گئی۔

"دھرم دیو جوہو ہوٹل میں بیٹھ کر اسکرین پلے تیار کرواتا ہے۔" جوہو ہوٹل میں کمرہ ملنا مشکل!

دھرم دیو کا درزی، آم والا، ناریل پانی والا، چاٹ والا، منگلا کا سنار، ساڑیوں والا، چوڑی والا، اگر دھرم دیو کی ہٹ فلم کی ریلیز سے پہلے وہ اتفاق سے کہیں کیچڑ میں پھسل پڑتا تو تمام ہوشیار پروڈیوسر کیو بنا کر اس کیچڑ میں پھسلنے لگتے اور اس کی مٹی تبرک بن جاتی۔

شادی اور بچوں میں ڈوب کر منگلا نے کام چھوڑ دیا۔ صرف دھرم دیو کی فلم میں گانے گاتی۔ دوسرے بیٹے کی دفعہ منگلا کچھ بیمار ہو گئی۔ اس لئے فلم کی ریلیز پر دھرم دیو اکیلا ہی دہلی، کلکتہ، مدراس اور حیدرآباد کے ٹور پر گیا۔ جہاں وہ جاتا ڈسٹری بیوٹر اس کے اعزاز میں بنگلا کھڑا کر دیتے۔ فلمسٹار سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کے پیشی کی جاتی، لوگ اس کو گھیر لیتے۔ شوقین لڑکے اور لڑکیاں خوشبوؤں سے اکتائی ہوئی حسینائیں، بگڑے نواب۔

باجاؤں کی بجھے دل لڑکیاں، اسکولوں کالجوں میں فیل ہونے والے طلبا، پیشے سے تنگ آئی ہوئی زندگیاں سب یہی چاہتے تھے کہ جادو کی چھڑی سے وہ انہیں بھی آسمان پر پہنچا دے۔ بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں لگے املی کے پیڑ والے چبوترے پر بیٹھا ہوا وہ جھینپا شرمایا کمسن لڑکا کب تک اپنا مقام نہ پہچانتا۔ اس کی پسند اور ناپسند انڈسٹری کا ایمان بن گئی تھی۔ اس نے جسے ہاتھ لگا دیا وہ سونا بن گیا۔

وہ ابھی تک وہ دن نہیں بھولا تھا جب وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ ایک ناتراشیدہ ہیرا تھا جو منوں مٹی کے بوجھ تلے دبا پڑا تھا۔ اسے محنتی اور شوقین نوجوانوں سے ہمدردی تھی۔ اس نے اپنے کئی اسسٹنٹ اوّل درجہ کے ڈائرکٹر بنا دیئے۔ گمنام لوگوں کو چمکا دیا۔ اگر اس نے کسی کو اس قابل نہ سمجھا تو اس کا فیصلہ نصیب بن گیا۔ وہ کبھی نہ ابھر پایا۔ اس کے انتخاب پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ اس کا نشانہ اچوک تھا۔

دھرم دیو نے کچھ یوں ہی ساتویں پڑھ کر تعلیم چھوڑ دی تھی اور فلم کے چکر میں گھر سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دل میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے بڑی عزت تھی، بلکہ ایک عجیب قسم کی چڑ بھی تھی وہ ان کی بڑی بڑی ڈگریاں اور ادب کے میدان میں قدر و منزلت دیکھ کر بے حد مرعوب ہوتا تھا، لیکن فلمی سچوئیشن گڑھنے میں خود اس کی جیسی مہارت نہیں رکھتے تھے تو اس کی انا کو بڑی تقویت ملتی۔

"فلم کا اسکرپٹ لکھنے کے لئے کسی بہت بڑی توپ کی ضرورت نہیں، بڑھئی کا کام ہے۔ جو بھی ذرا سیدھی کیل ٹھونکنا جانتا ہے۔ بہترین کہانی بنا سکتا ہے۔" اور پھر وہ تو پارس پتھر تھا۔ سدھیر بڑی سیدھی کیل اتار لیتا تھا۔ اس کی کئی ہٹ فلمیں لکھ چکا تھا ہر وقت کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ دوستی بھی تھی اور کام بھی مرضی کے مطابق ہو جاتا تھا، مگر دھرم دیو مشکل پسند تھا۔ ایک دن ویسے ہی کچھ چڑا ہوا سا بیٹھا تھا۔ بڑے بیر دوسری بات میں دخل دینے کی پوزیشن پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور یہ دخل اندازی سے دھرم دیو کی شان کو بٹہ لگتا تھا کہ خود اس کی پوزیشن کوئی معمولی نہ تھی۔ حالانکہ ڈائرکٹر کی اہمیت دن بدن کم ہو رہی تھی، وہ ان گنے چنے ڈائرکٹروں میں سے تھا جن کی اب کی ساکھ بندھی ہوئی تھی۔ سدھیر ایک ایک سین دس دس مرتبہ لکھ چکا تھا، مگر دھرم دیو منہ بسکار رہا تھا۔

"کچھ بات نہیں بنی مزہ نہیں آرہا ہے۔" وہ ہر سین سن کر کہہ دیتا۔ دو دن پہلے وہ

بنگال کے ایک مشہور اسکرپٹ رائٹر سے ملا تھا، دماغ کچھ بلندیوں کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

"آپ میری مجبوری پر غور نہیں کرتے۔ اصل میں یہ رول انڈسٹری کا کوئی ہیرو نہیں کر سکتا۔ میں ٹھوک پیٹ کر اس کے قد پر لباس فٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کوئی ڈھنگ کا ہیرو دیجئے۔ پھر آپ سین سن کر پھڑک نہ اٹھیں تو جو چور کی سزا وہ میری۔" سدھیر نے چکر دیا۔

"اب انڈسٹری کے باہر سے کسے لایا جائے۔ نیا لڑکا......"

"آپ خود یہ رول کیوں نہیں کرتے۔"

"اماں گھاس کھا گئے ہو۔"

"کیوں؟ آپ جتنا اس رول کو سمجھتے ہیں نہ کسی بڑے ہیرو کو اتنی دلچسپی اور نہ ہی کچھ زیادہ فٹ ہوتا ہے۔ یہ ہی مین" (HE MAN) کا رول ہے کسی ڈھیلے ڈھالے ہیرو کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر ناک نقشے میں بھی رئیسانہ رعب داب ہونا چاہیے۔ ہیرو ہے تو راج کمار...... اور آپ کو کوئی پکچر بیچنے کے لئے ہیرو لینا نہیں، آپ کی پکچر ویسے ہی ہاتھوں ہاتھ جاتی ہے۔ پھر ان کی اوندھی سیدھی کیوں جھیلیں۔ ہیروئن تو آپ ہمیشہ معمولی ہی لیتے ہیں، بس ساری مصیبت ہیرو کی رہ جاتی ہے۔"

"مگر......" مسکا کچھ کام کرنے لگا۔

"خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ دیکھئے راج کپور کس ٹھاٹ سے فلم بناتا ہے کیا بات ہے اس میں؟ کون سا ہمفری بوگارڈ ہے۔ مگر دنیا دیوانی ہے۔ پوچھئے کیوں؟"

"اچھا ڈائرکٹر ہے اور......"

"اور رول اپنے اوپر فٹ کرواتا ہے۔ اسے سمجھتا ہے، پسند کرتا ہے اور نبھاتا ہے۔"

دھرم دیو اب ویسا نازک اندام تو نہیں تھا جیسے ہوا کرتا تھا جسم بھر گیا تھا۔ دیکھنے میں ذرا گول مٹول سا ہو گیا تھا۔ پھر بھی سمندری ڈاکو کے لباس میں کچھ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ چہرے کی قدرتی ملاحت اور نرمی گلمچھوں اور مونچھوں سے بھی نہ دبی۔ فلم دھڑ سے گری، لیکن جو ڈسٹری بیوٹر اس کی اگلی فلمیں پہلے ہی سے خرید چکے تھے اور بھاری ایڈوانس بھر چکے تھے، انہوں نے اس فلم کو چپکے سے ہی دفن کر دیا۔

ار... تنی ایسی گاڑی کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا اور جلدی سے دوسری فلم کی دھوم دھام شروع کر دی۔ اس کا ہیرو بھی دھرم دیو تھا۔ نہایت لچر سی بھونڈی کامیڈی تھی۔ مگر گانے ایسے ہٹ ہوئے کہ شاید لوگوں نے آنکھ بند کر کے دیکھ لی اور ہٹ ہو گئی۔ اور جو چیز ہٹ ہو جائے وہ جائز بلکہ لازمی۔ ان دو تین غل غپاڑے کی فلموں سے وہ ہیرو تو بن گیا مگر صرف اپنی کمپنی کا۔ باہر کوئی جوا کھیلنے کو تیار نہ ہوا۔

بجائے باہر کے ہیرو کو پیسہ دینے اور اس کے نخرے سہنے کے دھرم دیو نے فلموں میں سکس اپیل بڑھا دی۔ گانے ناچ، مار دھاڑ اور چھوکریاں بھریں۔ پبلسٹی چوگنی کر دی۔ ہر فلم کو خوب دھوم دھام سے اٹھایا جاتا۔ سینما میں گانوں پر پیسے پھنکوائے جاتے۔ تالی مارنے والے بٹھائے جاتے۔ یہی تالی باز جب کسی اور کی فلم ریلیز ہوتی تو وہاں ہوٹ کرنے پہنچ جاتے۔

اس انڈر ہینڈ پبلسٹی کا انچارج کیشو بغیر پوچھے گچھے خود بن گیا تھا۔ دھرم دیو کو تفصیل نہیں معلوم تھی، کبھی تو اپنی لچر سی فلم کے ہٹ ہونے پر بڑی ناامیدی اور کوفت ہوتی۔ پبلک کا مذاق کتنا بھونڈا ہے۔ ہاں جہاں فلم ریلیز ہوتی وہ پبلسٹی کے لئے جانے میں کوئی عیب نہیں سمجھتا تھا۔ اور ضرور جاتا تھا۔ ڈسٹری بیوٹر وہاں بڑی شاندار دعوتیں اس کے اعزاز میں کرتے۔

حیدرآباد میں اس کی نئی فلم کی ریلیز پر آئے ایرپورٹ سے پھولوں سے سجی کار میں لایا گیا۔ رقص و سرود کی محفلیں جمیں، شراب پانی کی طرح لنڈھائی گئی۔ اس نے ایک یتیم خانہ کا معائنہ کیا اور دس ہزار روپیہ کا عطیہ بھی دیا۔ ایک حسن کے مقابلہ کی صدارت کی جس میں عین وقت پر عوام کے احتجاج پر شریف گھرانوں کی لڑکیاں غائب ہو گئیں۔ صرف پیشہ ور خواتین آئیں۔ ایک نئے سینما ہاؤس کا افتتاح بھی بڑی شان و شوکت سے ہوا۔ کوئی تیلگو فلم تھی۔ ربن کاٹنے کے لئے ایک چاندی کی قینچی پیش کی گئی۔ تیلگو فلم بے انتہا طویل تھی، بیچ میں وہ اونگھ بھی گیا مگر ناچ لاجواب تھے۔

خاص طور پر وہ ایک دبلی پتلی لڑکی کو دیکھ کر تو وہ قطعی جاگ پڑا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے کیشو کو مخبری کے لئے دوڑایا۔

"مدراس کی کوئی لونڈیا ہے۔ پہلے اسٹیج پر شو دیا کرتی تھی۔ رتی بھر کام کی نہیں

ایک دم لکڑی کی طرح سوکھی۔ کیشو جانتا تھا دھرم دیو کو اب قسم کی چھوکریاں پسند ہیں۔ اپنے گھر جیسی سوکھی ماری لڑکیوں کو کون دیکھنے آتا ہے؟ کھائی پی ہیروئن بکتی ہے۔ بس مقدار میں ڈھیروں ہونا چاہیے۔ پھر دھرم دیو کو یاد آیا کہ ایک سانولی سوکھی سی لڑکی کو کسی نے انٹرویل میں ملایا تھا مگر اس نے نوٹس نہیں لیا تھا آگے بڑھ گیا تھا۔

"معلوم کرو ہے یا گئی؟" اُس نے کیشو سے کہا "ابھی تو یہیں تھی۔ فلم کے پریمیر پر آئی ہوئی۔"

شو کے بعد جب ڈنر ہو رہی لڑکی ایک کونے میں سہمی ڈری نظر آئی تو وہ اچھل پڑا۔

"وہ ۔۔۔ وہ دیکھو، وہی ہے نا" اُس نے کیشو کی پسلی میں کہنی ماری۔

"کدھر؟" وہ چھاتی سہلانے لگا۔

"وہ ۔۔۔۔۔ وہ موٹا سیٹھ ہے نا۔"

"یہاں تو ہر تیسرا آدمی موٹا سیٹھ ہے برس!"

"ابے۔ وہ شوکیس کے پاس کچھ دیکھ رہی ہے۔ وہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابے وہ تو باہر جا رہی ہے۔"

"ارے ہٹاؤ برس، چھپکلی جیسی۔ ایک دم سوکھی ۔۔۔۔۔۔۔۔" کیشو منہ بنانے لگا۔

لڑکی باہر نہیں گئی صرف جھانک کر لوٹ آئی۔ ہرنی جیسی ترسی ہوئی نظروں سے کسی کو مجمع میں ڈھونڈ رہی تھی۔ بادامی رنگ کی سبز کور کی ساڑی، سبز جھنگ بالا زمیں وہ کچھ تھکی ہوئی اور بیمار سی لگ رہی تھی جیسے ابھی ہسپتال سے اٹھ کر آئی ہو۔ وہ جسے ڈھونڈ رہی تھی وہ اب تک نہیں ملا تھا۔ اُس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھکی ہوئی پل بھر کے لئے دھرم دیو کی آنکھوں سے جڑیں پھر جھپک گئیں اور وہ منہ موڑ کے سر جھکائے دوسرے کمرے کی طرف ٹھنک گئی۔

مہمان خصوصی سے سب کا تعارف کرایا گیا۔

"یہ زرینہ جمال ۔۔۔۔" زرینہ جمال اپنے ہی جیسی مریل سی سفید ساڑی میں ملبوس ایک عورت کا بازو تھامے کھڑی تھی۔ شاید وہ اُس کی ماں تھی۔

"آپ کا ڈانس بہت اچھا تھا۔"

"ہی ـــ" اس نے بچوں کی طرح دانت نکوس دیئے۔

"دانت ہموار ہیں۔" دھرم دیو نے اپنے موتی جیسے دانتوں پر زبان پھیر کر سوچا۔

"آپ کو ہندی آتی ہے؟" دھرم نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"مگر ہندی بول جو رہی ہیں۔"

"جی یہ تو اردو ہے۔"

"اوہ!" دھرم دیو اس کی سیک ناک اور ہونٹوں کی بے ساختہ بناوٹ پر نظریں جما کر بولا۔ "وہ ایک ہی بات ہے۔"

"یہ میری والدہ ہیں۔"

"آداب عرض۔" دھرم دیو نے لکھنوی سلام جھاڑا۔

"نمستے۔" ماں نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔

"آپ بمبئی کی فلموں میں کام کریں گی؟"

"کیوں؟" زرینہ نے احمقوں کی طرح کہا۔

اور دھرم دیو کچھ لاجواب ہو کر بے ساختہ ہنس پڑا۔ دوسرے ملاحوں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی اور وہ ان کی طرف مڑ گیا۔

"آج کیا ہو گیا ہے برس کو؟" کیشو آپ ہی آپ کھول رہا تھا۔

دھرم دیو نے دوسرے دن صبح آنکھ کھلتے ہی زرینہ جمال کی ماں کے پاس پیغام بھیجا۔ فی الحال پانچ سو روپیہ مہینہ جب فلم شروع ہوگی تو ایک ہزار۔ دھرم دیو پروڈکشن سے پانچ سال کا کنٹریکٹ۔ بغیر اجازت باہر کام نہیں کرے گی۔ اور اگر کرے گی تو معاوضہ کا پچاس فی صدی کمپنی کو دینا ہوگا۔

"پانچ سو!" زرینہ جمال نے کالی کالی آنکھیں موند لیں اور کھل کھل ہنس پڑی۔

شام کو کنٹریکٹ ہو گیا۔ ماں بیٹیاں خاک نہ سمجھیں۔

"آپ جو مناسب سمجھیں۔" ماں نے روتی ہوئی آواز میں کہا "یہ بن باپ کی بچی ہے۔ رنڈی صاحب نیلا فلم کے پروڈیوسر خاندانی دوست میں اپنی بچی سمجھتے ہیں۔" دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ زرینہ اکتائی ہوئی سکتی چھت پر لٹکے فانوس کو تکنے لگتی کبھی قالین کے پھول گننے لگتی۔

"وہ کیا نام ہے اس چڑیا کا؟" ان کے جانے کے بعد دھرم دیو نے کیشو سے پوچھا۔

"چڑیا؟ کیسی چڑیا؟"

"وہ ..... وہ ہوتی ہے نا ..... فاختہ!"

فاختہ؟" سنا ہے خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اس سے زیادہ کیشو نہیں جانتا تھا۔

"اس چھوکری کو دیکھ کر فاختہ یاد آتی ہے۔" دھرم دیو نے خود سے کہا۔ اور چاندی کی قینچی سے ناخن کترنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویسے پرسانتا کروز ایرپورٹ پر پورا اشاٹ موجود تھا۔ دو چار ڈسٹری بیوٹرز بھی موجود تھے۔

"یار ایک رائے لینا ہے تم سے" سی۔ پی کے ڈسٹری بیوٹر اگروال جی بڑی رازداری سے الگ لے جا کر بولے۔ ان کے ساتھ ایک پھڑکتی ہوئی چھوکری لگی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے؟"

"کیسی رہے گی؟" انہوں نے پھڑک دار چھوکری کی طرف آنکھ ماری۔

"کون؟"

"ترمینی ..... دھرم دیو جی"

ترمینی نے نہایت شیرینی میں ڈوبی ہوئی آواز میں آداب کیا اور ڈھیر دل کاجل لگی چھوٹی چھوٹی اندر کو گھسی آنکھیں پٹپٹانے لگی۔

"دیو کے ساتھ پیر دیپ کی پکچر میں ڈال رہا ہوں۔ یار تمہاری رائے ضروری ہے۔ تم لونڈیوں کو تو لنے ناپنے میں ماہر ہو۔ کیسی رہے گی؟"

"اچھی رہے گی۔ کیمرہ مین سے پوچھو۔ میں کیسے بتا سکتا ہوں؟"

"اماں یار تم نہ بتاؤ گے تو سالا کیمرہ مین کیا بتائے گا" پھر قریب جھک کر کان ہی بولے۔ "سیکس اپیل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

دھرم دیو ہوں ہاں کرکے ٹالنے لگا۔ بھلا سیکس اپیل کے بارے میں کیا پتہ چل سکتا ہے۔ نہ جانے کتنی اصلی ہے کتنی نقلی،

"سو فی صدی جینوئن مال ہے!" اگروال جی نے چشم دید گواہ کی حیثیت سے یقین دلایا۔ "دو لیتے ہو اپنی نئی فلم کے لئے۔ سی پی کے حقوق تقسیم میرے ....."

"دیکھیں گے۔" دھرم نے ٹالا۔

"تو چلو در سودا ..... رندھیر کو بھی بلائے لیتے ہیں۔ ذرا رہے گی یار۔"

اگروال بھٹیرے تو رنرز میں تھے۔ ایک کاٹیج ترنس کے لئے درسودا میں لے لی تھی۔

"یار بچے کی طبیعت نہیں اچھی ....."

"اماں ہمیں سکھا رہے ہو۔ دانت نکل رہے ہیں بچے کے۔ ایک گلاس میں کرن سی دیر ہو جائے گی۔"

مگر کبھی ایک گلاس شیطان کی آنت ہو جاتا ہے۔ ترمینی سمندر میں ڈبکی لگا کر آئی تھی۔ اگروال جی جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ ترمینی سر سے پیر تک جینوئن تھی۔ بلکہ ڈگڈگی کی طرح اوپر سے نیچے اترا ماتی بیچ میں کمر ایسی کہ چھلے میں پرو تو۔ ایک فوٹوگرافر بھی جھکتا جھکاتا آنکلا، وہ فوراً پوز دینے لگی۔ اس کی انگلیوں کے بیچ میں ریت بھر گئی تھی جو بری طرح کھٹک رہی تھی۔ اس نے پیر دھرم دیو کی گود میں رکھ کر حکم دیا۔

"یہ دیکھو ..... کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ دیکھو نا"

دھرم دیو دیکھنے لگا تو کیمرے نے آنکھ ماری۔

کبھی ایک پیگ بھی شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہو جاتا ہے اور دو چار رگ آگئے۔ جب صبح وہ گھر پہنچا تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ سوچا شاید منگلا روٹھ کر میکے چلی گئی ہوگی۔

"بے بی سک ہو گیا۔ اس کو اسپتال لے کر گیا۔" گورکھے نے بتایا۔

ہنی مون کے آٹھ دن کی رنگ رلیوں کے بعد کبھی اتفاق سے ہی میاں بیوی کا ملن ہو پایا کرتا تھا۔ دن رات کی شوٹنگ، ایڈیٹنگ اور پھر جگہ جگہ ریلیز ——— اس کے باوجود منگلا پھر امید سے تھی۔ ابھی بابو دس مہینے کا تھا کبھی وہ بھی مشغول تھی۔ روز ہی کوئی نہ کوئی ریہرسل یا ریکارڈنگ چلتی رہتی تھی۔۔ نیا رقت ریاض کیا کرتا تھا۔ پر شادی کے بعد اس کی حیثیت ایک شو پیس کی سی رہ گئی تھی۔ وہ دھرم دیو کی سجاوٹ کی چیز کی طرح اس کے پہلو میں رکھ دی گئی تھی۔

"ریپورٹ سے کہاں چلے گئے تھے؟" جرح شروع ہوئی۔

"ایک ڈسٹری بیوٹر سے چیک لینا تھا۔ پے منٹ رکا ہوا ہے۔ ریکارڈنگ کا۔" وہ بہانے بنانے لگا۔

"درسووا میں کون سا ڈسٹری بیوٹر رہتا ہے؟"

"رہتا نہیں..... وہ اگروال جی نے..... کاٹج لی ہے؟"

"تم سے منع کیا اس اگروال سے نہ ملا کرو۔ دلال ہے موا۔ کون تھی آج اس کے سنگ؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟"

"پیا ہو گی۔"

"نہیں پیا نہیں۔"

"تو سبینا ہو گی۔"

"اُف..... تم تو مجھے چڑاتی ہو..... سبینا مدراس گئی ہے۔"

"مگر تھی تو کوئی ضرور..... کون تھی..... آخر بتاتے کیوں نہیں۔"

"وہ تھی..... کوئی کمبخت..... نام نہیں یاد آتا....."

"وہ جو دلّی سے بھگا کر لایا ہے وہی موئی چھتیس۔"

"مجھے کیا معلوم کہاں سے بھگا کر لایا ہے۔ میں تو حیدرآباد......"

پیٹ کے بچے نے اُسے بے حد چڑچڑا بنا دیا تھا۔

"وہاں بھی ہو گی کوئی۔"

"ارے وہاں کوئی بھی نہیں تھی۔ تمہاری جان کی قسم۔"

"ہاں کھاؤ میری جان کی قسم کہ مروں تو عیش کی چھوٹ ملے۔"

"اچھا پوچھ لو کیشو سے۔"

"پوچھ لیا۔"

"ایں؟..... تو......"

"ہاں۔ کہاں ٹھہرایا ہے۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔ وہ..... وہ تو......"

"کانٹیکٹ کیا تو سنگ لائے نہیں۔"

"کیا اذیل رذیل باتیں لگا رکھی ہیں۔ کہاں ہے یہ حرام زادہ کیشو۔ آنے دو سالے کو۔" دھرم دیولا جواب ہو کر بڑبڑانے لگا۔

"ہر بات میں شک کرتی ہو۔ ایک حد ہوتی ہے۔ بے کار کو غصّہ دلاتی ہو۔"

"کیشو کو کیوں گالیاں دیتے ہو۔ اس نے تو بلکہ یہ کہا کہ بالکل تھرڈ کلاس لڑکی ہے۔ سوکھی پچی۔" منگلا ذرا نرم پڑی

"نہیں جی تو نال دیں گے۔ بڑی بے وقوف سی لڑکی ہے۔ ماں بیمار ہے۔ باپ ہے نہیں۔" دھرم نے منگلا کو نرم پڑتے دیکھ کر حیدرآباد سے لائی ہوئی چیزیں سوٹ کیس سے نکال کر دیں۔ رہا سہا غصّہ بھی رفوچکر ہو گیا۔ وہ جھکا ہوا سامان نکال نکال کر اس کے آگے ڈالتا جا رہا تھا۔ اور حیدرآباد ریلیز کی رپورٹ بھی دیتا جا رہا تھا۔

"گانے تو ایک دم سپر ہٹ۔" سوٹ کیس کی تہہ میں وہ چاندی کی قینچی بھی پڑی تھی جو سینما ہال کی رسمِ افتتاح کے موقع پر اسے پیش کی گئی تھی، وہ کچھ دیر اس کے دودھ جیسے سفید پھل دیکھتا رہا۔ پھر منگلا کی گود میں ڈال دی۔

ایک چیخ مار کر منگلا قینچی جھٹک کر کھڑی ہو گئی جیسے وہ چاندی کی کھٹل قینچی نہیں پھنپھناتا ہوا سانپ تھا جس نے اس کے وجود کو ڈس لیا۔

"تم نے میری ہری بھری گود میں قینچی ڈال دی، یہ کوئی اچھا شگن ہے؟"

بڑی مشکل سے بہلانے پھسلانے کے بعد وہ قابو میں آئی۔

"ارے اس سے کچھ نہیں ہوتا پگلی۔" ایسی حالت میں عورتیں کیسی توہم پرست ہو جاتی ہیں!

"ہوتا کیوں نہیں ہے۔ قینچی کا شگن ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ بنی بنی کے بیچ قینچی چل جاتی ہے۔"

"تو اٹھا کر پھینک دو۔"

"نہیں نہیں..... اصلی چاندی کی ہے۔"

"اچھا تو ایسا کرو۔ پوجا کے لئے اس سے پھول کاٹ کے لایا کرو۔ سارا پاپ جل جائے گا، ہاں؟"

جب تک وہ اس کے پاؤں دبانے بیٹھ کے سو رہی تھی تو اس پر بے انتہا پیار آیا۔

واقعی اتنی لڑکیاں دن رات اُس کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں، مگر کوئی بھی تو نہیں جچتی۔ جیسے منگلا نے اُس کے دل میں گھس کے اندر سے دروازے بند کیے ہوں اور اُوپر سے کنڈی چڑھا دی ہو

اور وہ احمق سی یرقان زدہ لڑکی بار بار کیوں کانٹے کی طرح دماغ میں چبھتی ہے۔ شاید اس کا نشانہ اس بار غلط بیٹھا۔ اُس نے غلط معاہدہ کر لیا ہے۔ تبھی اس کے بھیتر کا مکمل انسان اپنی حماقت پر پچھتا رہا ہے۔

مگر ایسا کیا اندھیر ہے۔ معاہدے سے مخلصی کوئی ایسی ناممکن بات تو نہیں۔

زرینہ جمال اپنی ماں کے ساتھ وعدے سے کچھ پہلے ہی آ گئی۔ دھرم تو بھول بھی چکا تھا کہ وہ لوگ کب آنے والے ہیں۔ منگلا کو تار ملا اُس نے بہت چاہا کہ دھرم کو اطلاع دے مگر وہ کلکتہ ریلیز پر گیا ہوا تھا۔ ماں بیٹی کو دیکھ کر اُسے ترس آیا۔ حواس باختہ ہانپتی کانپتی بڑی بی اور اُجاڑ صورت ایکسٹراؤں سے بدتر کپڑے پہنے گم سم سی لڑکی۔ اُوپر کا کمرہ اب تک دھرم دیو کی کتابوں اور [illegible] سے اٹا پڑا تھا۔ زرینہ نے تو بہت کہا۔ وہ زمین پر ہی سو جائے گی مگر اُس نے ایک پلنگ اور ڈلوا دیا اور فائل وغیرہ بکس میں بھر کر مچان پر ڈلوا دیئے

یہ چوہیا کیا فلم لائن میں ٹِک سکے گی۔ پہلے ہی شاٹ پر رو کر بھاگ کھڑی ہو گی۔" منگلا نے اُسے دیکھ کر سوچا۔ بات چیت سے معلوم ہوا اُس کی کوئی رائے نہیں، [illegible] سب کچھ کراتی ہے۔ سو کرنا پڑے گا۔ تیلگو فلم میں کام کر چکی ہے۔ مگر تیلگو فلموں کا کیا۔ دوسری زبانوں کے فلم کچھ فضول سی مد لگتے ہیں۔

مگر یہ اُن زہر کی پڑیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے گی۔ دھرم اس کے چکر میں خاک پھنسے گا۔ اچھا ہے کوئی ممیّس جیسی ہیروئن مستقل ہو جائے تو دھرم کا جو جی ہر دم لگا رہتا ہے اُس سے نجات ملے گی۔ منگلا نے دونوں کی بے انتہا خبرگیری کی۔ کمپنی کے خرچ پر ڈاکٹر بلوایا ورنہ تو وہ لرز رہی تھیں بیچاریاں۔ زرینہ تو مصر تھی کہ ماں کے لیے جو کھچڑی یا شوربہ پکے گا وہی کھائے گی۔ مگر منگلا اُسے زبردستی کھلاتی کہ زندہ تو ہونی چاہیے۔ دھرم مصنوعی معصوم مٹھاس سے سخت نفرت کرتا تھا کبھی سیٹ

پر کوئی منچلی سیکس اپیل بڑھا لاتی تو وہ فوراً اُسے میک اپ روم واپس بھجوا کر کوڑا کرکٹ نکلوا دیتا۔

ویسے سوکھی ماری ہے مگر چال میں ایک عجیب رچاؤ ہے۔ گردن کیسی مورنی جیسی اُٹھاتی ہے۔ پشت میں ذرا بھی کُبڑا پن نہیں۔ کمان کی طرح کھنچی رہتی ہے۔ ماتھا ذرا [illegible] ہے۔ دھرم بال نوچنے کا قائل نہیں۔ مگر فلم سٹار بننے کے کوئی آثار نہیں۔ اگر ہوتے تو شاید خود منگلا کو اتنی پیاری نہ لگتی۔

2678

وہ بڑی دیر تک اُسے بناؤ سنگھار رکھ رکھاؤ سکھاتی۔ کپڑے میچ کر کے پہننا۔ خود اپنے ہاتھ سے اس کے طرح طرح کے بال بناتی۔ پھر بڑے سلیقے سے ہلکا ہلکا میک اپ کر کے دیکھتی کہ واقعی وہ تو کچھ سے کچھ نکل آئی۔ اپنی ساڑھی بلاؤز پہنایا۔ ذرا ٹانکے لگانے پڑے۔

"چلو کچھ تھوڑے سے کپڑے خرید لو..... میں تیار ہو کے تمھیں پکار لوں گی۔"

وہ جھٹ پٹ تیار ہوئی۔ زرینہ جب نیچے آئی تو منہ دھلا ہوا تھا۔ بال سپاٹ اور کپڑے سلیقے سے تہہ کر لائی تھی۔

"کپڑے پہنے ہی رہتیں، اور میک اپ کیوں دھو ڈالا؟" اُس نے ٹوکا۔

"وضو کرنا تھا۔ اور کپڑے یہ کیا بُرے ہیں؟" اُس نے وضو کے معنی سمجھائے۔

"لو بھئی یہ آئی ہیں ہیروئن بننے اور ساتھ میں مالا جپتی چلی آ رہی ہیں۔ منگلا کا جی اُداس ہو گیا۔ محفوظ قسم کی ہیروئن اس کے نصیب میں نہیں۔ یہ تو ایکسٹرا بھی بن جائے تو بہت ہے۔"

"اماں نے کہا ہے کپڑے بہت ہیں۔ دو تولیاں لے آؤ۔" اُس نے دس روپے کا نوٹ نکال کر کہا۔

"تم پیسے کی فکر نہ کرو۔ میں نے تمھارے پیسے میں سے ایڈوانس لے لیا ہے۔"

"میرے پیسے؟" زرینہ جمال نے آنکھیں جھپکائیں

"تمھاری تنخواہ مہینہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہو گئی ہے۔"

"مگر میں تو اٹھارہ کو آئی ہوں..... پہلی تاریخ تو بہت دور ہے۔"

"بڑبڑ بحث کرتی ہو تم۔ اُس سے کیا۔ میں جو کہتی ہوں...... چلو!" منگلا نے ڈانٹا۔

دھرم دیو آیا تو منگلا نے زرینہ جمال کا ذکر کر کے اس کا دماغ چاٹ لیا۔

"اس کا ایک ڈانس ڈال دو۔"

"اپنے سر میں ڈال دوں۔ فلم تیار ہو گئی۔"

"تو کیا ایک ڈانس نہیں ڈال سکتے؟"

"کہاں ڈال دوں؟" دھرم چیخ پڑا۔ ڈسٹری بیوٹر بھی دبی زبان سے کہہ رہا تھا۔ کچھ تھوڑا سا مسالہ ہو جاتے۔

"اور گانا بھی تو چاہیے۔"

"وہ میری ٹھمری تمھیں بہت پسند ہے نا۔ 'پھول گیندوا نا'....... بس اسی پر بول لکھے جائیں گے۔ دادا کو فون کروں۔"

"ادھر آؤ...."

"کیا؟"

"پہلے ایک جام دو۔" دھرم نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"دھت۔" وہ دہری ہو گئی۔

"تو پھول گیندوا کینسل......"

رشوت دے کر راتوں رات گانے کے بول چھپائے گئے۔ ریہرسل ہوئی اور تیسرے دن ریکارڈنگ ہو گی۔ نواں مہینہ لگ چکا تھا۔ ساتھ ڈاکٹر بیٹھا تھا۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد اسے یوں کچھ کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس کی ریکارڈنگ پر ویسے بھی بڑی بھاگ دوڑ مچا کرتی تھی۔ اب تو معلوم ہوتا تھا امرجنسی لگی ہے۔ دادا متفکر بنا رہے تھے کہ ایسے پورے دنوں میں سانس پھول جائے گی۔ مگر ریکارڈنگ کے بعد جب گیت سنا گیا تو اس میں ارجمند وتی نے اپنا سارا رس نچوڑ دیا تھا۔ بوجھل سانس سے دادا نے وہ تار دیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ رس بھری جذبات کی شدت سے ہانپ رہی ہے۔

جب اس نے زرینہ کو یہ خوش خبری سنائی تو وہ ایسے تکا بکا رہ گئی جیسے اس کے ساتھ انتہائی ظلم ہوا ہے۔ منگلا کچھ پھیکی سی رہ گئی۔ مگر ریہرسل میں اس نے جان نکال کر رکھ دی۔

شوٹ تیار تھا۔ زرینہ جمال کا پہلا شوٹ۔ اس کی قسمت کا فیصلہ اسی پہلے شوٹ پر تھا کہ اس کی قسمت میں فلم سٹار بننا ہے یا پھر گمنامی کے غار میں اترنا ہے۔ اگر یہ ڈانس کوڑا ہو گیا تو؟

"ارے بھئی آخر دیر کاہے کو ہو رہی ہے؟"

"وہ نہیں پہنتی۔" میک اپ مین جھنجھلایا ہوا آیا۔

"کیا نہیں پہنتی؟"

"ڈریس!"

"کیا؟" سارا اسٹوڈیو مجسم سوال بن کر رہ گیا۔ دھرم دیو کے سیٹ پر کسی کی اتنی مجال کہ عدول حکمی کرے۔ اور وہ بھی ایک گمنام سوکھی سی چھوکری۔

"اس سے کہو پانچ منٹ کے اندر ڈریس پہن کر سیٹ پر آ جائے۔" دھرم نے بڑے ضبط سے کہا۔

دس منٹ بعد میک اپ مین غصے سے بھرا ہوا لوٹا۔

دھرم دیو جب میک اپ روم میں داخل ہوا تو زرینہ میک اپ کے اسٹول پر بیٹھی تھی۔

"یہ...... ڈریس ٹھیک نہیں۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اس کا فیصلہ تم نہیں کرو گی۔"

"پھر کون کرے گا فیصلہ؟...."

"جو بھی کرے۔ تم...."

"تو وہی یہ ڈریس پہنے۔" اس نے نہایت ڈھٹائی سے کہا۔

جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"جی...... کہ...... یہ ڈریس۔"

"تم نہیں پہنو گی۔"

"نہیں۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"پھر شوٹنگ نہیں ہو گی۔"

"نہیں۔"

"جانتی ہو پھر تم کبھی فلم میں کام نہیں کر سکو گی۔ کم از کم بمبئی میں تو نہیں کر سکو گی۔"

"جانتی ہوں۔"

"مگر یہ ڈریس نہیں پہنو گی۔"

"نہیں۔"

پتہ نہیں اگر کوئی اور ہوتا تو دھرم دیو نے اُسے لات مار کر نکال باہر کیا ہوتا۔ اُسے اپنے تحمل پر تعجب ہو رہا تھا۔

"بتاؤ گی، کہ کیوں نہیں پہنو گی؟"

"یہ ..... یہ بہت ننگا ڈریس ہے اور ڈریس مین کہتا ہے اس کے ساتھ دوپٹہ نہیں اوڑھنا ہے۔" اس کے آنسو بہنے لگے "میں نے تو سُنا تھا دھرم جی کی فلمیں ان باتوں سے پاک ہوتی ہیں۔" اُس نے ڈریس اٹھا کر دکھایا "دیکھئے کتنی روئی ٹھونسی ہے۔"

"ہوں۔" وہ کھسیانا رہ گیا "اچھا دوپٹہ ہو تو کام چلے گا؟" اُس نے انسانیت سے پوچھا۔

"جی ہاں.... اور .... روئی؟"

"وہ بھی نکل جائے گی۔"

زرینہ جمال نے دانت نکوس دیئے اور میک اپ درست کرنے لگی۔

دھرم دیو نے شوٹنگ اپنے اسسٹنٹ پر چھوڑ دی اور خود رندھیر کے ساتھ پیڈر روڈ والے فلیٹ میں نئی کہانی پر کام کرنے چلا گیا۔

۳

زرینہ جمال کے رقص نے فلم انڈسٹری میں دھوم مچا دی۔ دھرم دیو کے سب سے منہ چڑھے اسسٹنٹ ترویدی نے کچھ اس چابکدستی سے فلمایا کہ وہی سوکھی ماری چھپکلی جیسی چھوکری قیامت بن گئی۔ لوگ زرا آمزے کے پیچھے دوڑے مگر دھرم دیو نے سب کو ٹال دیا۔ وہ فلم جو ترویدی ڈائرکٹ کرنے والا تھا۔ زرا سیٹ پر چلی گئی۔ اس میں ریتا کے ساتھ ایک لڑکے اتل کو سائن کیا تھا، مگر ریتا کے پاس اتنی ڈھیر ساری فلمیں ہو گئی تھیں کہ وہ ٹال مٹول کر رہی تھی۔ ویسے بھی ریتا ان دنوں بوکھلائی سی پھر رہی تھی۔ ورما جی نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ خاندان کے آنے کے بعد وہ پرانا رشتہ دم توڑ چکا تھا، مگر انہیں اس کی صورت دیکھے بغیر چین نہ پڑتا۔ ان کی اپنی فلم جس میں ریتا کے ساتھ انہوں نے رمی کو ہیرو لیا تھا کھٹائی میں پڑ گئی تھی۔ اور پروڈیوسر اُسے مفت چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ ورما جی ریتا کو قابو میں رکھنے کے لئے اس کا رول بڑھاتے گئے۔ بس ہر وقت کیمرہ ریتا پر منڈلائے چلا جا رہا ہے۔ رمی بیچارہ کچھ دن تو ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں نے اُسے اونچ نیچ سمجھائی اور وہ سمجھ گیا۔ اب ہوا یہ کہ ورما جی تو ریتا کا رول بڑھاتے اور ریتا رمی کا رول بڑھانے پر مصر ہوتی۔ یہ وہی ریتا تھی جو کبھی ایک ایک کلوز اپ کا ڈبل معاوضہ چنگی ادا کرنے پر مصر رہا کرتی تھی۔ اب رمی کے کلوز اپ کے لئے ضد کرنے لگی۔ ورما جی تھک چکے تھے اور وہ جوان پٹھا تھا۔ ریتا سے سال دو سال چھوٹا ہوگا۔ بے انتہا طرار اور دلچسپ۔ ہمیشہ تو ریتا ورما جی کے پایہ ہو بیٹھتی۔ بلیرڈ تھی۔ شاٹ دیا اور آ کر قدموں کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیسا رہا شوٹ؟" وہ ضرور پوچھتی۔

"جواب نہیں۔"

"جھوٹ! میرا دل رکھنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔" وہ اُن کے گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھ دیتی۔

مگر اب شاٹ ختم ہو جاتا تو وہ رمی کے ساتھ ویسے ہی گھومنے کے لئے جاتی یا دونوں نہ جانے کدھر غائب ہو جاتے۔ ورماجی کا موڈ خراب ہو جاتا اور وہ اسٹاف کی ٹانگ لینے لگتے۔ شروع شروع میں انہیں شبہ بھی نہ ہوا مگر لو سین حد سے زیادہ طویل اور سنسنی خیز ہونے لگے تو ایک دم بدک گئے۔ یہ فلم انڈسٹری کا دستور ہے کہ اگر کسی ہیروئن ہیرو کی کشتی ہونے لگے تو سب اُسی جوڑے کو لے کر فلم بنانے لگتے ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کچھ ان کی غبی محبت پردہ سیمیں پر بھی جھلک دکھائے گی۔ ایسے جوڑے بڑے ڈوب کر سین کرتے ہیں۔ دو چار دونوں زیادہ سے زیادہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے سیٹ پر انہیں اس کا اچھا موقع ملے گا۔ زیادہ وقت دے سکیں گے۔ پریمیوں کا جوڑا بھی ساتھ ہی کام پر زور دیتا ہے کبھی ایک دم بیچ میں دونوں کی کٹی ہو جاتی ہے۔ اور لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ ورماجی کو بھی بار رتیا کے ساتھ دو تین فلمیں مل سکتیں، دو کی تو مہورت بھی ہو گئی تھی مگر جب ان کے کھلواڑ کی افواہیں اڑنے لگیں تو وہ بھی کھٹائی میں پڑ گئیں۔ بیوی پہلے ہی انہیں صرف بینک بیلنس کے سوا اور کچھ نہ سمجھتی تھی۔ بڑی بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کا وقت آ رہا تھا۔ جب تک چیک کیش ہوتے رہے جھیلتی رہیں کہ مشرقی عورت کیا کچھ جھیلنے کی عادی نہیں۔ مگر جب اس حد کو بات پہنچ گئی کہ ایک ایک کرکے سب دروازے بند ہونے لگے تو وہ دو دھاری تلوار بن گئی۔ رتیا تو اپنے نئے بنگلے میں اٹھ گئی تھی اور ورماجی والے فلیٹ کا کرایہ دینے لگی تھی۔ جب حساب کتاب بیوی کے ہاتھ میں آیا تو اُس نے فضول مدیں بند کر دیں۔ رتیا سے کہا بھی نہیں۔ ورماجی پر مکان دار نے دعویٰ کر دیا۔ ان کی حمیت نے گوارا نہ کیا کہ رتیا سے التجا کریں کہ نیک بخت تیرے کارن گھر بار چھوڑ کر آیا ہوں۔ اب واپس اُسی گھر میں کس منہ سے جاؤں۔ کچھ مہینے دوستوں کے یہاں پڑے رہے۔ مگر بمبئی میں کسی کے ہاں کب گنجائش ہوتی ہے۔ اور ورماجی کے سارے گنجائش والے یار دوست کب کے کٹ چکے تھے۔ انہیں رتیا کی دیکھ بھال کے بعد فرصت ہی کہاں ملتی تھی اور پھر فلاپ فلمیں بنانے والوں کا ہٹ فلمیں بنانے

والوں کے ساتھ کیسا رشتہ؟

رتیا کبھیر، آؤٹ ڈور شوٹنگ پر گئی ہوئی تھی۔ ویسے بھی وہ کئی کئی دن نہیں ملتی تھی، نہ جانے کس ہوٹل میں باسی تباسی کھا لیا۔ ورماجی کو شدید بدہضمی کا حملہ ہوا۔ نبضیں چھوٹ گئیں۔ بیوی بچوں کو خبر ہوئی تو وہ آ کر انہیں سمیٹ لے گئے۔

بلوا منگل میں آغا حشر کاشمیری کا بڑے معرکہ کا سین ہے۔ جب سورداس کی پتنی چنتامنی نائیکہ سے اپنے سہاگ کی بھیک مانگنے کے لئے آنچل پھیلاتی ہے۔ مسز ورما نے آنچل تو نہ پھیلایا اور وہ بھیک مانگنے کے موڈ میں تھیں۔ موقع پاکر انہوں نے رتیا کو گھیرا اور ورماجی کو یوں بیچ منجھدار میں چھوڑ دینے پر خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

"دیدی ورماجی میرے گرو ہیں، وہ میرے بھگوان ہیں۔ وہ جب شوٹنگ کے لئے حکم دیں میں حاضر ہونے کو تیار ہوں۔ مگر ان کی زبان تالو میں نہیں۔ فلم نہیں بکتی تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں اپنی ساری فلموں کا سودا انہیں سے کرواتی ہوں۔ میں نے ایک کوڑی بھی مانگی؟"

"مانگنے کا منہ بھی ہے۔" منہ بنا کر مسز ورما غرائیں۔

"نہیں دیدی، بھوکوں مرتی ہوں گی، تب بھی نہ مانگوں گی، میں ایسی احسان فراموش نہیں۔ چاہے بازار میں میری کچھ بھی قیمت ہو، میں آپ کی فلم میں مفت ہی کام کرتی رہوں گی۔ مگر دیدی آپ ہی انصاف کیجئے برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ساری انڈسٹری میں میرے بارے میں نہ جانے کیا اُلٹی سیدھی باتیں اڑائی ہیں۔"

ایک دن شوٹنگ کے سلسلہ میں کچھ پانی میں رتیا اور رمی کو اترنا تھا۔ شوٹ کے بعد دونوں جب مستول غائب ہو گئے۔ رتیا کے کپڑے اس قابل نہ تھے کہ جوان لڑکے کے ساتھ غائب ہونے پر باتیں نہ بنتیں۔ ورماجی بوکھلا گئے اور جب وہ دونوں ایک دوسرے کے کپڑے نچوڑتے ہوئے جھاڑیوں میں پائے گئے تو انہوں نے وہ دھوم مچا دیا کہ چٹکلا انڈسٹری میں عرصے تک مزے لے لے کر اڑایا گیا۔

"اچھا جی تو دو بول انہوں نے کہہ دئیے تو تمہاری عزت پر بٹہ لگ گیا۔ جب سنگ فلیٹ میں رہتی تھیں تو کچھ نہیں تھا۔" لاجواب ہو کر مسز ورما اوچھے واروں پر اتر آئیں۔

"آپ نے گھر سے نکال دیا تھا تو پھر کہاں جاتی۔ کیا سڑک پر جا بیٹھتی۔"

وہ بڑے ضبط سے مسلسل اداکاری کر رہی تھی۔ دوسرے دن شوٹنگ کے وقفے میں مسز ورما کو رگیدنے کا قصہ خاصہ پُرلطف رہے گا۔

ورما جی کو جب پتہ چلا کہ بیوی اُس ناخشنہ کے گھر گئی تھی تو بہت برافروختہ ہوئے۔

"وہ کیا سمجھتی ہے حرام زادی۔ میں بنانا جانتا ہوں تو بگاڑنا بھی جانتا ہوں۔ اگر آج چاہوں تو انڈسٹری سے نکال باہر کروں۔ ایکوں ایک کلوز اپ نہ کاٹ دوں تو بات نہیں۔"

ان دھمکیوں کو سن کر رتیا ہنس ہنس کر دوہری پڑی۔ وہ مزے لے لے کر ان بوڑھے چونچلوں کا بڑی بے حیائی سے ذکر کرتی تو سب بے انتہا قہقہے لگاتے۔

عجب اتفاق ہوا جس دن دھرم دیو کی فلم ممبئی میں ریلیز ہوئی اسی دن منگلا کو اسپتال جانا پڑا۔ وہ ساری رات پرنٹ بھجوا رہا تھا۔ ریلیز کے بعد پتہ چلا سخت مس ٹمنگ ہو رہی ہے۔ ہونٹوں کی جنبش اور الفاظ کا تال میل نہیں۔ دوسرے دن دہلی میں ریلیز تھی۔ دھرم دیو کا ایک پیر لیبارٹری میں دوسرا اڈیٹنگ روم میں۔ کبھی ان سے پلک نہیں جھپکائی تھی۔ وِسکی کے بل بوتے پر انجن چل رہا تھا۔ بار بار آنکھوں تلے اندھیرا آکر دنیا گم سی ہو جاتی۔ دھرم دیو پاگلوں کی طرح ہر ایک پر برس رہا تھا کسی جرنلسٹ سے جھڑپ ہو گئی۔ مار پیٹ تک نوبت آ گئی۔ منگلا کے ہسپتال جانے کی اطلاع مل چکی تھی۔

وہ لیبارٹری سے نکل کر ہسپتال جا رہا تھا کہ رتیا کا ڈرائیور ہانپتا کانپتا آیا۔ رتیا شری ساؤنڈ اسٹوڈیو سے میک اپ کر کے نکل رہی تھی کہ ورما جی نے اس پر تیزاب پھینک دیا۔

"کون سے ہسپتال میں ہے؟"

"زیادہ نہیں پڑا۔ وہ ڈر کے مارے بنگلے میں نہیں گئیں۔ آپ کے یہاں آ گئیں۔ مجھ سے کہا آپ سے کہہ دوں۔ بنگلے پر بھی فون کر دیا ہے۔"

گھر راستے میں ہی پڑتا تھا۔ دھرم نے سوچا دو منٹ کے لئے ہوتا چلے۔ اُسے دیکھ کر رتیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دل پر دہشت بیٹھ گئی تھی۔ ذرا سی چھینٹ گردن پر پڑی تھی۔ دھرم نے فوراً پڑوس کے ڈاکٹر کو فون کیا۔ اُس نے کچھ دوا لگا دی اور آرام کرنے کو کہا۔

"پریمیئر پر جو جانا ہے؟" رتیا نے سسکی بھری۔

"کیا ضرورت ہے۔ میں بھی تھوڑی دیر کو جاؤں گا۔"

"آپ جا سکتی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ خیر ہو گئی کہ نشانہ چوک گیا۔ ورنہ ایسڈ بڑی خطرناک چیز ہے۔"

"کون پاگل تھا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"آ ...... کوئی ...... نامعلوم۔"

"یہ فین بھی دیوانے ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد دھرم دیو نے پوچھا۔

"کیا قصہ تھا؟"

"کچھ نہیں بس ...... پاگل کمینہ کتا ......" رتیا پھر پھوٹ پڑی۔

"میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ اپنی ناکامی کا بدلہ مجھ سے لے رہا ہے۔ کہتا ہے کسی کرم کا نہ چھوڑوں گا۔"

دھرم نے جو ذرا تسلی دینے کو تھپتھپایا تو وہ بالکل ہی بکھر گئی۔ جلدی سے اُسے تھوڑی سی برانڈی پلائی۔ تھوڑی سی خود بھی گلاس میں ڈال کر اوپر سے برف کے ٹکڑے بھر دیئے۔ رتیا کی طبیعت کچھ سنبھلی اور وہ اپنی دکھ بھری کہانی سناتی رہی۔ ادھر ورما جی نے ناطقہ بند کر رکھا ہے اُدھر رمی گھبرا جاتا ہے۔ بہت پینے لگا ہے اور پی کر ہاتھ پیر چلانے لگتا ہے۔ ورما جی کے طعنے دے دے کر کلیجہ چھلنی کئے دیتا ہے۔

پیگ ختم ہو گیا تو دھرم نے ایک اُس کے لئے اور ایک اپنے لئے بھی بنا لیا۔

وہ اُسے سمجھاتا رہا۔ بیٹے کے پیدا ہونے کی خبر ہر جگہ اُسے ڈھونڈتی پھری۔ کسی کو خیال بھی نہ آیا کہ وہ گھر پر ہوگا۔ اُسے منگلا کا خیال ستانے لگا۔ کہتے ظالم ہوتے ہیں یہ بچے۔ کتنا دکھ دیتے ہیں۔ اُس کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر درد کے حملے کو سہنے کے لئے وقفے سے کلوروفارم دے رہے ہوں گے ...... جب اینڈ سامیٹس کا اپریشن ہوا تھا تو اُسے بھی دیا گیا تھا۔ درد کے آرے کیسے آہستہ آہستہ ڈوب گئے تھے۔ پلکیں آپس میں جیسے ملا کئی دن کی بھری جھلائی نیند بھوکی شیرنی کی طرح حملہ آور ہوئی اور اُسے سدھ نہ رہی۔

اس کی بھابی کملا کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ پھر جلدی سے

واسو کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ پھر "ہائے رام" کہہ کر لرزتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" واسو بوکھلا گیا۔

"وہ سو رہے ہیں۔"

"تو کیا سونا رہے؟ تو بھیا سے اب تک ڈرتی ہے۔ ارے بھئی بیٹا ہوا ہے یہ وقت کوئی سونے کا ہے؟" وہ کمرے کی طرف چلا۔

"نہیں نہیں... سنو تو جی!" اس نے بڑی راز داری سے کہا "وہ..... وہ کون ہے۔ ریتا!"

"ریتا!" واسو سناٹے میں رہ گیا۔ کچھ آہٹ ہوئی دونوں چوروں کی طرح بھاگ کر بالکنی میں چھپ گئے۔ ریتا دبے پیر کمرے سے نکلی، وہ منگلا کا ڈریسنگ گاؤن پہنے تھی۔ جلدی سے واپس پلٹ گئی۔ واسو دیو کا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا۔ وہ تیزی سے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

"سنو جی....." کملا پیچھے دوڑی۔ وہ اس پاپ سے بھرے گھر میں ایک پل تنہا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب وہ موٹر میں واپس جا رہے تھے تو ریتا نے انھیں کھڑکی میں سے دیکھا اور گم صم رہ گئی۔ ماں یہ سب ہوا کیسے؟

دھرم دیو کرسی سے لڑھک کر اس کے اوپر کب ڈھے پڑا۔ جب ریتا کی آنکھ کھلی تو وہ آدھا پلنگ پر تھا اور آدھا فرش پر۔ سوتے میں منہ کھل گیا تھا۔ اور رال بہہ رہی تھی۔ اسے بڑی زور سے گھن آئی۔ ورما جی کی سوتے میں ہمیشہ رال بہا کرتی تھی۔ اتنے میں ڈرائنگ روم میں واسو اور کملا کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ اسے آہستہ سے دھکیل کر اٹھی۔ اس کی ساڑی بری طرح مسل گئی تھی۔ اس نے منگلا کی ساڑی نکالنے کے لئے الماری کھولی۔ تب ہی اسے معلوم ہوا کہ واسو آ رہا تھا۔ اس نے کرسی پر پڑا ہوا منگلا کا ڈریسنگ گاؤن پہن لیا۔ جب واسو نہ آیا تو اس نے جا کر ڈرائنگ روم میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے اطمینان سے ساڑی نکالی۔ باندھ ہی رہی تھی کہ کھڑکی میں سے واسو اور اس کے پیچھے کملا بھاگتی ہوئی دکھائی دی۔

سارا ڈرامہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ ان لوگوں نے اسے اور دھرم کو دیکھا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اف زندگی میں ویسے ہی کیا کم الجھنیں تھیں۔ ورما جی..... رمّی اور اب یہ! اس لائن میں تو لوگ ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ اور اب رمّی اور بھی خون تھکوائے گا۔ رمّی جس کے بغیر زندگی خار زار تھی۔ اور سب سے بڑا کانٹا تو یہ ورما کا بچہ اس کے حلق میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ کتنی بے وقوف تھی! بچے ہی تو تھے ورما جی تو دیوتا سمان معلوم ہوتے تھے۔ محلہ کے چھچھورے لونڈوں کی طرح نہیں۔ نہ اس پاجی کیدار کی طرح جو ہمیشہ اسے ترساتا ہی رہتا تھا اور چھوڑ کر بھاگ گیا۔ پھر ورما جی نے ہی اس پر رحم کھایا۔ کہ ان سے پہلے تو وہ دھول پھانک رہی تھی۔ ورما جی تو چندن تھے چندن! اس کا روم روم کھل اٹھا...... واقعی؟

بہت سی باتوں میں انسان خود اپنے سے بھی سچ نہیں بولتا۔

نہیں اسے قطعی ان سے عشق نہیں تھا۔ اس نے سنا اور دیکھا تھا کہ وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔ اور وہ سونا بننے کے لئے سب کچھ کر سکتی تھی۔ اسی لئے اس نے مسز ورما کی موت کی دعائیں مانگی تھیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ مسز ورما بننا چاہتی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ پھر وہ ان پر حکومت کر سکے گی۔ تب انھیں اسے فلم سٹار بنانا ہی پڑے گا۔ اس نے یہ بھی سنا تھا کہ ورما جی نے بھونرے کی سی طبیعت پائی ہے۔ جب جی بھر جاتا ہے تو وہ دوسری نوخیز کلی پر جھک جاتے ہیں۔ کبھی وہ بے شک ڈرتی تھی کہ ورما جی کا اس سے جی بھر گیا تو وہ کسی دوسری کو چانس دے دیں گے..... مگر..... اس کے حلق میں تو وہ بھونرا نہیں جونک ثابت ہوئے۔ ایسے چمٹے کہ چھڑائے نہیں چھوٹتے۔

ریتا نے سوئے ہوئے دھرم دیو کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے ساڑی پہنی اور اپنی ایک سہیلی کے ہاں چلی گئی۔

جب دھرم دیو کی آنکھ کھلی تو ٹیلی فون کی گھنٹی بری طرح چیخ رہی تھی۔

"بیٹا!" تھوڑی دیر تک تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس کے بیٹے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس نے رندھیر کی پوری بات بھی نہیں سنی۔ ٹیلی فون پٹخ کر بھاگا۔

"بڑے زور کا مقابلہ ہے منگلو..... تم بیٹے پیدا کرو ہم ہٹ بنائیں۔"

"ناجی، ہمیں تو بیٹا چاہیے۔"

"اچھا اب کے بیٹا سہی، پھر ہم سپرہٹ ہی بنائیں گے۔"

"بناتے جاؤ ہٹ" اس نے رکھائی سے کہا اور منہ پھیر لیا۔

"کیا ہے منگلا...... ڈارلنگ"

"چباؤ پریمیر میں دیر ہوگئی ہے ویسے ہی" اس نے آنکھیں موند لیں۔

"منگلا کچھ خفا ہے" دل ہی دل میں سوچتا ہوا وہ تھیٹر پہنچا۔ لوگ پاگل ہو کر اس کی موٹر پر ٹوٹ پڑے اور پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ پیٹھ پیچھے انڈسٹری کے لوگ اس کی ایکٹنگ کا مذاق اڑاتے تھے، مگر ہٹ کے بعد کون بول سکتا تھا۔ ویسے تو کرن دیوان اور پردیپ کمار ایکٹنگ کے نام لٹھ نہیں جانتے، مگر تاریخی ہٹ فلموں کے ہیرو ہیں۔

واسو دیو اور کملا کچھ بجھے بجھے سے نظر آرہے تھے، دھرم کے فرشتوں کو بھی وہ سین یاد نہ تھا۔ جو ان دونوں کے دماغوں کو داغ چکا تھا۔ ضرور کملا اور واسو میں جھگڑا ہوا ہے۔ اس کی کامیابی سے دونوں کے منہ اترے ہوئے ہیں۔ کملا نے طعنہ دیا ہوگا وہی کہ ایک بھائی آتنا اور دوسرا اس کے ٹکڑوں پر پڑا ہے۔ ان رشتہ داروں کو کتنا بھی ساتھ گھسیٹو دماغ ہی نہیں ملتے۔ دھرم دیو کے بھائی ہیں، بس لوگ اسی سے مرعوب رہتے ہیں۔

"بیٹا مبارک ہو بھائی جی" کملا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ شاید جل رہے ہیں دونوں کہ اس کے ہاں پھر بیٹا ہوا ہے۔ واسو کی پہلوٹھی کی لڑکی ہوئی۔ دھرم دیو کی طبیعت مکدر ہوگئی۔ اتنے میں زرینہ جمال اپنی ماں کے ساتھ دکھائی پڑی۔ وہ ایک دم چڑھ گیا۔ کیا تام جھام بن کے آئی ہے۔ اس لڑکی کو بھی بمبئی کی ہوا لگ گئی۔ بنارسی ساڑی اور اوپر سے لپ اسٹک! ایک ڈانس کیا دے دیا کہ پوری ہیروئن بن بیٹھیں۔ جی چاہا ابھی جا کر لپ اسٹک پونچھ دے۔

"آج سب مجھے جلانے پر تلے ہوئے ہیں" اس نے کبیدہ خاطر ہو کر سوچا۔ اتنے میں ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ساری کوفت دور ہوگئی۔ ان تالیوں میں تو ایک فن کار کی جان ہوتی ہے۔ ان تالیوں کے عدم اور وجود سے وہ مرتا اور جیتا ہے۔ ان تالیوں سے تو دھن برستا ہے۔ تجوریاں بھرتی ہیں۔ شاید یہ تالیاں کیشو کے کرایہ کے ہاتھ بجا رہے ہیں۔ اور اگر یہ تالیاں نہیں بجتیں تو پروڈیوسر کے

بارہ بج جاتے ہیں۔

رتیا اپنے جیتے رتی کے ساتھ تھی۔ اس نے دھرم دیو کو کئی بار کنکھیوں سے دیکھا۔ سمجھ رہی تھی ابھی بم نہیں پھٹا۔ فلم لائن میں کوئی راز ایسا نہیں جو طشت از بام نہیں ہوتا۔ اور اخباروں میں اس کے پرزے نہیں اڑائے جاتے۔ پرزے اڑیں گے تب رتی اس کے پرزے اڑائے گا۔ کمسن محبوب کتنا ظالم اور خطرناک ہوتا ہے۔ گھٹنے ٹکوا کر ہی دم لیتا ہے۔

جیسے وہ درپاجی کو......

پریمیر کے بعد وہ باہر نکلا تو دیکھا زرینہ جمال اور اس کی ماں ایک طرف کھڑی تھیں۔ کسی نے اسے پہچانا تک نہیں۔ ایک دن پہچان جائیں گے تو اسے دیکھ کر باولے کتوں کی طرح زبانیں لٹکائے اس پر حملہ کریں گے۔

اس نے کیشو سے کہا انھیں اسٹیشن ویگن میں ان کے گھر چھوڑ دینا۔

۴

صبح اس کی آنکھ کھلی تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے ساڑھے نو بجے تک منگلا سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور نو بج چکے تھے۔ اب آدھ گھنٹے میں ضروریات سے فارغ ہو کر شیو کرے یا اخباروں کے ڈھیر میں فلم کے ریویو پڑھے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وقت بچانے کے لئے اس نے ایک ہاتھ میں الیکٹرک شیور تھاما، اور دوسرے میں اخبار اور کموڈ پر بیٹھ گیا۔ پھر اسے اپنی حماقت پر غصہ آیا۔ وہ اپنی بیوی بچے سے ملنے جا رہا ہے، اس کی بیوی، نصف بہتر اور اس کا پیارا بچہ۔ منگلو جانتی ہے وہ کس قدر تھکا ہوا ہے۔

ہسپتال میں مبارک باد دینے والوں کا جمگھٹا تھا۔ زندگی ایک مستقل مبارکباد بن کر اس پر سے نچھاور ہو رہی تھی۔

لوٹتے وقت اس نے ہیرے کا سیٹ منگلا کے لئے نانو بھائی جوہری کے ہاں سے لیا کہ شام کو دے گا۔ کلکتہ ریلیز پر جانے سے پہلے وہ منگلا کے پاس گیا تو ہار گھر ہی بھول آیا تھا۔ منگلا سے ذکر بھی نہ کیا۔

رتیا بھی کلکتہ جا رہی تھی۔ رتی سے اس کا پریمیر کے دن خوب جھگڑا ہوا تھا۔ ساری رات جنگ بپا رہی۔ دھرماجی کی حرکت پر اس سے ہمدردی کرنے کے بجائے وہ کڑھے مردے اکھیڑ رہا تھا۔ ہاتھ پیر جوڑ کر اسے کلکتہ چلنے پر راضی کیا۔ وہ کھسیانہ ویسے ہی ہو رہا تھا۔ لوگ رتیا کو دیکھ کر دیوانے ہوئے جا رہے

تھے۔ اس کے آٹوگراف لے رہے تھے۔ اس کے ساتھ تصویریں کھنچوا رہے تھے۔ اسے کوئی نہیں پہچان رہا تھا۔ وہ جلا بھنا شراب کے نشے میں دھت بور ہو رہا تھا۔

ہوٹل میں رتی نے شراب پی کر اینگلو انڈین لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرنا شروع کر دیا۔ اس پر رتیا کا موڈ بالکل آف ہو گیا۔ وہ دکھاوے کے لئے الگ کمرے میں ٹھہرا تھا مگر رتیا کے کمرے سے ملا ہوا اس کا کمرہ تھا۔ پریمیر پر جانے کے سلسلے میں اور بھی تو تو میں میں ہوئی۔ دھرم نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو اسے بھی دو چار سنا دیں۔ مگر پھر فوراً معافی مانگی اور پیر پکڑنے لگا۔ خیر دونوں گلے ملے اور آئندہ فلم میں کام کرنے کے وعدے ہو گئے۔ مگر سب نشے میں۔ موٹر میں پھر دونوں الجھنے لگے اور رتی موٹر سے اتر کر چل دیا۔ رتیا کو بھی غصہ آ گیا اور وہ چلا چلا کر اسے ماں بہن کی گالیاں دینے لگی۔

انٹرول میں پھر نہ جانے کدھر سے آن پہنچا۔ اور بھی پیئے ہوئے تھا۔ اس کی سیٹ پر کوئی رتیا کے مداح آن کر ڈٹ گئے تھے۔ رتی بے توجہ ہو کر مڑ گیا۔ رتیا جلی بیٹھی تھی۔ اس نے بھی خوب دھرم دیو سے چمٹ کر اٹھلاتی ہوئی تصویریں کھنچوائیں۔ رتی نے وال گلتے نہ دیکھی تو نہ جانے کدھر کھسک گیا۔ رات کو پریمیر سے واپسی پر رتیا دھرم دیو کے کمرے میں آ کر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اس نے بمبئی ٹرنک کال بک کر رکھی تھی۔ چلتے وقت منگلا چپ چپ سی تھی۔ کیا کچھ گڑبڑ تو نہیں ڈاکٹر اس سے چھپا رہے ہوں۔

ایک دم رتیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ارے..... کیا ہوا؟"

"ہائے دھرم جی....." وہ اس کے شانے سے لگ کر سسکیاں لینے لگی۔

"ناحق اس دو ٹکے کے پیچھے پریشان ہو رہی ہو۔ گولی مارو کمبخت کو۔" اس نے سمجھایا۔

"گولی مارنے سے کام نہیں چلے گا..... آئی ام پریگنینٹ!"

"یو..... یو آر واٹ؟" دھرم دیو اچھل پڑا۔ "اوہ..... مائی گوڈ"

دھرم نے اٹھ کر دو تگڑے تگڑے پیگ بنائے۔

"پر تم کیوں مرے جا رہے ہو، تمہاری فلم تو پوری ہو گی" رتیا نے طعنہ دیا۔

"دوسری جو سیٹ پر جا رہی ہے" دھرم دیو نے جھوٹ بولا۔ اس کا ارادہ قطعی رتیا کے ساتھ فلم بنانے کا نہیں تھا۔ ساتھ میں رمی کو لازمی طور پر لینا پڑے گا۔ وہ اتنا احمق نہیں جو ان گھپلوں میں آ جاتے۔ آج ملاپ کل لڑائی۔ پکچر کا ڈبہ گول ہے۔

"دوسری کو ڈالو چولہے میں۔ یہاں جان پہ بنی ہے اور تمہیں پکچر کی پڑی ہے۔ مجھ سے کسی کو دلچسپی نہیں۔ میں مر جاؤں، خاک میں مل جاؤں بس ہٹ فلمیں بنتی رہیں۔"

"مگر وہ الو کا پٹھا گیا کہاں؟"

"گیا ہوگا کہیں اپنی اماں بہنا کے ساتھ۔" اچھے گھرانے کی لڑکی ایسے مزے سے بازاری گالیاں بک دیتی تھی کہ لوگ ہکا بکا رہ جاتے تھے۔

"لوگو کوئی حل سوچو میری مصیبت کا۔"

اتنے میں بمبئی سے کال مل گئی۔

"ہلو۔۔۔۔ کیسی ہو منگل۔۔۔۔" اس کا جی چاہ رہا تھا رتیا بھی غارت ہو تو وہ منگلا سے کوئی بہت پیاری سی بات کہے۔ اس نے رسیور پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پلیز رتیا۔"

"تمہاری بلا سے میں جا کے مر جاؤں۔"

"کب آ رہے ہو؟" منگلا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"تم کیسی ہو نا، بس تم۔۔۔۔ تمہاری چہیتی بیوی۔۔۔۔ بچے۔۔۔۔" رتیا نے لمبی سی آہ بھری۔۔۔۔۔۔

"صبح کے پلین سے دہلی۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔ اف وہ رتیا پلیز۔۔۔۔۔۔ ہلو۔۔۔۔۔"

"دہلی نہ جاؤ گے تو کیا دیوالہ نکل جائے گا" منگلا نے کہا۔

"سیٹیں بک ہو گئی ہیں۔ وہاں انتظار ہو رہا ہوگا۔ پریمیر ہے آخر۔۔۔۔"

"بس پریمیر۔۔۔۔ مہورت شوٹنگ۔۔۔۔ ایڈیٹنگ۔۔۔۔ اسی میں زندگی بیت جائے گی۔ تمہیں شادی کی کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔"

اف وہ مر مر کے تو یہ لڑکیاں شادی کرتی ہیں پھر اُلٹے طعنے دیتی ہیں۔

"بھگوان۔۔۔۔ میں ماں بننے والی ہوں!" رتیا نے اپنی کسی پرانی فلم کا مکالمہ

دہرایا اور ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"شٹ اپ رتیا۔"

"یو شٹ اپ حرامزادے۔۔۔۔ کمینے" رتیا چنگھاڑی۔

"یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو" منگلا نے پوچھا۔ "کون ہے تمہارے کمرے میں؟"

"رتیا ہے۔"

"رتیا۔۔۔۔ تمہارے کمرے میں۔۔۔۔ کیا کر رہی ہے۔"

"رو رہی ہے" دھرم دیو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ مشہور فلم اسٹار رتیا دیوی۔۔۔۔ نصیب کو رو رہی ہوں" رتیا پہ خوب چڑھی ہوئی تھی۔ وہ رسیور پر جھک کر چیخی "میں جنم جلی ابھاگن۔۔۔۔ میں ماں بننے والی ہوں" اس نے رسیور چھیننے کی کوشش کی۔

"ہلو۔۔۔۔ ہلو۔۔۔۔ منگلا۔۔۔۔ ہلو" مگر لائن کٹ چکی تھی۔ اس نے رتیا کو دور جھٹکا دیا اور پھر سے کال بک کرنے لگا۔ دھرم دیو کا دم گھٹنے لگا۔ منگلا کی خفگی کے خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ جی چاہا رتیا کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے۔ خواہ مخواہ کڑھ رہی ہوگی منگلا۔ پچھلی دفعہ کی طرح دودھ خشک ہو گیا تو بڑی مصیبت ہوگی۔ مگر ایسی بات ہی کیا ہے۔ منگلا ایسی تو نہیں کہ اس پر کوئی ایسا ویسا شبہ کر بیٹھے۔

وہ تھوڑی دیر سر پکڑے بیٹھا رہا۔ صبح نو بجے ایرپورٹ پہنچنا تھا۔ جی چاہ رہا تھا بجائے دہلی جانے کے سیدھا بمبئی ہی چل دے، مگر پروگرام لوٹ پوٹ ہونے کا ڈر تھا۔ بڑے زور کے ریسپشن کی تیاریاں ہوں گی۔

"چلو رتیا اپنے کمرے میں۔"

مگر رتیا اڑ گئی۔

"آ تو بھی رمی آ گیا ہوگا۔"

"نہیں وہ نہیں آئے گا۔۔۔۔ کبھی نہیں آئے گا۔ وہ چار لڑکیوں کے ساتھ گیا ہے۔" اس نے چاروں انگلیاں پھیلا دیں اور گندی گندی تفصیلیں بیان کرنے لگی۔

"رات کے دو بجے ہیں....."

"ابھی تو دو لڑکیاں باقی ہوں گی۔" وہ دھرم کے گلے میں باہیں ڈال کر کھلکھلانے لگی۔

"گھبراؤ نہیں رتی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے پیٹ میں کلبلاتے کیڑے کا کیا ہوگا بس ایک ہی راستہ ہے۔ موت!" وہ پھر کسی فلم کے سیٹ پر پہنچ گئی۔

"پاگل نہ بنو....." وہ اُسے گھسیٹتا کمرے کی طرف لے چلا۔

"صبح سے پہلے اُسے چھٹی نہیں ملے گی۔ بڑی لمبی ڈیوٹی ہے......"

"چھوڑ دو مجھے حرام زادے......" اُس نے دھرم کو دور جھٹکا اور کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ گئی۔

"کیا کرتی ہے پگلی!" اُس نے رتیا کو پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا۔ اتنے میں ٹرنک کال مل گئی۔

"میں جینا نہیں چاہتی....." وہ پھر کھڑکی کی طرف لپکی اور چوکھٹ پر چڑھ گئی۔

"ہیلو.....منگلا.....ارے" وہ ٹیلی فون پھینک کر لپکا۔

"مجھے مرنے کیوں نہیں دیتا حرام زادے" وہ چنگھاڑی۔ "مجھے چھوڑ دے ظالم......"

ایک ایک کر کے ہوٹل کے کمروں میں بجلیاں جلنے لگیں۔ کوئی دھرم دیو کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ رتیا جنگلی بلی کی طرح اُس کا منہ نوچ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اُس نے رتیا کو زمین پر گرایا۔ لپک کر دروازہ کھولا اور لپک کر دوبارہ اُسے دبوچ لیا۔

جب کیشو، رندھیر، ہوٹل کا منیجر اور چند اِدھر اُدھر کے تماشبین داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا رتیا اور دھرم ایک دوسرے میں اُلجھے ہوئے قلابازیاں کھا رہے تھے۔ سب نے رتیا کو دھرم دیو سے تھیٹر میں لپٹتے چپٹتے دیکھا ہی تھا۔ رتی سے بھی اُس کے جھگڑے کی بات سب پر عیاں ہو چکی تھی۔ سوائے کیشو کے کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ دھرم کی حیثیت اُس ڈرامے میں در و دیوار سے زیادہ نہیں

جن سے بدبخت رتیا اپنا سر پھوڑ رہی ہے۔

جب لوگ تڑپتی بلبلاتی رتیا کو لے گئے تو دھرم کی نظر پھانسی پر لٹکے ہوئے رسیور پر گئی۔ لائن ابھی تک کٹی نہیں تھی۔

"ہیلو.....ہیلو منگلو....." وہ ہانپا

اُدھر سے صرف ایک ادھوری سی سسکی ابھری اور لائن کٹ گئی۔

وہ بڑی دیر تک رسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ پھر اُس نے مردہ رسیور رکھ دیا۔ بڈھوں کی طرح گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھا۔ وسکی کا گلاس بھرا اور غٹ غٹ پی گیا۔ پھر قالین پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے پیر پکڑ کر آگے پیچھے جھوم جھوم کر سسکیاں بھرنے لگا۔

بچپن میں جب اُس کی ماں غصہ ہو کر اُسے اکیلے کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھا دیا کرتی تھی تو وہ اسی طرح زمین پر پھسکڑا مار کر رونے لگتا تھا۔

صبح جب وہ ایئرپورٹ جا رہا تھا۔ تو اُس نے دیکھا رتیا بھی سجائی لاؤنج میں بیٹھی ہے۔ رتی اُسے نارنگی کی پھانکیں چھیل چھیل کر کھلا رہا تھا اور وہ تتلا تتلا کر اُس سے پیار کی باتیں کر رہی تھی۔

رات ضرور اُس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا

بمبئی پہنچ کر اُس نے سب یار دوستوں کو ٹال دیا۔ سیدھا گھر پہنچا۔ سامنے برآمدے میں کیشو اکڑوں بیٹھا تنکے سے زمین کرید رہا تھا۔ وہ اور رندھیر رات کے پلین سے پہنچ گئے تھے۔ اُسے دیکھ کر وہ لپکا۔ دھرم دیو اترنے لگا تو وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

"منگلا اسپتال سے تو آ گئی نا کیسی ہے؟"

"اچھی ہیں۔ دفتر چلو" اُس نے ڈرائیور سے کہا۔

"ایسی کیا بات ہے؟" دھرم دیو کھٹک گیا۔ "ٹھہرو" اُس نے ڈرائیور سے کہا۔

"کچھ نہیں.....چلو تو دفتر"

"کیوں؟"

"گھر میں تالا پڑا ہوا ہے!" اُس نے چپکے سے کہا۔ حالانکہ ڈرائیور کو سب معلوم تھا۔

"خیریت تو ہے؟" اُس نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔"

"کیشو!"

"اب میں کہتا ہوں ایسی گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔ مدراس کے ڈسٹری بیوٹر کا صبح فون آیا تھا۔ میں نے اُنھیں دو بجے کا ٹائم دے دیا ہے۔ بس آتے ہی ہوں گے۔" کیشو اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگا۔

"یہ کیا..... اُٹھو۔" وہ ضبط کر کے ناخون کاٹنے لگا۔ اسے کیشو کی اس لیپا پوتی سے بڑی چڑ تھی۔

"کہاں گئی ہیں؟" اس نے دفتر میں پہنچ کر بے تابی سے پوچھا۔

"مائیکے، اور کہاں جاویں گی۔"

"مگر....."

"میں نے بہت سمجھایا مگر وہ تو مجھے آپ کا چمچہ سمجھتی ہیں۔ واسو اور کملا نے انہیں سب بتا دیا۔ پھر اس روز ٹرنک کال پر تو غضب ہی ہو گیا۔ دیدی کو فون پڑ گیا۔ تمام میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔"

"کملا اور واسو نے کیا بتا دیا؟"

"اس دن..... جب ورما جی نے ایسڈ پھینکا تھا تو آپ اُسے ساتھ لے آئے تھے۔ کمرے میں اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔"

"ایں؟"

"جی؟"

"مگر..... بڑا گدھا ہے یہ واسو کا بچہ....."

"اب دیکھو زیادہ گڑبڑ مت کرو۔ خود ہی تو کہتے ہو کہ بزنس اور رومینس کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔"

"ابے سالے کیا بک رہا ہے۔ تو جانتا ہے میرا اور رتیا کا کوئی گھپلا آج تک نہیں ہوا۔"

"میں تو جانتا ہوں بابا۔ پر میں تمھاری بیوی تو نہیں ہوں۔ وہ تو عورت ذات ہے اور سچویشن ایسی بگڑ گئی ہے کہ بیتر پانی ہو جائے گا ثبوت دیتے دیتے۔"

"میں کوئی ثبوت وبوت نہیں دوں گا۔

"مگر دیدی کا بھی دوش نہیں۔ واسو اور کملا نے اُنھیں کیوں بتایا کہ رتیا بیڈ پر لیٹی تھی۔"

"تو اس میں کون سا غضب ہو گیا۔"

"اور آپ..... اور یہ.....،" کیشو بدذاتی سے مسکرایا، "وہ کملا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میری کون سنتا ہے۔ مجھے تو دیدی نے باہر نکال دیا۔"

"تو رتیا بتا دے گی۔"

"وہ تو اُس نے ٹرنک کال پر کلکتہ میں ہی بتا دیا تھا۔"

"کیشو بلو کی سوگند..... میں"

"میں جانتا ہوں جی، مگر بچے کو اس گند میں نہ گھسیٹو۔ بابو یہ فلم لائن ہے۔ یہاں سب چلتا ہے۔ سب فلم لائن کے فیتے سے ناپے جاتے ہیں۔" اتنے میں اسٹاف کے لوگ آ گئے اور بات وہیں گھٹ گئی۔

دھرم دیو سسرال پہنچا۔ وہاں ہر شخص کا منہ پھولا گیا۔ منگلا کیا روٹھی سارا کنبہ روٹھ گیا۔ اپنا سگا بھائی کترا کر نکلا جا رہا ہے۔

منگلا تھی بھی بے انتہا شکی مزاج۔ کبھی بات اِدھر کی اُدھر ہو جاتی تو جان کو آ جاتی۔ اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔

"تم تو کہتے تھے ایڈیٹنگ کرنا ہے پھر جوہو کیوں چل دیئے۔"

"اور سیزوالے ڈسٹری بیوٹر سے ملنا تھا۔"

"بس ہوٹلوں ہی میں ملنا ہوتا ہے۔ یہ کمبخت دفتر کی پھر کیا ضرورت ہے، ہاں وہاں ننگی چھوکریاں جو نہیں ناچتیں۔ جونہی وہ گھر سے روانہ ہوتا وہ اس کا پیچھا شروع کر دیتی۔ آفس پہنچا کہ نہیں۔ جگہ جگہ فون کرتی۔ جب وہ واقعی کام میں مشغول مل جاتا تو چور سی رہ جاتی۔

"کیا قصہ ہے؟ جگہ جگہ فون کر رہی ہو۔ کیا سمجھتی ہو کسی رنڈی کے ہاں مجرا سن رہا ہوں۔" وہ چڑ جاتا۔

"ارے واہ، بلو یاد کیے جا رہا تھا۔ گھنٹہ بھر سے ڈیڈی ڈیڈی کی رٹ لگا رکھی ہے۔" وہ فوراً بچوں کی آڑ میں دبک جاتی۔ دھرم پگھل جاتا۔ کیسی بدنصیبی تھی اُسے بچوں کو پیار کرنے کے لیے بھی چھٹی نہ ملتی تھی۔ کئی کئی دن تو صورت بھی دیکھنے کو

نہ ملتی۔ صبح وہ اُٹھتا تو بچے ہوا خوری کو چلے جاتے۔ رات کو واپس لوٹتا تو سوتے ہوتے۔ اُسے کتنا ارمان تھا اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کا، اُسے اپنے ساتھ سلانے کا۔ واسو چھوٹا تھا تو دھرم اور وہ ساتھ سویا کرتے تھے۔ کبھی وہ ضد کرنے لگتا۔

”بلو کو میرے پاس لٹا دو۔“

”ابھی سویا ہے جاگ گیا تو رونے لگے گا۔“ منگلا ٹال دیتی۔ وہ خود اس کی بھوکی ہوتی تھی۔

”کچھ دن یہاں رہ لے گی تو کیا اندھیر ہو جاتے گا۔“ منگلا کی اماں بولیں۔

”آپ ہی وہاں چلی چلیں۔“

”میں کہاں سارا گھر بار چھوڑ کے جاؤں۔“

”تو وہاں بھی تو گھر بار ہے۔“ اُسے ڈھنڈ بار گھر کے خیال سے وحشت ہونے لگی۔ ”دوسرے جانا ہے نا۔“

”کہاں جانا ہے۔“

”کل رسپشن ہے۔ رتیا اور رمی کی شادی کا۔“ اُس نے گپ ماری۔ منگلا کان لگا کے سننے لگی۔

”شادی ہو گئی۔ کب؟ کہاں؟“

”شادی تو دہلی میں چپ چپاتے ہو گئی۔“ وہ دلیری سے جھوٹ بول گیا۔

گھر جاتے وقت وہ موٹر ہی میں جرح کرنے لگی۔

”رات گئے اس دن تمہارے کمرے میں کیا کر رہی تھی۔“

”میرے کندھے پر آنسو بہانے آئی تھی۔ رمی سے جھگڑا ہو گیا تھا۔“

”پھر؟ ..... کیسے راضی ہوا؟“

”تو نے مجھے بہت ستایا سوتی۔“ دھرم نے منگلا کو گھسیٹ کر اس کے ہونٹ چوم لئے۔ ”جی چاہتا ہے تیرا منہ توڑ دوں۔“

”ہوں نہوں۔“ منگلا نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا۔

”آخر پھانس ہی لیا رتیا نے اُسے۔“ اور دھرم دیو کا دل بیٹھنے لگا کہ اگر بھید کھل گیا تو؟

”پیٹ سے ہے رتیا؟“

”کہتی تو ہے۔“

”پرمی پھیوڑ بچہ ہوگا۔“ منگلا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

گھر پہنچ کر سب سے پہلا کام دھرم دیو نے یہ کیا کہ کیشو اور رندھیر کو طلب کیا اور تینوں رتیا کے سر پر جا سوار ہوئے۔

”شادی ہو گی اور آج رات ہی ہو گی۔“ اُس نے الٹی میٹم دیدیا۔ ”ورنہ لاشیں پڑ جائیں گی۔“

”ارے واہ کیا گھاس کھا گئے ہو، کوئی گڑیا گڈے کا بیاہ ہے جو آج ہی ہو جائے۔ انتظام کرنا ہے، کوئی مذاق ہے۔“

کل تک رتیا شادی کے لئے بلبلا رہی تھی آج نخرے ہونے لگے۔ کیشو اور رندھیر نے منگلا کو سمجھایا کہ یہ دکھاوے کی شادی ہے۔ اصلی دہلی میں ہو چکی۔

کیا دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ نہایت شاندار ریشمی رقعے چھپے۔ دلہن سب شوٹنگ وغیرہ چھٹک کر مایوں بیٹھ گئی۔ ساری انڈسٹری کی بہو بیٹیاں جمع ہوئیں۔ اُبٹن لگا، مہندی رچی۔ بنگلا قمقموں اور رنگین جھنڈیوں سے جگمگا اُٹھا۔ پھاٹک پر نوبت بج رہی تھی۔ لگن منڈپ زرتار لڑیوں اور پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ پھیرے پڑے۔ وہی پروڈیوسر ڈائرکٹر اور آرٹسٹ جو برات میں آئے تھے دُلہن والے بھی تھے۔ دُولہا پھولوں سے لدا پھندا گھوڑے پر سوار ہو کر بینڈ باجے کے ساتھ برات لے کر چڑھا۔ حیدرآباد سے خاص طور پر نظام کے توشہ خانہ سے جھلا جھل کرتی پنس منگوائی گئی تھی۔

جب دھرم دیو نے کنیا دان کیا تو منگلا کے آنسو چھلک پڑے۔ شاید جی بھر آیا ہوگا۔ مگر بعض لوگوں کا یقین تھا کہ اپنی زندگی کی راہ سے خطرہ ٹل جانے کی خوشی میں آنسو چھلک آتے۔ رخصتی کے وقت جب ”کاہے کو بیاہی بدیس“ فلم لائن کی بہترین آوازوں سے اُٹھایا تو دُلہن کی چیخیں نکل گئیں اور کوئی آنکھ ابھی تک نہ تھی جو چھلک نہ اُٹھی ہو۔ رتیا اپنے پرائے سے ایسے گلے مل مل کر دھاڑی جیسے وہ واقعی ہزاروں کوس بیاہ کر جا رہی ہو۔ سب نے اُسے تحفوں سے لاد کر رخصت کیا۔ ان میں ڈسٹری بیوٹر اور پروڈیوسر بھی تھے۔ میک اپ

ہیں اور ڈریس انچارج بھی تھے۔ وہ جنہوں نے اس سے لاکھوں بنائے تھے اور وہ بھی جنہوں نے برے دنوں میں اُس کی ناک بھی رگڑ دی تھی۔ آج سب براتی تھے۔ برات گشت کرکے واپس لوٹ آئی کہ اب یہ بنگلہ ہی دولہا کا تھا۔ دلہن دولہا کے لیے ایک کمرہ لڑکی بابیوں نے سجا کر تیار کر رکھا تھا۔ میر جکر آرٹ ڈائرکٹر نے اس میں دھرم دیو کے اسٹور میں سے لاکر کانچ کے قمقمے اس چابک دستی سے سجائے تھے کہ پرستان کے کسی حجلۂ عروسی کا گمان ہوتا تھا۔

جب لڑکیاں قہقہے مارتی رمی کو لائیں اور کمرے میں بند کرکے چٹخنی چڑھا دی تو وہ ریتا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ شرمائی لجائی گٹھری بنی مسہری پر بیٹھی تھی۔ ایسی ریتا کو تو اس نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ تو اُس کے حملوں کو وصول کرنے کا عادی تھا۔

ڈرتے ڈرتے اُس نے گھونگھٹ اٹھایا۔ ریتا مہندی لگے ہاتھوں سے منہ چھپا کر اور جھک گئی۔ بڑی مشکل سے اُس نے ہاتھ ہٹائے تو ریتا کی نرگسی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس کے معصوم چہرے پر کس بلا کا کنوارپن تھا کہ رمی کو جھرجھری آگئی۔

۵

منگلا، دعوتوں کے بعد بھی کئی ہیروئنوں سے زیادہ لچک دار اور نازک تھی۔ اس کی آواز کا جادو تو ملک بھر میں چھایا ہوا تھا، مگر ایکٹنگ سے وہ بہت خائف تھی۔ نہ جانے کس نے یہ تجویز پیش کی کہ بنگال کہانی کے لیے اس سے بہتر لڑکی نہیں مل سکتی۔ اس کی باوقار شخصیت رول کو چار چاند لگا دے گی۔ منگلا نے صاف انکار کر دیا اور دھرم نے بھی زور نہ دیا۔

زرینہ کی فلم کے سوا اور سیٹ پر کوئی فلم نہ تھی۔ اتنی چھوٹی سی فلم کے بل بوتے پر کیسے گاڑی چلے گی۔ سب نے بہت کہا مدھو بالا یا نمی کو لے کر فوراً فلم شروع کر دی جائے، مگر نہ جانے دھرم کو کیا ہو گیا تھا۔ حال ہی میں کہانی کے سلسلے میں اتنی بنگال اور مراٹھی فلمیں دیکھی تھیں کہ کوئی چیز جچ ہی نہیں رہی تھی۔ انھیں دنوں بمبئی میں بیرونی فلموں کا ایک میلہ ہو رہا ہے۔ دھرم نے کچھ اٹلی اور فرانس کی شاہکار فلمیں دیکھیں اور انھیں دل دے بیٹھا۔ ایک دم احساس ہوا وہ اب جو بھی فلم بنا چکا ہے، سوشل اور اسٹنٹ فلموں کا کچومر تھے۔ کوئی فلم اس قابل نہ تھی کہ کسی مہذب ملک میں ہندوستانی فلم انڈسٹری کا نمائندہ بنا کر بھیجی جا سکے۔ اس نے بڑی تندہی سے ایک واقعی اچھی کہانی کی تلاش شروع کر دی۔

بڑی دلچسپ ہوتی ہے یہ کہانیوں کی تلاش! ہر چہار طرف ہرکارے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ پھر وقت مقرر کیا جاتا ہے، کہانی سنی جاتی ہے،

دور بھی چلتا جاتا ہے ۔ گپیں ہوتی رہتی ہیں ۔ انڈسٹری کے سارے اسکینڈلوں پر تبصرہ ہوتا ہے ، پھر کہانی چلتی ہے ۔ وہی پٹے پٹائے موضوع ۔

جب ایک چیز مل جاتی ہے تو انسان دوسری کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے ۔ جب روٹیوں کی محتاجی تھی تو بس دولت کمانے کی ترکیبیں سوچی جاتی تھیں ۔ پھر دولت قدموں کی لونڈی بن گئی تو شہرت کی ہوس بڑھی ۔ وہ ڈسٹری بیوٹر اور ایگزیبیٹر کی بخشی ہوئی شہرت نہیں ۔ انٹیلکچوئل طبقے کی تعریف ۔ خواہ اس سودے میں دولت سے ہاتھ دھونا پڑے ۔ کالی اور سفید دولت اپنی جاذبیت کھو چکی تھی ۔ ہر چیز سے جی بھر گیا تھا ۔ جیسے لمبے سفر کے بعد گاڑی اطمینان سے شیڈ میں کھڑی تھی ۔ عجیب اکتاہٹ سی ماحول پر چھائی ہوئی تھی ۔

اگر کوئی کہانی جی کو لگتی تھی تو وہ بنگالی کہانی تھی جو نکہ خرید لی گئی تھی ۔ اور اس پر کچھ دنوں کام بھی ہو چکا تھا ۔ اس لئے جب بہت اکتاہٹ چھا جاتی تو اسی کو لے بیٹھتے ۔ کیشو جو صرف دھوم دھڑکے والی فلموں میں یقین رکھتا تھا ۔ نہ جانے کیا مصلحت دیکھی کہ وہ بھی اسی کے حق میں ہو گیا ۔ اس نے منگلا کو پٹانے کا دل ہی دل میں بیڑا اٹھا لیا ۔

”دیدی رول تمھارے سوا کسی پر نہیں سجتا ۔“

”کیوں جی تم تو شریف گھرانے کی لڑکیوں کا فلم میں کام کرنا عیب سمجھتے ہو ۔“

”ارے تو میں فلم میں کام کرنے کو تھوڑی کہتا ہوں ۔ دھرم جی یہ فلم کوئی مارکیٹ کی مانگ پوری کرنے کو تھوڑا ہی بنا رہے ہیں ۔ ایک اونچی پکچر بنا رہے ہیں ۔ اور دیدی ۔ ان سالی ہیروئنوں سے تو پیچھا چھوٹے گا ۔ آخر کو جوان ہیں سندر ہیں ۔ پوزیشن ہے ۔ مکھیوں کی طرح لڑکیاں ٹوٹتی ہیں ۔ وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ۔ آپ کے آگے وہ ہر کسی کو دھول سمجھتے ہیں ۔ کیوں ان کا دل توڑتی ہیں ۔“

منگلا بھی کچھ گھرداری سے اوب چلی تھی ۔ گھر کی سجاوٹ بن کر رہ گئی تھی ۔ اور اس سجاوٹ کو دیکھنے کی گھر والے کو مہلت بھی نہ تھی ۔ کم سے کم ساتھ ہی رہے گا ۔ ساتھ نکلنے گا کر اور کبھی کبھار شوٹنگ میں غیروں کی طرح بیٹھنے سے ساتھ کہانی پر

ہے ۔ اگر کام کر لیا تو کہانی پر بھی ساتھ بیٹھنے کو ملے گا ۔ اچھل کود تو نہیں کرنی جو شرم آئے ۔

جب شام کو دھرم آیا تو وہ بیٹھی اسکرپٹ پڑھ رہی تھی ۔ بے ساختہ اس نے انتخاب کی داد دی ۔

”مگر کیا فائدہ پیسے بھی ڈوبے بنے گی کہاں ۔“

”کیوں ؟ ایسا بہت تو خرچ بھی نہیں آئے گا ۔ کاسٹیوم اور سیٹ کا تو کچھ جھگڑا ہی نہیں ۔ کیریکٹر بھی چار چھ ہی ہیں ۔“

”مگر ہیروئن کا بڑا ٹیڑھا سوال ہے ۔“

”نرگس کو لے لو ۔“

”نہیں ۔“

”آخر اس سے اچھا اس رول کو کون کر سکتا ہے ؟“

”رول تو سارا ہیروئن کا ہے ۔ بڑی ہیروئن کیوں تیار ہو گی ۔ اور شیاما شکیلہ کے بس کا یہ رول نہیں ۔“

”ہوں ۔“ منگلا سوچ میں پڑ گئی ۔ پھر اسکرپٹ کھول کر بولی ۔ ”یہ سین تو بڑا ہی دل کو پکڑتا ہے جہاں ہیرو ہیروئن کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ اس کی نیت کو سمجھ کر ہونٹوں پر تلو رکھ لیتی ہے ۔“

دھرم نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچا ۔ بے اختیار منگلا نے ہونٹوں پر تلو رکھ لیا ۔ دونوں ہنس پڑے ۔

منگلا کا ٹیسٹ توقع سے زیادہ قابل اطمینان ثابت ہوا ۔ دھرم میں جیسے کسی نے جان ڈال دی ۔ دونوں رات رات بھر بیٹھ کر سیٹ بنواتے ، منگلا نے دھوتیاں اور بلاؤز دھول میں رگڑ کر عین اسکرپٹ کے مطابق خود بنا کر دلوائے ۔ ایک ایک سین موتی کی طرح جڑا جانے لگا ۔ کسی طرح دونوں کی تسلی ہی نہ ہوتی ۔ بار بار سیٹ لگتے اکھڑتے اور پھر سے سین لئے جاتے ۔ پہلی بار کلاس پکچر بن رہی تھی ۔ شروع شروع میں تو خوب سنسنی ہو گئی پھر بات ٹھنڈی پڑ گئی ۔

ڈسٹری بیوٹر نے فلم دیکھی تو تعریفوں کے پل باندھ دیئے مگر جاتے [illegible] اور [illegible] فلم خرید لی ۔ دھرم نے جل کر زرمنیہ والی فلم ”ناز“ بھی [illegible]

انکار کر دیا۔ اس کی رپورٹ بری نہیں تھی، مگر بالکل نئی ہیروئن اور گمنام سے ہیرو انیل کی فلم سے کسی کو بہت زیادہ دلچسپی بھی نہیں تھی۔

فلم روپیہ بٹورنے کے لیے نہیں بنائی گئی تھی مگر خرچ بہت بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ دھرم اور منگلا دونوں ہی اپنی بات کو منوانے پر تلے ہوئے تھے۔ پھر سے نیو تھیٹر کی روایت کو دہرانے کا قصد تھا۔ گانے بھی بے حد کلاسیکل رنگ میں تھے اور منگلا نے بڑی جان لگا کر گائے تھے۔ مگر چلتے ہوئے وقتی گانوں کی طرح لوگ ان پر سر نہیں دھنتے تھے۔ پھر ذرا چلتے گانے ریکارڈ ہوئے وہ اور بھی بجھ گئے۔ نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔ اس ادھیڑ بن میں دونوں ہی کچھ چڑچڑے سے رہنے لگے۔ بات بات پر بحثیں چل نکلتیں۔ اسٹاف کا دم سوکھنے لگتا۔ پہلے کبھی ہیروئن سے کھٹک جاتی تھی تو پیک اپ کے بعد کھانا کھا کر چھوٹ جاتا تھا۔ یہاں تو دونوں موڈ میں رہ کر بھی منتے جاتے۔ گھر جا کر پھر وہی سلسلہ چلنے لگتا۔

اسی موڈ میں ایک دن دھرم "ناز" کے سیٹ پر چلا گیا۔ وہاں زرینہ ایک بھڑک دار اودی ساڑھی اور لال بلاؤز پہنے مصنوعی زیوروں میں سر سے پیر تک ڈوبی انیل کے ساتھ کوئی سین کر رہی تھی۔ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں کی دیکھتے ہی جان سوکھ جاتی تھی۔ زرینہ تو دانت نکال کر ہنس دی مگر انیل کے پسینے چھوٹ گئے۔

"اس سے کہو یہ بیہودہ ڈریس جا کر بدلے۔" اس نے ترویدی کو بلا کر کہا۔

"مگر کنٹی نیوٹی؟" ترویدی یوں سیٹ پر ٹپکا۔ سے جانے سے نروس ہو گیا۔

"چولہے میں ڈالو کنٹی نیوٹی، بہت بیہودہ ہے ڈریس۔ اور انیل بالکل الو کا پٹھا لگ رہا ہے۔ یہ دو رنگ کی جیکٹ کیوں پہنا دی؟"

"مگر... " ترویدی پسینہ پونچھنے لگا۔ "پچھلے سین رِی شوٹ کرنا پڑیں گے۔"

"تمہاری بلا سے پیسہ میرا ڈوبے گا۔" اسٹوڈیو میں کھسر پھسر ہو رہی تھی۔ یہ فلم تو کہا اس وقت سیٹ پر گئی تھی جب دھرم دیو پر آرٹسٹک فلم کا بھوت نہیں سوار ہوا تھا۔ بلیک اور وہائٹ فلم میں اودے اور لال میں کیا فرق پڑتا ہے۔ ترویدی کا منہ پھول گیا۔ دھرم ایک دم نرم پڑ گیا۔

"اچھا بابا جیسا تم ٹھیک سمجھو مگر یہ ڈریس تو......"

"آپ ہی نے بنوایا تھا..... اب آپ کہتے ہیں۔"

"اچھا چلو سین لو۔" وہ سیٹ چھوڑ کر دفتر میں جا بیٹھا۔ منگلا سے بڑے زور کی جھڑپ ہو گئی تھی۔

"ہاں اب تم بھی دوسری ہیروئنوں کی طرح رعب گانٹھنے لگیں۔" اس نے جل کر کہہ دیا اور اسٹوڈیو چلا آیا۔

ترویدی تو اسی وقت سیٹ چھوڑ کر جانے والا تھا۔ مگر سب نے سمجھایا کہ دھرم جی بہت پریشان ہیں۔ آج کل تم ہی ان کا لحاظ نہ کرو گے تو کون کرے گا۔ کوئی نہیں چاہتا کہ فلم کھنڈت میں پڑ جائے۔

فلم اچھی چل رہی تھی۔ سب کی روزی اسی سے لگی ہوئی تھی۔ منگلا اور دھرم کی فلم "نیا" تو ڈوبتی ہی نظر آ رہی تھی، فلم ذرا ٹھنڈی ہونے لگے تو اسٹاف کی سٹی گم ہونے لگتی ہے کہیں فاضل اسٹاف کی چھٹی کی نوبت نہ آ جائے۔

مگر دھرم نے خود ہی ترویدی کو بلا کر اپنی غلطی مان لی۔ اسی وقت ایک جرنلسٹ کو فون کیا کہ سیٹ پر آ کر کچھ ڈائرکٹر کی پبلسٹی کے لیے تصویریں لے لو۔ اور جب ترویدی نے ہدایت کاری کے پوز دے کر تصویریں اتروائیں تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

چار دن "نیا" کے پرانے سیٹ کی پھر سے شوٹنگ ہوتی رہی۔ نتیجہ کچھ اطمینان بخش نہ نکلا، اس سے تو پرانی شوٹنگ ہی اچھی تھی، مگر نیا گانا جو ریکارڈ ہوا اسے سن کر سارا اسٹوڈیو جھوم اٹھا۔ پتہ نہیں واقعی گانا لاجواب تھا یا مصلحت ہی کچھ ایسی تھی کہ ڈوبتی "نیا" سنبھالا جائے۔

نہ جانے کیا ہو جاتا ہے کامیابی کی ایک سیڑھی پر پہنچ کر انسان بالکل تنہا رہ جاتا ہے۔ آس پاس اس کے نوکر اور خوشامدی رہ جاتے ہیں۔ غرض کی تو یہ دنیا ہے۔ دوستوں کو نبھانے کے لیے نہ فرصت اور نہ فلمی زندگی اس کی مہلت دیتی ہے، ساتھ کام کرنے والے ہی دوست یا دشمن رہ جاتے ہیں۔ کبھی تو دوست بھی ماتحت بن کر غیر لگنے لگتے ہیں۔ خلوص کی جگہ مصلحت آڑے آ جاتی ہے۔ وہ اپنے کچھ پرانے دوستوں کو اپنے ساتھ لایا کہ شاید ان کی صحبت میں پھر وہی املی کے درخت کے نیچے بتائے ہوئے دن واپس لوٹ آئیں گے۔ وہی ہنسی مذاق، دھول دھپا، لونڈیوں کے پرزے اڑانا، مگر بہت جلد نوکر اور آقا کا رشتہ آڑے آ گیا۔ اگر پھر بھی وہ دوست ہی بننے پر مصر ہوا تو سارے ماتحت اسٹاف کی نظر میں کھٹکنے لگا۔ بنگالی بھائی شرمندہ ہو گئی اور اس

کا پتہ کٹ گیا۔ کبھی ترویدی سے کیسی بے تکلف دوستی تھی۔ اس کے گھر کھانا کھانے جانا تو ہمیشہ پیٹ خراب کر لینا تھا۔ اُس کے کپڑے برسوں پہنے اور احسان لادے کے لئے اپنے ساتھ لے لیا۔ ترویدی ہوشیار تھا اور ایسی حرکت کبھی نہ کی۔ اسٹاف کو شکایت ہوتی۔ وہ پیٹھ پیچھے سب کے ساتھ بیٹھ کر ہاں میں ہاں ملایا کرتا تھا۔ اور دھرم کے بارے میں اُس نے بہت سے لطیفے ایجاد کئے تھے۔

"تم دونوں کو چھٹی کی ضرورت ہے۔" "تاز" کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لئے یونٹ نینی تال جا رہا تھا۔ زندھیر نے دھرم کو بھی رائے دی کہ چلو ذرا تفریح رہے گی۔ مگر منگلا کی حماقت دیکھیے کہ عین وقت پر ایک چیرٹی شو میں گانے کا وعدہ کر لیا۔

"تم چلو میں تین چار دن میں آ جاؤں گی۔"

دھرم واقعی تھک گیا تھا۔ ویسے اس دن سیٹ پر ترویدی کو ٹوکنے کے بعد دھرم نے اپنی غلطی مان لی تھی، مگر پھر بھی ترویدی یہ نہیں چاہتا تھا کہ انڈسٹری میں یہ بات اُڑ جائے کہ دھرم فلم کی طرف سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ کیونکہ ترویدی کو دخل در معقولات ناگوار گزرتی ہے۔ اسٹوڈیو سے ہمیشہ بات توڑ مروڑ کر باہر پھیلائی جاتی ہے۔ وہ دھرم دیو کو مانتا تھا بڑے کھلے دل سے اس کی رائے مانتا تھا۔ دھرم کی رائے ہمیشہ مفید ثابت ہوتی تھی۔ وہ دھرم ہی سے نہیں، زندھیر سے، کیمرہ مین سے اور دوسرے اسسٹنٹوں کی رائے سے بھی فائدہ اُٹھاتا تھا۔ فلم اچھی بنی تو نام اسی کا ہوگا۔ کوئی رائے دینے والوں کو نہیں گنے گا۔

نینی تال پہنچ کر وہ دو دن مسلسل سونے کا پروگرام بنائے رہا۔ کبھی بے تعلقی سے شوٹنگ کی طرف بھی نکل جاتا۔ ترویدی اُسے دیکھ کر جھٹ ڈائرکٹر کی کرسی پیش کرتا۔

"بس یہ سین بالکل قابو میں نہیں آ رہا ہے۔ یہ تمہارے لینے کا ہے۔" وہ مسکا لگاتا۔

"نہیں بھئی تم ہی لو....."

"اچھا دیکھتے تو رہو، غلطی کروں تو دینا ایک چانٹا۔"

"ایک نہیں دو ملیں گے۔" دھرم ہنستا۔

شاٹ تیار تھا۔ آخری ریہرسل اور ٹیک۔ ترویدی نے پوچھا۔

"کیسا لگا؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک ری ہرسل اور۔" دھرم کا دھیان نہ جانے کدھر تھا۔ "کون سا سین ہے؟"

"ہیرو برف پر چلتا ہوا آتا ہے کسی کے چھینکنے کی آواز آتی ہے۔" ترویدی نے سین کا فائل کھول کر بتایا۔

"اچھا اچھا، وہ سین۔ ہاں ایک ری ہرسل ہو جائے۔"

ہیرو آیا۔ چھینک کی آواز آئی۔ مگر اس سے پہلے ہی ہیرو ٹھٹک گیا۔

"پھر سے پھر سے۔" ترویدی نے ہیرو ٹرک بیک کروایا

آٹھ دفعہ ہیرو چل کر آیا اور آٹھوں دفعہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو گئی۔

"بالکل ہی نقلی ہے۔" دھرم نے زندھیر کے کان میں کہا۔

نویں بار خدا خدا کر کے معاملہ فٹ بیٹھا۔ ہیرو ٹھیک وقت پر چھینک کی آواز پر ٹھٹکا جھانک کر دیکھا برف کے تودے کے پیچھے ہیروئن بیٹھی تھی وہی چھینک رہی تھی۔

"کون ہو تم؟" ہیرو پوچھتا ہے۔

"لڑکی!" ہیروئن جھینپ کر جواب دیتی ہے۔

"کیا کر رہی ہو؟" ہیرو پوچھتا ہے۔

"چھینک رہی ہوں۔" ہیروئن جواب دیتی ہے۔ زرینہ نے کچھ اس بھولپن سے کہا کہ دھرم زور سے ہنس پڑا۔ سارا اسٹاف ساتھ میں ہنسنے لگا۔ دھرم کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔ زندھیر کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اُس کے لکھے ہوئے سین کی ایسی بے ساختہ داد اور وہ بھی دھرم کے منہ سے! شوٹ ٹھیک تھا۔ قہقہے نے بگاڑ دیا۔

"سوری ترویدی.... میری مسٹیک.... پھر سے لو......"

"بس ہو جانے دو سین!" ترویدی مسکا لگانے لگا۔

"نہیں جی، ڈائرکٹر تم ہو میں کون؟" دھرم تکلف کرنے لگا۔

"دھرم جی، دیکھئے کتنی ہو جائے گی۔ یہ سین تو لینا ہی پڑے گا۔" وہ الگ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہے..... دیکھو یوں ناک سکوڑو" وہ زرینہ کو بتانے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ

دھرم بذاتِ خود اُسے ڈائرکٹ کر رہا تھا۔ عقیدت سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اور منہ دیکھتی رہ گئی۔

"منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ ہاں یوں ناک مسل کر پھر چھینکو۔"

زرینہ نے بے ساختہ چھینک ماری۔

"اوہ ایسے نہیں۔۔۔۔۔ پہلے ناک۔" مگر زرینہ چھینکے جا رہی تھی۔

"میں تھوڑی چھینک رہی ہوں۔ آپ سے آپ آ رہی ہے چھینک۔" وہ پھر چھینکی۔

"اوہ، اچھا جلدی کرو۔ ورنہ برف میں اکڑ کے مر جاؤ گی۔ ایک پیالی چائے لو۔"

"ارے بھئی تم بیٹھو۔" ترویدی نے انیل سے کہا۔ وہ بڑی معترض نظروں سے کبھی ترویدی کو اور کبھی دھرم کو دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں ایک بادل کا ٹکڑا آ گیا اور سب چائے پینے لگے۔

چائے کے بعد پھر کام شروع ہوا۔

"رندھیر یہ سین او۔کے ہوا تھا؟"

"ہاں۔۔۔۔ یہ دیکھو تمہارے ہاتھ کا نوٹ لکھا ہوا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، کچھ جم نہیں رہا ہے۔ مزے دار سین ہے۔ ذرا کچھ اور ہونا چاہیے۔"

"ریڈی۔" ترویدی نے دھرم سے کہا۔

"سنو، ایسا کرو تم دوسرا سین شروع کر دو۔۔۔۔۔ آج ذرا اسے دیکھ لیں کل شوٹ کریں گے۔ کیوں؟"

"بالکل بالکل۔" ترویدی سین جمانے لگا۔

یہ سین بڑا ٹیڑھا تھا۔ ہیرو ٹہلتا جا رہا ہے۔ بازو سے ہیروئن اچانک نکل کر ٹکرا جاتی ہے۔ پہلے ری ہرسل میں جب ہیروئن ٹکرائی تو ہیرو کا توازن بگڑ گیا۔

دوسری دفعہ زرینہ کی چپل کی ایڑی برف میں پھنس گئی۔ اور وہ لڑکھڑا گئی۔

اب کے جو زرینہ آئی تو انیل نے بے اختیار ہاتھ پھیلا کر اسے روک دیا۔ وہ بیوقوفوں کی طرح منہ تکنے لگی۔ جتنی زیادہ ریہرسل ہوئی اتنے ہی [illegible] کے حواس گم ہوتے گئے۔

"تھوڑی دیر ستا لو۔" ترویدی نے اسے ایک طرف لے جا کر کہا۔ "سب

غریب ہیرو پر ترس آ رہا تھا۔ یہی تو موقع ہے اس پر ترس کھانے اور ہنسنے کا۔ دو چار فلمیں توڑ کے پھر چوٹی پر چڑھ جائے۔ پھر مرضی ہے جو کچھ کرے کسی کی مجال نہ ہوگی چوں بھی کرنے کی، ایسے وقت میں لوگ بڑے بے رحم ہو جاتے ہیں۔

انیل گم سُم سا ایک طرف بیٹھ گیا۔ سالا دھرم دیو جب سیٹ پہ آ جائے گا ستیاناس مار دے گا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ پرانا ہیرو پچاس ری ٹیک کروائے کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ دھرم دیو بڑا مشکل پسند ہے۔ چار پانچ ریلیں بن گئیں تو کیا ہوا جی میں آ گئی تو چھری گردن پہ پھیر دے گا۔

دھرم نے انیل کو خود ریہرسل کر کے بتایا۔

زرینہ بھاگتی آئی۔ ٹکرانے کی ہمت نہ پڑی۔ ایک دم جھجک گئی۔

"ارے!" دھرم مسکرایا۔

دوسری بار آئی تو ایک دم لنگڑانے لگی۔ اس کے جوتوں میں برف بھر گئی۔

تیسری بار بھاگتی آئی۔ قریب آ کر چال سست کی پھر ہولے سے ٹکرا گئی۔ بے حد نادم کھسیانی۔

"ایسے نہیں، یہ کیا۔ پہلے رک گئیں پھر پھس سے ٹکرا گئیں۔ ایک دم بے خیالی میں بھاگتی آؤ زور سے ٹکراؤ۔ سمجھیں؟"

"جی۔" وہ پھر واپس گئی۔

اب کے وہ قلانچیں بھرتی تیر کی طرح آئی اور دھائیں سے دھرم دیو کی چھاتی پر گولی کی طرح لگی۔ دھرم اس ٹکر کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ دونوں دھک کر گرے۔ سارا اسٹاف ہنس پڑا۔ زرینہ اپنی ہنسی دباتے بیٹھے بیٹھے دور کھسکنے لگی جیسے دھرم اس کے تھپڑ ہی تو مار دے گا۔ پھر دھرم ہنس پڑا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

انیل خاموش بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔

ریہرسل پہ ریہرسل ہوتا رہا۔ زرینہ تھک کر چور ہو چکی تھی۔ ہاتھ پیر برف ہو رہے تھے۔ کئی بار آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا۔ دھرم دیو ڈھٹائی سے کھڑا ریہرسل لیے جا رہا تھا۔

آخری بار زرینہ بھاگتی آئی۔ چھ انچ دور رک گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ بگڑتے سین کو کیسے سنبھالے۔ ایک دم سسکیاں لے کر سر دھرم دیو کی چھاتی پر ٹکا دیا۔

ایک لمحہ کے لیے دھرم سناٹے میں رہ گیا پھر اس نے زرینہ کو دونوں ہاتھوں سے ایسے دور پھینکا جیسے وہ کوئی سانپ یا بچھو تھی۔ وہ اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ مارے غصے کے دھرم کا منہ لال ہو گیا اور اس سردی میں بھی روم روم سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ وہ ایک دم مڑا اور ترویدی کو سین لینے کے لیے کہہ کر گیسٹ ہاؤس کی طرف چل دیا۔

زرینہ کو اپنی قسمت کا فیصلہ معلوم ہو گیا۔ وہ برف پر ہاتھ ٹیکے ہوئے بیٹھی رہی۔

"کیا مرنے کا ارادہ ہے۔ اٹھو" ترویدی نے ریہرسل لینا شروع کیا۔

دو چار دفعہ میں اچھا خاصہ سین جم گیا۔

"ٹھیک کیجئے نا" انیل نے کہا۔

"ابھی سے پیر نہ نکالو پیارے دو چار فلموں کے بعد حکم چلانا" ترویدی دھرم کے پاس پہنچا۔ وہ دراز سے بوتل نکال رہا تھا۔

"بوس شوٹ ریڈی ہے!"

"پیک کر دو"

"ٹھیک تو تمھیں ہی کرنا ہوگا"

"بس تم جیسا بھی ہو ٹھوک دو"

"ٹھوکوں گا نہیں"

"تو پیک اپ کر دو" دھرم دیو بھی گرم ہو گیا۔

"بہت اچھا" وہ پیر پٹختا واپس لوٹ گیا۔

"پورا دن خاک میں مل گیا" کیشو اس کے گلاس میں برف ڈال رہا تھا اور آپ ہی آپ بڑبڑا رہا تھا۔

"پہلے تو نخرا کرتے ہو پھر جب گھوٹالا ہو جاتا ہے تو اپنا خون جلاتے

ہو۔ کیا فائدہ ان باتوں سے؟ کتنا کہا بے کار سالے نئے ہیرو پر پیسہ نہ بہاؤ نہ باہر کام کرتے ہو نہ اپنی فلم میں۔ آخر سوچا کیا ہے؟"

دھرم منگلا کو کال بک کر رہا تھا۔ اس نے کیشو کی بکواس سنی ان سنی کر دی۔

سارا دن مٹی میں مل گیا۔ ہوٹل میں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی موت ہو گئی ہو۔ روز شوٹنگ کے بعد برامدے قہقہوں سے گونجا کرتے تھے۔ پینے پلانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ دو چار میزوں پر رمی یا فلیش ہونے لگتا۔ زندھیر ترویدی اور کیشو دھرم کے ساتھ گپ شپ یا دوسرے دن کے پروگرام کے بارے میں باتیں کیا کرتے۔ زرینہ بہت جلدی سو جایا کرتی تھی۔ کبھی اپنی ہیئر ڈریسر کے ساتھ کیرم کھیلنے لگتی۔ پھر جا کے سو جاتی۔ آج وہ ماں کے پاس خاموش بیٹھی ناریل کے تیل سے میک اپ اتار رہی تھی۔ ترویدی سب سے الگ منڈیر پر بیٹھا تھا۔ انیل خط پوسٹ کرنے ذرا نیچے گیا تھا۔

دھرم دیو کو بمبئی کی کال مل گئی۔ وہ منگلا پر غصہ ہو رہا تھا۔

"خاک ڈالو چیریٹی شو پر تم فوراً آؤ" اس نے حکم دیا۔

"مگر تم نے خود کہہ دیا تھا۔ رفیع برا مانیں گے"

"اور میں جو برا مانوں گا تو؟ تمھارے بغیر بھی تو شو ہو سکتا ہے"

"اوہ .... دیکھو"

"کچھ نہیں دیکھنا ہے منگلو، پلیز آ جاؤ .... ورنہ میں شوٹنگ بند کر کے آ رہا ہوں"

"ایسا نہ کرنا .... کتنا نقصان آگے ہی ہو چکا ہے"

"اور ہو جائے گا"

"پوسٹر میں نام دے دیا ہے۔ نہ جاؤں گی تو لوگ بڑا دنگا مچائیں گے۔ تاج سے تو رفیع صاحب کی ان بن ہے۔ میرے ہی بھروسے پر ہیں"

"اور میں کس کے بھروسے پر رہوں؟"

"بات کیا ہے؟"

"بات کیا ہوتی" وہ چڑ گیا "دو نہیں آتیں تو نہ آؤ" اس نے فون

پٹخ دیا۔

اُسے خود نہیں معلوم تھا تو وہ کیا بتاتا کہ کیا بات ہے۔ بعض جانور اتنے حساس ہوتے ہیں کہ آنے والے خطرے کی بُو دور ہی سے سونگھ کر چوکنے ہوجاتے ہیں۔ ایک ان جانی سی اُلجھن۔ بلاوجہ کی جھلاّہٹ۔

زرینہ جمال کی ماں اپنے ہی خیالات میں گُم تھیں۔

چھوٹی چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پہلے موٹر بکی پھر فرنیچر نیلام ہوا۔ پھر گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ ایک چھوٹے سے گھر میں بچیاں پھوٹ پھوٹ کر روتیں، ضد کرتیں۔ شوقیہ بچیوں کو ڈانس سکھوایا تھا وہی روزی کا ذریعہ بن گیا۔ اسٹیج پر مہینے میں دو چار پروگرام ہوجاتے تھے۔ بڑی کی چودھویں سال ہی شادی کردی۔ تین سال بعد باقی کی دو بھی تھوپ دیں۔ زرینہ سب سے چھوٹی رہ گئی۔ جب دوستوں کے کہنے پر فلم میں کام کروایا تو کسی نے اعتراض تک نہ کیا۔ کسے اتنی پرواہ تھی کہ ان سے ناطہ جوڑتا۔ ڈیڑھ سال ہونے کو آیا اس مُردار فلم لائن میں پیر نہیں جمنے پائے۔ ایک ڈانس کے سوا یہی لوگ بھول بھال گئے۔ اب یہ فلم چل رہی تھی اس کے بھی لالے نظر آرہے ہیں۔ بالم شاف کے لوگ سرگوشیاں کررہے تھے۔ دماغ خراب ہوگیا ہے بان جان کر اپنا گلا اپنی چھُری سے کاٹتا ہے۔ یہ تو دھرم کی پرانی عادت ہے۔ بار بار ایک سین کو بیٹھے جاتا یہاں تک کہ اس کا کچومر نکل جائے۔ پھر اُٹھا کر پھینک دینا۔ پوری پوری پکچر دوبارہ بن رہی ہے۔ مگر یہی نسخہ آخر میں کارگر ہوجاتا تو سارا نقصان نفع میں بدل جاتا۔

دھرم اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا وسکی پی رہا تھا۔ رندھیر اور کیشو آئے تھے۔ اُنہیں اس نے ٹرخا دیا کہ نیند آرہی ہے۔

"آسکتی ہوں!" ایک دھیمی سی آواز آئی۔

"کون؟"

"میں.... جی میں زرینہ!" وہ دروازے میں سے سہمی ہوئی چڑیا کی طرح جھانک رہی تھی۔ سیٹ پر نہ ہو تو یہ لڑکی کس غضب کی ایکٹنگ کرتی ہے۔

"کیا ہے؟"

وہ آکر چپ چاپ کھڑی ہوگئی۔

"ممی کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بیٹھو نا!"

وہ کُرسی کی ٹکر پر اکھڑی سی ٹِک گئی۔

"کیا کچھ کہنا ہے؟"

"جی!"

"تو کہو!" وہ اسی طرح بے توجہی سے ایک میگزین کے ورق اُلٹنے لگا۔

"اب روئے گی یہ لڑکی!" وہ ڈرا۔

"اماں کہتی ہیں۔ دہلی سے ٹرین پکڑ لیں گے!"

"ٹرین..... پکڑ لوگی!"

"ہاں..... یہاں سے بس میں چلے جائیں گے!"

"کیوں؟"

"ہوائی جہاز سے بہت خرچہ ہوتا ہے!"

"ہوں۔ پھر؟"

"کل صبح ہم چلے جائیں گے بس سے اور پھر ٹرین پکڑ لیں گے!"

"کل صبح چلی جاؤ گی؟"

"ہاں!"

"کہاں؟"

"بمبئی..... پھر وہاں سے حیدرآباد!"

"حیدرآباد! اور یہ جو پانچ سال کا معاہدہ کیا ہے؟"

"وہ تو ختم!"

"ختم؟"

"ہاں، آپ کو میرا کام پسند نہیں آیا....... تو!"

"تو منتھا! کام نہیں پسند تو اس سے تمھیں مطلب؟"

"جی؟" وہ چکرا گئی۔

"جی جی کیا لگائی ہے!" وہ ایک دم بگڑ گیا۔ "لاکھوں کا معاملہ ہے۔ گڑیوں کا کھیل تو نہیں۔ سارا نقصان تم بھرنے کو تیار ہو؟"

”تو یہ امی کہاں سے بھروں گی“ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”تو پھر کیوں ٹک ٹک کر رہی ہو۔ جاؤ اب سو جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا ہے“

”تو پکچر بند نہیں ہوگی“ بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

”کس نے کہا پکچر بند ہو رہی ہے؟“

”سب کہہ رہے ہیں، یہ فلم بھی ڈبے میں بند ہو جائے گی“

”بکتے ہیں سب تو۔۔۔ تمہیں کل کے لئے ڈائیلاگ یاد ہیں نا“

”جی۔۔۔۔۔“

”تو بولو۔۔۔۔ کون ہو تم“ اس نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر جھک کے پوچھا۔

”لڑکی!“ زرینہ نے سسکی لی۔

”یہاں اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو“

”فی الحال تو۔۔۔ جھینک رہی ہوں“ مگر جھینک ہچکیوں میں الجھ گئی۔

”جھوٹ بالکل جھوٹ تم تو رو رہی ہو۔ ایسے کام نہیں چلے گا محنت کرنا پڑے گی سمجھیں“

زرینہ نے سر ہلا دیا۔

”کھانا کھا لیا؟“

”نہیں۔ اماں نے کہا بھوک نہیں اس لئے میری بھی بھوک اڑ گئی“

”اور کوئی گرم کپڑا کیوں نہیں پہنا؟ مر گئیں تو جانتی ہو کتنے لاکھ کا نقصان ہو جائے گا۔ پورے تین لاکھ ڈوب جائیں گے“ نہ جانے کیوں ایک دم جی ہلکا ہو کے بڑبڑ کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اتنے میں رندھیر جھانکا وہ پلٹ کر جانے لگا تو دھرم نے پکارا۔

”ارے رندھیر کھانا کھا لیا؟“

”نہیں وہی پوچھنے آ رہا تھا“

”اس بے وقوف لڑکی نے بھی نہیں کھایا اور اماں بھی بھوکی ہیں۔ ایسا کر کیشو سے کہو ہم سب کا کھانا ادھر ہی بھجوا دے“

”کیوں، کیا مار پڑی؟“ رندھیر نے زرینہ کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

”نہیں آج تو چھوڑ دیا ہے۔ کہتی ہے صبح گھر جائیں گے۔ میں نے کہا پکچر کا نقصان ہم سہ دو۔ چلی جاؤ۔۔۔۔“

”ٹھیک تو ہے“ رندھیر اُسے موڈ میں دیکھ کر کھل پڑا“ ابے او کیشو کے بچے۔۔۔ ” وہ چیختا ہوا باہر لپکا۔

اس کی آواز کی لہک سے ہی لوگ سمجھ گئے۔ مطلع صاف ہو گیا۔ زرینہ کو سکھا پڑھا کر بھیجنا کام آ گیا۔ کیمرہ مین مادھو کرنے جھٹ تکیے کے نیچے سے تاش نکالے اور بانٹنے لگا۔

دھرم دیبو کو دیکھ کر تڑ دیدی منڈیر سے اتر آیا۔ دھرم نے یاروں کی طرح اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور دھکیلتا ہوا سیڑھیوں سے اتر گیا۔

زرینہ کی اماں کو دیکھ کر بڑی پریشانی ہوئی۔ بمبئی کی آب و ہوا شاید انھیں راس نہیں آ رہی تھی۔ پہلے سے بہت ضعیف لگ رہی تھیں۔ انھیں دیکھ کر اپنی ماں یاد آ گئی۔ ایک عمر کو پہنچ کر سب عورتیں ایک شکل کی لگنے لگتی ہیں۔

”ارے ارے اٹھئے نہیں“ اسے دیکھ کر وہ اٹھنے لگیں تو دھرم نے روکا۔ انھیں وہیں سوپ وغیرہ دے دیا گیا۔ اور سب وہیں فرش پر پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

”اپنی پکچر لیب شروع کر رہے ہیں؟“ زرینہ نے سب کو کھانا نکال کر دیا۔

”یہاں سے جا کر۔۔۔۔ کیوں کام کرنے کا ارادہ ہے؟“

زرینہ نے دانت نکال کر سر ہلا دیا۔

”پچھتاؤ گی“

”کیوں؟“

”سیٹ پر بڑا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ بہت ڈانٹ پڑے گی“

”پرواہ نہیں“ زرینہ نے سر جھٹک کر ایک لٹ رخسار پہ گرا لی۔

”سوچ لو“ دھرم کا جی چاہا وہ لٹ واپس بالوں میں اڑس دے۔

”سوچ لیا۔ ڈانٹ تو کیا مار بھی پڑے وہ بھی منظور“ ایک لمحے کو دونوں کی آنکھیں الجھیں۔ دھرم کھانے پر جھک گیا۔

"بھئی گواہ رہنا زندھیر۔ پھر رونے پیٹنے سے کام نہیں چلے گا۔"

"جی ہاں، ذرا کم روتی ہوں۔" زرینہ تنک کر بولی۔

"بھول گئیں آج کی رگید۔" زندھیر نے چھینٹا کسا۔

"پہلے دن سب کو ہی ڈر لگتا ہے۔"

"اب ڈر نکل گیا۔"

"بالکل مار ڈالنے سے تو رہے۔"

"اور جو مار ہی ڈالا؟"

"تو پورے تین لاکھ کا پٹرا۔" زرینہ نے ہاتھ سے تلوار چلائی۔ دھرم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب کی پھر سپر ہٹ۔" زندھیر نے سوچا اور تر بتر لقمہ منہ میں رکھ لیا۔ ایسا بے پناہ قہقہہ بہت دن بعد سنائی دیا۔ دھرم اپنے رنگ پر آ رہا ہے۔ تریاق اثر دکھا رہا ہے۔ بس دو چار ہٹ لگ جائیں۔ پھر کوئی اور نقلیہ مل جائے گا طبیعت جھٹ کانے کو۔ سچ تو ہے گرہستی کا جوا ایک فن کار کے کندھے پر نہیں سجتا۔ پابندیوں میں دل کی امنگ نہیں پلتی اور جب امنگ ہی مر جائے تو فن کہاں جی سکتا ہے۔

۶

دھرم دیو جب اپنے کمرے میں آیا تو اتنی تنہائی نہیں تھی جیسی روز ہوا کرتی تھی۔ بات ہی کیا تھی۔ منگلا دو دن بعد آنے ہی والی تھی۔ آخر چیرٹی شو بھی تو ایک نیک کام ہے۔ بچہ بھی کمزور ہے سردی نہ پکڑ لے۔ اس سے جھگڑا بیکار ہی کیا۔

دوسرے دن ریہرسل بڑے زور شور سے شروع ہو گئے۔ انیل چہرے پر جھوٹی ہنسی چپکائے الگ بیٹھا تھا۔ دھرم دیو کی یہ عادت تھی وہ چھوٹی سے چھوٹی بات آرٹسٹ کو خود کر کے دکھاتا تھا۔ زرینہ ایک پتلی سی قمچی کی پتیاں ستو کر لائی اور بڑے ادب سے دھرم کو پیش کی۔

"یہ کیا؟"

"غلطی کرو گی تو ضرورت پڑے گی سزا دینے کے لیے۔"

"اوہ!" دھرم ہنسنے لگا۔

"ذرا دیکھئے ٹھیک چلتی ہے کہ نہیں۔" زرینہ نے ہتھیلی پھیلا دی۔

"پہلے غلطی تو کرو۔"

"تو کیا ہے، ایڈوانس چلے گا۔"

دھرم نے ہلکے سے قمچی اس کی ہتھیلی پہ چھوا دی۔

"ذرا کس کے ماریئے۔"

"رندھیر!" تردیدی بیچ میں آن ٹپکا۔

شوٹنگ کچھ یونہی اوٹ پٹانگ سی ہوئی۔ سین لئے گئے، پھر بدل ڈالے گئے۔ دھرم کا موڈ حد سے زیادہ خوشحال ہو رہا تھا۔ ریہرسل ہوتے ہوتے ڈسکشن ہونے لگتے۔ کبھی رندھیر کے ساتھ کبھی تردیدی کے ساتھ۔ پھر طبیعت گھبرا گئی۔ ایک ہی جگہ سے دوسری جگہ زیادہ موزوں تھی۔ سارا تام جھام ادھر ڈھویا گیا اتنے میں سورج جھک گیا پیک اپ ہو گیا۔

سوائے انیل کے سب خوش تھے۔ جنداخدا کر کے پرانا دھرم دیو تو جاگا۔

"کام اچھا کرتی ہے۔" جب سب پینے پلانے کے لئے جمع ہوئے تو رندھیر نے کہا۔

"ہاں۔ بُری نہیں۔" دھرم نے اوپری دل سے کہا۔

"وہ سالا لمڈھیک بالکل "مٹی کا مادھو" ہے۔"

"محنت نہیں کرتے یہ لڑکے۔ بس فلم اسٹار بن بیٹھتے ہیں۔ تھرڈ کلاس کمپنیوں سے کانٹریکٹ مل جاتے ہیں۔ پھر ان کے دماغ نہیں ملتے۔"

انیل کو جیسے ہی دھرم نے سائن کیا پانچ نئی فلموں کا معاہدہ ہو گیا۔ مگر ابھی تین شروع بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ڈسٹری بیوٹرز دھرم کی فلم کے انتظار میں تھے۔ اگر ہیرو چل نکلا تو قسطیں جاری ورنہ دیکھا جائے گا۔

"یار تم اسے چھوڑو میری کہانی پر لگ جاؤ۔" دھرم نے رندھیر سے کہا۔

دھرم کی کہانی کئی دفعہ چل پھر ٹھپ ہو گئی۔ کبھی جوش آ جاتا تو بڑے زور شور سے کام ہونے لگتا۔ پھر کوئی دوسرا ابھرتا ہوا آئیڈیا مل جاتا اور کچھ دن بعد جب اس سے جی اُکتا جاتا تو پھر گھوم پھر کر اس کہانی پر تان ٹوٹتی۔ تین سال سے دھرم اس کہانی کی ادھیڑبن کر رہا تھا۔ رندھیر کی چڑ ہو گئی تھی وہ کہانی۔ مگر دھرم کا موڈ دیکھ کر اس پر کام ہونے لگا۔

دھرم کی طبیعت کچھ ایسی حاضر تھی کہ کہانی منتی چلی گئی۔

منگلا بغیر اطلاع دیئے پہنچ گئی کہ دھرم اس کے اچانک پہنچنے سے اُچھل پڑے گا۔ جب وہ ایک ہاتھ میں بیلو کی انگلی اور دوسرے میں بیگ تھامے

داخل ہوئی تو زرینہ آنکھیں بند کئے سزا کے لئے ہاتھ پھیلائے منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" دھرم نے آگے جھک کر پوچھا۔

"دعا پڑھ کے پھونک رہی ہوں کہ چوٹ نہ لگے۔"

"جنتر منتر سے کام نہ چلے گا۔" دھرم ہنسا۔

"اچھا لگائیے۔" زرینہ نے ہتھیلی پر پھونک مار کر کہا۔

دھرم نے ہلکی سی چھڑی لگائی۔

"ذرا کس کے ماریئے۔ واہ سزا دینی بھی نہیں آتی۔ یہ دیکھئے" چھڑی لے کر اس نے سڑاک سڑاک اپنی ہتھیلی پر لگائی۔

"ارے پگلی۔" دھرم نے اس کے ہاتھ پر ہتھیلی رکھ دی۔

قمچی جو پڑی تو تلملا گیا۔

"ہائے سوری۔۔۔۔ سوری!" دروازے پر جو نظر گئی تو چیخ اُٹھی "دیدی!"

"تم نے تار کیوں نہیں دیا؟" اس نے بیلو کو لینا چاہا مگر وہ منگلا کے پیچھے چھپ گیا۔

"سوچا تار سے پہلے خود پہنچ جاؤں گی۔" آہستہ آہستہ سب کھسکنے لگے۔ زرینہ ہاتھ پھیلائے بیلو بھاگ کر اس کی گود میں چڑھ گیا۔ وہ اسے لے کر چکر لگانے لگی۔

"بڑا پاجی ہے۔ ہم نے بلایا تو اکڑ گیا۔ بے بی تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں ممی کے پاس چھوڑ دیا ہے۔ دو کو کیسے سنبھالتی۔ پرسوں سے شو نے میری جان کو آ گئے۔ مگر میں نے کہہ دیا بابا ٹرنک کال آیا ہے۔ سب گھبرا گئے۔ کہ نہ جانے کیا بات ہے؟"

"تم نے کیا کہا؟"

"کیا کہتی؟"

"کہہ دیتی میرا پتی میرے بنا ایک پل نہیں رہ سکتا۔ نہ گئی تو کھڈ میں کود کر جان دے دے گا۔" اس نے منگلا کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔

ہنی مون کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ دھرم نے اسے یوں ٹوٹ کر پیار کیا۔

جیسے کوئی سویا ہوا کسی ان جانی آہٹ سے جاگ پڑا ہو۔

"کہاں تھے، بہت دنوں بعد درشن ہوئے" منگلا نے اس کی محبت کے جوش میں ڈوب کر پوچھا۔

"تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا" وہسکی اور منگلا۔ پھر وہسکی جتنی پینا چاہیں بڑھتی ہی جاتی۔ وہسکی کی بھی اور منگلا کی بھی۔ منگلا کبھی تو بوکھلا جاتی۔ بیلو کا بہانہ کر کے بھاگ جاتی۔ زندگی میں پہلی بار اپنی جان کی قسمیں دے دے کر اس نے منگلا کو بھی پلائی۔ دھرم کی بات کون ٹال سکتا تھا۔ اور پھر وہ تو اس کی تینی تھی، محبوبہ تھی، وہ فن کار تھی جو ایک بار گانا سن کر ٹیون یاد کر لیا کرتی تھی۔ پہلے ہی پیگ میں ساتویں آسمان پر پہنچ گئی۔ ستی ساوتری نے نائشہ کے پیار کو مات کر دیا۔

اور بیلو زرینہ جمال کی گود میں سو جاتا۔ اسی کے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ وہی اُسے نہلاتی دھلاتی۔

"دولہا دلہن ہنی مون منا رہے تھے۔ بارات باہر بیٹھی سوکھ رہی تھی۔"

"بیکار کیوں فلم گنواتے ہو" رندھیر نے ترویدی سے کہا۔ وہ چاہتا تھا کچھ تو کام نبٹا لے۔

"تو پھر ہم یہاں کیوں جھک مار رہے ہیں"۔ مادھو بڑبڑایا۔ اُسے اپنی گرل فرینڈ یاد آ رہی تھی۔ نیک بخت سے بہت کہا ہیئر ڈریسر بن کے ساتھ چل، مگر اکڑ گئی۔

"یہ مالک سے پوچھو" ترویدی نے جواب دیا۔

"ارے بے چارے کو بمبئی میں تو فرصت نہیں ملتی۔ یہاں ذرا موقع ملا ہے کاہے کو ستاتے ہو۔ کھاؤ، پیو مزے سے اور صحت بناؤ" رندھیر بولا۔

"تم بناؤ صحت اپنی تو تنخواہ کٹ رہی ہے" انیل بسورا۔

"ارے تم کاہے کو فکرمند ہوتے ہو۔ پانچ ریل تصویر ہو گئی ہے کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا" ایک نیا اسسٹنٹ بولا "اور یہاں سے جاتے ہی ترویدی صاحب دین دیال والی تصویر کی مہورت کر رہے ہیں" انیل کا جی ٹھہر گیا۔

خدا جانے فلم لائن میں انتہائی پرائیویٹ باتیں کہاں سے ٹپک کر گندے نالے میں پہنچ جاتی ہیں۔ دھرم دیو کے اسٹاف نے تو ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا

مگر جب بمبئی پہنچے تو یہ خبر عام تھی کہ "دو ناز" فلاپ ہو رہی ہے۔ نئے ہیرو کی گردن پر چھری چل رہی ہے۔ وہ بوکھلایا ہوا اپنے پروڈیوسروں کے یہاں دستک دے رہا ہے۔ ایک فلم کی تو دو ریلیں تیار تھیں۔ اس کے ڈسٹری بیوٹر نے قسطیں دینے میں کچھ ہیر پھیر شروع کر دی تھی۔ دوسری فلم میں اس کا سائیڈ رول تھا کسی وقت بھی اڑ سکتا تھا مگر اس کی ہیروئن انیل پر مہربان تھی۔ باقی کی تین فلموں کے پروڈیوسر فنانسر گھیرنے ریاستوں کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ کہ وہاں اب بھی فلم کے شوقین نواب زادے اور راج کمار پائے جاتے ہیں۔

دھرم دیو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کہانی پر کام کرنے کی غرض سے رندھیر کے گمنام سے شیڈ میں جا چھپا۔ رندھیر ایک فلمی فقیر "رنڈوا" تھا۔ ایک عدد بیوی دہلی میں بچوں کو پال رہی تھی۔ وہ کبھی بمبئی نہیں آئی۔ مگر رندھیر اُسے بڑی پابندی سے اپنی کمائی کا بیشتر حصہ بھیج دیتا تھا۔ دتو اس زمانے کی یادگار تھی۔ جب وہ ڈبولا کے ادھار پر بمبئی کی کٹھنائیاں جھیل رہا تھا۔ وہ ڈانڈا کے ٹھرّا خانے میں ملی تھی کمسن سی چکنی چپڑی سی لڑکی تھی، بس مچھلیوں کی سڑاند کو جھیل جاتے تو خاصی مزے دار تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں بہت دنیا دیکھ چکی تھی۔ ایک دن نشے میں رندھیر اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔ صبح اُس نے جو غریبی دیکھی تو جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر دتو کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

نوٹ دیکھ کر دتو وہیں میلے بستر پر بیٹھ کر اتنا روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔

اُس نے یہ پانچ روپے اس لیے خرچ کر دیے تھے کہ کیوں نہ آخری بار زندگی کا مزہ چکھ لیا جائے۔ پاس ہی سمندر ہے تو سنکھیا پر پیسہ برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان پانچ روپیوں نے اس کی قسمت پلٹ دی جب عادت وہ فیس میں ادھر اُدھر آفسوں میں جھانک رہا تھا کہ کہیں شاید چائے پانی کا معاملہ ہو جائے کہ کسی نے کہا تمہیں دھرم دیو پوچھ رہے تھے۔

دھرم دیو!...... دھرم دیو پوچھتے تو پھر کیا کہنے ہیں۔ اُس نے کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں کیں جو دھرم دیو متاثر ہو جاتا۔ نہ دھڑا دھڑ آئیڈیے سنائے نہ مکالموں کا رعب جھاڑا۔ بس گم سم بیٹھا رہا۔

"کچھ ایڈوانس کی ضرورت ہو تو......" اس نے چلتے وقت پوچھا۔

"جل جائے تو ٹھیک ہے۔" اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

چیک بھنا کر وہ حسبِ عادت سیدھا ڈاک خانہ منی آرڈر کرنے پہنچا مگر کچھ سوچ کر اندر نہیں گیا۔ وہاں سے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا ڈانڈے پہنچا۔ خوب ڈٹ کر پی۔ تازہ تازہ مکھن میں تلی ہوئی مچھلی کھائی۔ پھر دتو کا پتہ پوچھا۔

"پیڈر روڈ والے فلیٹ میں ہوگی یا شاید میرین ڈرائیو والے گھر میں۔" گھر کے "منیجر" نے کہا۔

"ایں؟" رندھیر چکرا گیا۔

"ارے ہاں پتہ جو پوچھ رہے ہو۔ ٹکھیائی کا پتہ کسے معلوم یار کہاں کھا گئے ہو؟"

رندھیر جب گھر پہنچا تو وہ چوکھٹ پر بیٹھی تھی اور بالکل دھرم منی کی طرح لڑنے لگی۔ اس نے ایک جھانپڑ مارا۔ جب وہ کھاٹ پر گر کر اسے گالیاں دینے لگی تو اس نے پتلون کی جیب سے روپیہ نکال کر اس کے اوپر بکھیر دیئے۔

دو چار دن بعد رندھیر نے اس سے باندرہ کی مسجد میں نکاح کر لیا۔ سید امجد علی۔ فلمی نام رندھیر کی شادی ثریا بیگم اصلی نام دتو سے بڑی خاموشی سے ہو گئی۔ اور تین بچے بھی ہو گئے۔

رندھیر کے ہاں دتو ہر طرح کا آرام دے سکتی تھی مگر بچوں کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھی۔ اور تین بچے باری باری رو دیں تو کہانی کیسے بنے، اس لئے ورسوا میں ایک کاٹیج لے لی گئی۔ کاٹیج کا نام سن کر منگلا الٹ ہو گئی۔ وہ جانتی تھی ان کاٹجوں میں کیا ہوتا ہے۔

"پیڈر روڈ والے فلیٹ میں کیا خرابی ہے؟"

"ارے شاد وہاں بیمار بڑھیا..." دھرم نے ٹال دیا۔

"بے چاری بڑھیا کیا تمہیں کاٹے گی۔ چار بیڈ روم ہیں۔ ڈرائنگ روم ڈائننگ روم سب خالی ڈھنڈار پڑے رہتے ہیں۔ وہ ماں بیٹی تو بس ایک کمرے میں رہتی ہیں۔ سب بند پڑا ہے۔ تم آگے دو کمرے لے لو۔ بالکل الگ ہیں۔ کھانا بھیج جائے گا۔" پھر منگلا منی کمال کے رد تیے کا رونا رونے لگی۔

یہ خبر بڑی تیزی سے انڈسٹری میں پھیل کر دھرم دیو زرینہ جمال کے ساتھ رہنے لگے ہیں۔ منگلا سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ منگلا خوب ہنسی۔ احمق کہیں کے۔ شوٹنگ شروع ہو گئی۔ صرف اسٹاف کے لوگوں کو معلوم تھا کہ ہیرو بدل گیا ہے۔ مگر یہ کسی کو نہیں معلوم سوائے چند خاص لوگوں کے کہ کہانی بھی بدل گئی ہے۔

انیل نے کچھ اڑتی ہوئی خبر سنی کہ شوٹنگ ہو رہی ہے، وہ دوڑا ہوا آیا۔

"مجھے اطلاع ہی نہیں دی۔" اسے اور کوئی تو ملا نہیں میک اپ مین سے پوچھا۔

"زرینہ کا کام ہو رہا تھا۔" اس نے ٹال دیا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر انیل بیٹھا بور ہوتا رہا۔ پھر دھرم سے ملنے گیا۔

"ابھی باہر گئے ہیں۔" آفس بوائے نے کہا۔

دھرم دیو اندر ناک بھوں چڑھائے بیٹھا تھا۔

"بیکار پریشان ہو رہے ہو، میں کہتا ہوں ٹھیک ہو جائے گا سب۔" کیشو نے پڑ کر کہا۔

انیل سیٹ پر چلا گیا۔ سب اسے دیکھ کر بے حد کام میں مشغول ہو گئے۔ کام ہو رہا ہے کسے فرصت ہے۔

"ہلو" اس نے تردیدی کو دیکھ کر کہا۔

"ہلو" منہ پھلائے تردیدی باہر چل دیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"کیا بات ہے؟" انیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ وہ نا مرتش چلتا رہا۔

"بات اپنے تک ہی رہے۔" تردیدی نے میک اپ روم کی چٹخنی چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایں؟" انیل کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

"پکچر بند ہو گئی۔"

"ایں؟ تو پھر یہ شوٹنگ؟"

"پوچھو مت!"

"میرا کانٹریکٹ ہے مذاق نہیں۔ میں تو دھرم جی کی دھجیاں اڑا کے رکھ دوں گا۔ سمجھتے کیا ہیں؟"

"بس تمہاری طرف سے مجھے یہی ڈر تھا۔ میری طرف دیکھو بارہ سال سے اس انڈسٹری میں ناک گھس رہا ہوں۔ مانا کہ مجھ میں ہی کچھ کمی ہے ورنہ میرے اسسٹنٹ پروڈیوسر بنے بیٹھے ہیں۔"

"کیا بات کرتے ہیں۔۔۔ آپ تو ان اتر کے پٹھوں کو دس برس سکھا سکتے ہیں کہ بیٹا ڈائرکشن کیا چیز ہوتی ہے۔"

"جانتا ہوں پیارے۔۔۔۔ مگر یہاں تو نصیب چلتا ہے نصیب۔ تم چاہو تو یہ قصہ کورٹ تک لے جا سکتے ہو۔ پتہ ہے پھر کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟"

"مقدمہ جیت جاؤ گے۔۔۔ کتنا دھان کا کانٹریکٹ ہے؟"

"دس۔۔۔ تیس بلیک"

"تیس کا تو کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ رہ گئے بیس تو تم لے چکے ہو۔ یعنی دس وہائٹ اور۔۔۔۔۔"

"پانچ کی رسید دی ہے۔"

"پانچ اور مل جائیں گے۔ پھر وہ جو کانٹریکٹ دھرم جی کی وجہ سے ملے ہیں ان میں سے تین تو تمہیں معلوم ہے کینسل ہو گئے۔ رہ گئے دو۔ اگر تم نے یہ لفڑا چالو کر دیا تو وہ بھی کھٹائی میں پڑ جائیں گے۔ کورٹ میں دھرم جی کے ساتھ ہم سب گواہی دیں گے کہ تم بالکل کورا ہو۔ بہت پیسہ برباد کروایا۔ یعنی تمہارے سر منڈھ دیا جائے گا۔ سوچو پھر کون تمہیں ہاتھ لگائے گا؟"

"میں تھوکتا بھی نہیں اس انڈسٹری پر۔ میں کوئی ننگا بھوکا نہیں۔"

"ہاں تم واپس لوٹ سکتے ہو، میرے لئے کوئی راستہ نہیں۔"

"ترویدی صاحب۔۔۔۔"

"اگر تم ٹھنڈے دل سے سنو تو۔۔۔۔۔ میں دھرم دیو سے کھلم کھلا بگاڑ نہیں کروں گا۔ وہ اپنی سی کرنے پر اتر آیا تو میرا کباڑا ہو جائے گا۔ بڑا سیرا آدمی ہے، مگر جب ضد آ جائے تو بڑا زہریلا آدمی ہے۔ اندر والے سیٹھ بڑے سیدھے سے

آدمی ہیں۔ انہوں نے ابھی انڈسٹری نہیں کھنگالی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی کھٹکا ہو، دیال جی والی پکچر سیٹ پر چلی جائے۔ میں اس دن سے ہمیشہ ڈرتا تھا۔ میں نے پوری تیاری کر لی ہے۔ تمہارا رول ایسا ہے کہ تم جم جاؤ گے۔ جذباتی نہ ہو۔ سمجھ گئے؟"

"سمجھ گیا، مگر ایک دفعہ فلم بن جائے پھر۔۔۔۔۔"

"پھر تم کامیابی کی خوشی میں سب بھلا دو گے۔ میں دیال جی کے ہاں جا رہا ہوں انہوں نے بلایا ہے۔ چلتے ہو؟"

"چلئے۔" انیل کھڑا ہو گیا

"یوں نہیں تم چلو، مجھے ایرانی کے ہوٹل کے پاس مل جانا۔ وہاں سے ٹیکسی لے لیں گے۔ مجھے ذرا کیشو سے کام ہے۔"

لوگ کیسی بے پر کی اڑایا کرتے ہیں۔ منگلا یہ اچھی طرح جانتی تھی۔ خود اس کے لئے شادی سے پہلے مشہور ہو گیا تھا۔ دھرم نے اس کا اسقاط کروایا تھا۔ دھرم کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ جب ریتا روہ بالی کی شوٹنگ کے زمانے میں زیر ہوا تھا۔ تو ساری انڈسٹری میں دھوم مچ گئی تھی۔ اس نے اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے۔ جو اسے منٹ منٹ کی خبر دیتے تھے۔ زرینہ پر اسے شک کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں نظر آتی تھی۔ جب دھرم پیڈر روڈ والے فلیٹ میں کام کر رہا تھا تو زرینہ کی بڑی بہن اور بہنوئی آ گئے تھے۔ ماں کی بھی طبیعت ٹھیک تھی، اس لئے یا تو وہ اسٹوڈیو چلی جاتی جہاں ناچ کی مشق کرتی تھی یا منگلا کے پاس آ جاتی، دونوں شاپنگ کو جاتیں یا بیٹھی گپیں لگایا کرتیں۔ زرینہ حد درجے کی باتونی تھی، وہ اب بھی نہ فلمی پریوں کے سے کپڑے پہنتی تھی نہ میک اپ کرتی تھی۔

منگلا روز اسٹوڈیو جاتی تھی، مگر اس نے کبھی زرینہ کو دھرم کے آفس میں نہیں دیکھا۔ دھرم نے اب ایک مستقل اسٹوڈیو لے لیا تھا۔ جس کے ساتھ ہی پرا فلیٹ لگا ہوا تھا۔ اب اسکرپٹ کا کام وہیں ہونے لگا۔ زرینہ کے فلیٹ میں اس کی دوسری بہن بھی آئی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کی تکلیف کے خیال سے دھرم نے اسٹوڈیو کا فلیٹ فرنش کر لیا تھا۔ جب منگلا ہوتی تو وہ۔ سچ کے

ساتھ دفتر میں جا بیٹھتی بس پورے وقت اس کا بٹوہ اُٹھائے ساتھ رہتی۔ ایسا خیال کبھی کسی ہیروئن نے منگلا کا نہیں کیا تھا۔ اُسے زرینہ پر بہت پیار آتا تھا۔ شوٹ کے بعد وہ بھاگی بھاگی منگلا کے پاس آتی۔

"ٹھیک تھا نا دیدی؟"

"اپنے ڈائرکٹر سے پوچھو۔"

"واہ جی ہم تو ڈائرکٹر کے ڈائرکٹر سے پوچھیں گے۔ بس آپ سے ہی ٹھیک رہتے ہیں۔ ورنہ بس اپنا تو دم نکلتا ہے۔"

"تمہیں ان سے ڈر لگتا ہے؟"

"بہت!"

"کیوں؟"

"ارے بڑے غصے کے تیز ہیں۔ سنا ہے مار بیٹھتے ہیں۔"

"ہٹ پگلی۔ یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا......"

"سائلنس!" دھرم نے دونوں کی کھسر پھسر سے چڑ کر کہا۔ ایک ٹیک ہو رہا تھا۔ زرینہ دبک گئی۔

"کیا تم لوگ بڑ بڑ کیا کرتی ہو چپکی نہیں بیٹھتیں تو بھاگو یہاں سے۔" وہ منگلا کے پاس آ کر بولا۔

"دیکھا" زرینہ نے سہم کر منگلا کا بازو پکڑ لیا "بھاگ چلو۔ اسی میں خیریت ہے۔"

"اچھا بابا جاتے ہیں۔" منگلا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو میں نے تو مذاق کیا تھا۔"

"اوہو تو تم سمجھے ہم واقعی ڈر گئے۔ بابا کر دو دھو دیا ہے۔" منگلا بٹوہ اُٹھا کر چلی گئی۔ اُس نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ جب دھرم نے زرینہ کو ڈانٹا کہ بیچ سین میں اِدھر اُدھر کی باتیں نہ کیا کرو۔ موڈ ختم ہو جاتا ہے سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس نے نادم ہو کر سزا کے لئے جلدی سے ہتھیلی بڑھا دی۔ دھرم کا [illegible] دم تن ہو گیا۔ جیسے کوئی چیز اس کے وجود میں سے اُکھڑ گئی ہو اور زرینہ کی

صندل ہتھیلی پر تڑپنے لگی۔ زرینہ بھی اُس کا رنگ دیکھ کر ڈر گئی۔ شاید وہ اُس مذاق کو بھول گیا ہوگا جبھی تو یوں غیروں کی طرح گھورنے لگا۔

سین بہت ہی نازک تھا۔ زرینہ ایک نہایت سستے قسم کی آبرو باختہ لڑکی کے روپ میں ایک بھولے بھالے شریف زادے کو بہکا کر اپنے کوٹھے پر لے جا رہی ہے۔ دو مہینوں سے ہزاروں روپے کی لاگت سے بنایا ہوا سیٹ پورے اسٹوڈیو میں کھڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا بمبئی کی گندی گلی لا کر سجادی گئی ہے دھرم دیو معصوم اور شریف ہیرو کے روپ میں کچے دھاگے سے بندھا اُس کے جادو سے مسحور کھنچا چلا جا رہا تھا۔ زرینہ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ ٹھمکتی ہوئی چال اور جسم کی توڑ مروڑ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت تجربہ کار جسم فروش ہے۔ اُس کے چہرے پر بدکاری کی پھٹکار تھی اور نگاہوں میں ننگی بھوک۔ پورا عملہ اس کی اداکاری سے مبہوت ہو رہا تھا۔ زرینہ کی بہن بڑی جیجی کو شوٹنگ دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس بھیانک سین کو دیکھ کر سر سے پاؤں تک لرز رہی تھی۔ منگلا بھی سین سے ایسی متاثر تھی کہ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ گانا جو اس نے آنند جی لگا کے گایا تھا زرینہ کے ہونٹوں پر آ کر عریاں اور فحش ہو جائے گا۔ کئی دن سے دھرم اس سین میں جان ڈال رہا تھا۔ دن رات ایک کر دیئے تھے۔ آج شاید وہ بھی یہ بھول گیا تھا کہ صرف فلم کا ایک سین ہے۔ سین کے خاتمہ پر دیر تک سناٹا رہا۔

"کیسا رہا دیدی؟" زرینہ منگلا کے سامنے دو زانو ہو کر پوچھ رہی تھی۔

منگلا نے ایک پل کو اس فاحشہ کو دیکھا جو اُس کے معصوم تن کو تباہی کے غار میں لئے جا رہی تھی۔ اُن معصوم آنکھوں میں ایک فن کار کی التجا تھی۔ اُس نے لمبی سانس کھینچی اور زرینہ کو سینے سے لگا لیا۔

اسٹوڈیو تالیوں سے گونج اُٹھا۔ دھرم کی باچھیں کھل گئیں۔ اُس نے ایک لفظ بھی زرینہ سے نہیں کہا اور دوسرے شوٹ کی تیاری میں جٹ گیا۔

دھرم کی یہ پرانی عادت تھی کہ جب شوٹنگ شباب پر ہوتی تھی تو سوائے فلم کے وہ ہر چیز کو بھول جایا کرتا تھا۔ منگلا سے بھی اس کی مانگ بہت سو

پڑجاتی تھی۔ پھر اُسے بالکل اپنی سوتن لگتی تھی جس کی چاہ میں وہ اپنی چہیتی بیوی کو بھی بھول جایا کرتا تھا۔ مگر اب وہ اتنی نادان نہ تھی۔ وہ دھرم اور اس میں رچے ہوئے فن کار کو پہچان چکی تھی۔ پہلے وہ حسد اور جلن کی آگ میں تپا کرتی طرح طرح کے شک کرتی، جاسوسی لگاتی، ذرا ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا دیتی، مگر اب اُس نے ہر طرف سے ٹھوک بجا کر دیکھ لیا تھا۔ اس کے دل میں شک شبے پیدا ہوتے تو وہ بلا سوچے سمجھے پھٹ پڑنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے جانچ پڑتال کرتی اور اطمینان کر لیتی کہ یہ سب ایکٹنگ ہے۔ باہر ہی باہر ہے اندر کچھ نہیں، جیسے یہ دکھاوے کے محل دو محلے کچھ نہیں صرف پھپھیاں ہیں۔

مگر پھپھیاں ہی جوڑ جوڑ کر ارتھی سجائی جاتی ہے!

کیسی چھوٹی سی بات تھی، جو بنی تو پہاڑ بن گئی۔

رندھیر میک اپ روم میں زرینہ کو سین اور مکالمے سمجھا رہا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے سُن رہی تھی۔ اس کا چہرہ سین کے تاثر سے پگھلا جا رہا تھا۔ ملگجی سی ساڑھی میں وہ بڑی ہی دکھی اور لاچار لگ رہی تھی۔ دھرم بڑے غور سے اس کے چہرے کی نازک لرزشیں دیکھ رہا تھا۔

رندھیر کسی کام سے باہر چلا گیا، مگر وہ اسی طرح کھوئی ہوئی سین میں غرق بیٹھی رہی۔ اس کی اس خود فراموشی پر دھرم بے چین ہو گیا۔ وہ اس کے قریب گیا، مگر وہ پتھر کی مورتی بنی رہی۔ اپنی عادت کے بالکل خلاف اس نے

اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ وہ اب تک ایکٹنگ کر رہی تھی، اس نے نامراد آنکھیں اوپر اٹھائیں اور ایک آنسو موتی بن کر ٹپک پڑا۔

کر یہ بھی سین میں تھا۔

مگر دھرم وہاں نہیں تھا۔ اس نے کندھے پکڑ کر اسے اٹھایا۔

زرینہ سسکی بھر کے اس کے سینے سے لگ گئی۔ کر یہ سین تھا۔

دھرم نے جھک کر اپنے ہونٹ اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں پر رکھ دیے، کر یہ سین میں نہیں تھا۔

وہ نہ گھبرائی نہ بگڑی، اس کی باہیں دھرم کی گردن میں حمائل ہو گئیں۔

اس کی گردن میں منہ چھپا لیا۔ پھر اس کے کُرتے کا بٹن دانتوں میں لے کر کھن سے ہنس دی۔

کسی کے قدموں کی چاپ سن کر وہ اچھل کر الگ ہو گیا اور رندھیر آیا تو بغلیں جھانکنے لگا، مگر زرینہ ویسی ہی شرمائی ہوئی مسکراہٹ لیے خلا میں کھوئی رہی۔

"شوٹ تیار ہے۔ چلو!" وہ فائل اٹھا کر چل دیا۔ دھرم بھی لپک کر اس کے پیچھے بھاگا۔

"کتنا خوبصورت سین ہے!" اس نے میک اپ مین سے کہا، جو اس کا میک اپ درست کر رہا تھا، وہ کچھ نہ سمجھا۔ جب زرینہ سیٹ پر آ گئی تو دھرم کی گھگی بندھی ہوئی تھی، اس کی طرف دیکھتے ہوئے جان نکل رہی تھی، کبھی بھول چوک کی بڑی قیمت بھگتنی پڑتی ہے احمق پروڈیوسر کو۔ اب سالی رعب گانٹھے گی۔ ایسی دلیر نظروں سے دیکھے گی کہ میک اپ روم والا سین سب طشت از بام ہو جائے گا۔ بس اٹھلانا، موقع بے موقع لگاوٹ شروع ہو جائے گی۔ بڑا دھماں مچے گا۔ منگلا چیا بلائے گی۔ فلم رگڑے میں پڑ جائے گی۔

مگر وہ آئی تو اتنی ہی مؤدب اور مستعد جیسی پہلے دن تھی کہ دھرم کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں یہ اس کے دماغ کا واہمہ تو نہ تھا۔ کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں! سین اس نے اتنا ڈوب کر کیا کہ خود دھرم بالکل سپاٹ ہو گیا۔ بار بار شوٹ لیا جاتا۔ زرینہ پہلے سے زیادہ بہتر ثابت ہوتی۔ دھرم اور بھی کوڑا ہو جاتا۔

"کیا موڈ نہیں ہے؟" رندھیر نے آہستہ سے پوچھا اور دھرم کے اندر سہما ہوا فن کار دلیر ہو گیا اور پھر فلم کی گاڑی پٹریاں بدلنے لگی۔ دھرم نے سیدھی سڑک چھوڑ کر گھاٹیوں میں اترنا شروع کر دیا۔ رندھیر کی روح فنا ہونے لگی۔ مگر وہ جذباتی دھرتی کے بعد جسمانی توڑ مروڑ پر اتر آیا، مگر زرینہ کاٹھ کی پتلی کی طرح تھی۔ جس سین کے بعد دھرم گھنٹوں بدحواس رہتا۔ برانڈی کی ضرورت پڑ جاتی زرینہ لوٹ پوٹ کر پھر ویسی کی وہ۔ صاف دل کھلنڈری۔ مؤدب!

"سب سنسر کاٹ دے گا!" رندھیر دل میں سوچتا۔ پر دھرم جی کا مُوڈ بنا ہے تو سب چلتا ہے۔ فلم عجب بنی ہے بے مثال ہے۔ ڈوبنے کا اب خطرہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ زلزلہ نہ آ جائے گو زلزلے کے تمام آثار ظاہر ہونے لگے

تھے۔ دھرم کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ نیند بہت کم ہو گئی تھی۔ رندھیر کو
بھونکنے آنے لگے۔ وہ ڈرتا رہتا۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ کیا کرے۔
رات دیر تک گھر سے باہر رہنے پر تو واویلا مچانے لگی تھی۔
رندھیر کو غصہ آتا تھا منگلا پر کہ وہ دور ہی دور سے تو سونگھ کر ٹوک دیا
جایا کرتی تھی۔ کیوں ڈھیل دے رہی تھی۔ دھرم کھلی کتاب کی طرح تھا جسے پڑھنا
مشکل نہ تھا۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس نے پوچھ ہی لیا۔ دھرم نے جھنجھلا
بنیں بس خاموش ہو گیا۔ رندھیر نے دوسری ہی چال چلی۔
"یار آج میں جلدی جاؤں گا بچہ دلو کی طبیعت خراب ہے۔"

"ارے کیا ہو گیا؟"
"کچھ عورتوں کی تکلیف ہے۔"
"تو تم کیا دائی ہو جو تم کیا کرو گے۔ چلو ڈاکٹرنی کو لے چلتے ہیں۔ آج
وہیں بیٹھیں گے۔"
"جی ہاں وہیں بیٹھیں گے۔ صاف بات سنو گے؟ میری عورت سنیاسی
نہیں۔ جوان ہے اور اسے میری ضرورت ہے۔"
"یار تم تو کہہ رہے تھے کچھ عورتوں کی تکلیف . . . ."
"تو کیا بس مردوں ہی کو ہوتی ہے عورتوں کو نہیں ہوتی؟ تمہارا ادھر بھلا ہی
کہ نہ جانے بھائی کیا معاملہ ہے۔ میرے خیال میں اسی مارے تمہیں نیند نہیں آتی۔"
دھرم پھر خاموش ہو گیا۔
"کتنے دن ہو گئے؟"
دھرم خاموش رہا۔
"بھئی کمال ہے عجیب آدمی ہو۔"
اس دن اس نے منگلا کو فون کر دیا کہ کھانا نہ لائے وہ گھر آ کر کھائے گا۔
منگلا کا روم روم مگن ہو گیا۔ بڑے اہتمام کئے۔ پکوان کر جلدی سے سجا دیا۔
نہا دھو کر گیروا رنگ کی تنزئی کی ساڑھی پہنی۔ گیسو بال دھرم کو بہت پسند تھے۔
اس نے یوں ہی کھلے چھوڑ دیئے۔ دھرم نہا دھو کے بیٹھا تو وہ پروسنے لگی۔ دھرم

کچھ چپ چاپ سا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔
"ہائے زرینہ کو کیا سٹار سار دل دے دیا ہے، جھمکدار کپڑوں کا ایک
بھی تو سین نہیں۔ ڈریم سیکوینس ڈال دو نا۔"
"ڈریم سیکوینس؟ یہ اس ٹائپ کی پکچر نہیں۔"
"اونھ کیا فرق پڑتا ہے پبلک تو پسند کرے گی۔"
"میں جو پسند نہیں کروں گا۔"
منگلا کی سمجھ میں نہ آیا کس موضوع پر بات کرے۔
"برمن دادا نے کہا تھا نئی دھون کے لئے، مجھے تو اچھی لگی . . . . تم نے
سنی؟"
"ہٹاؤ بکھیڑے کی باتیں دماغ خالی ہو رہا ہے۔" اس نے منگلا کے نرم بالوں
کی لٹ اپنے دانتوں میں پکڑ لی۔ منگلا نے اپنا چہرا اس کی گردن میں چھپا لیا۔
دھرم نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ بجھا دیا۔
"کتنا سندر سین لکھا ہے رندھیر نے میرا تو پڑھ کر ہی تن کانپنے لگا۔" اس
نے سین کی یاد میں اس کے کرتے کا بٹن دانتوں میں دبا لیا اور ہنسنے لگی۔
دھرم کو ایسا معلوم ہوا کسی نے پچکاری سے ایک دم سارا خون اس
کے جسم سے کھینچ لیا۔ اس نے آہستہ سے منگلا کو ہٹایا اور پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔
"کیا ہوا؟" منگلا نے کہنی کے بل ہو کر پوچھا۔
اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا صرف سر ہلاتا رہا۔ پھر وہ اٹھ کر
غسل خانے کی طرف لپکا اور واش بیسن پر جھک گیا۔
"خالی پیٹ پینے سے یہی ہوتا ہے۔" وہ اس کے ماتھے پر یوڈی کلون
چھڑکنے لگی۔
"سوری منگلا!" اس نے منگلا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر رکھ لیا۔

٧

جیسے ماں ہزار بچوں کے رونے کی آواز میں سے اپنے بچے کی آواز سن کر فوراً پہچان لیتی ہے۔ اسی طرح دھرم کا پورا اسٹاف اس کے رویے سے فوراً اس کے ذہن کے پردوں میں چھپے ہوئے طوفان کو اچھی طرح پہچان رہا تھا۔ چھوٹے عملے نے تو اِدھر اُدھر تبادلے کی تلاش میں ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اگر کوئی پروڈیوسر دیوالہ نکال کر غائب ہو جاتا تو اس کا اسٹاف سرکٹی مرغی کی طرح تڑپتا رہ جاتا۔ پروڈیوسر کی جا و بے جا طرفداریاں کر کے وہ ویسے ہی فلم انڈسٹری میں جگہ کھو چکے ہوتے ہیں۔

دھرم نے ہر شعبے میں تباہی برپا کر دی۔ اچھی بھلی شوٹنگ رد کر دی۔ ادھورے سین چھوڑ کر ایک دم پھر "ناز" کی شوٹنگ شروع کر دی۔ ترویدی کو واپس بلا کر خوب اس سے الجھا۔

"اگر میں کوئی غلطی کرتا ہوں تو تم لوگ مجھے روکتے کیوں نہیں، کمپنی کا سارا منافع میری جیب میں تو نہیں جاتا۔" سب کو معلوم تھا کہ واقعی اتنا کمانے کے بعد اس کی جیبیں خالی تھیں۔ اِدھر کا روپیہ اُدھر ہو رہا تھا سب کا جی اچاٹ ہو رہا تھا۔

پھر اس نے ترویدی کو ٹال دیا اور اپنے دو کانٹریکٹ باہر کر دیئے۔

"بھاڑ میں جائے یہ کمپنی۔" منگلا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ اسٹار

کے مزے ہوتے ہیں۔ اسٹاف کا چھکڑا تو نہیں گھسیٹنا پڑتا۔

رندھیر چونکہ دھرم کا مرضی داں تھا سب نے اسی کو گھیرا۔

دھرم کو تو کام مل گیا، لیکن دوسرے تو بے موت مر جائیں گے۔ کمپنی ڈوبنے کا سارا بوجھ انہیں بھگتنا پڑے گا۔

"آخر یار بات کیا ہے؟"

"دل آ گیا ہے۔"

"ہشت۔" دھرم کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

"ارے تو اس میں یوں قلابازیاں کھانے کی کیا بات ہے؟"

دھرم خاموش رہا۔

"تم تو یار بالکل لونڈوں کی طرح دم دبائے رہتے ہو۔ دو ٹکے کی لونڈیا کے پیچھے دس سال کی محنتوں پر پانی پھیر دیتے ہو۔"

"میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔" دھرم نے دل کا بوجھ ہلکا کر ہی ڈالا۔

"ایک آگ سی پھُک رہی ہے۔"

"تو کون تمہارا گلا کاٹ رہا ہے۔ اماں یار محبت ہی تو ہے سالی ہو گئی تو قیامت تو نہیں آ گئی۔"

"تم نہیں جانتے میں کس بلا میں گرفتار ہوں۔ جی چاہتا ہے یہ لائن ہی چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں۔"

"اماں مرے کیوں جاتے ہو۔ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟"

"جہنم میں۔"

"سیاں!!" رندھیر نے منگلا کو فون کیا "دھرم کو ذرا میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ بڑی ٹیڑھی سچویشن پھنس گئی ہے۔ ہم لوگ رات تک بیٹھیں گے۔"

"میں کھانا لے کر آؤں؟"

"نہیں بھابی، تو برا مان جائے گی۔ تم کیوں تکلیف کرتی ہو۔ اگر جلدی کام نمٹ گیا تو آپ کو فون کر دیں گے اور پھر کھانے کے بعد نیند آنے لگتی ہے۔"

"لو اب اکٹھو!" اس نے دھرم سے آنکھ مار کر کہا۔ اس کا منہ ذرا سا ہو رہا تھا۔ باہر نکل کر اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا "زرینہ جی کو لیتے ہوئے پہنچ جانا۔ بندو سے میں نے کہہ دیا ہے۔ وہ تمہیں کوالٹی کے سامنے ملے گا۔ اور وہاں سوڈا منگوا لینا۔"

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

"تمہارا سہرا۔"

"نہیں!" دھرم سر سے پیر تک لرز گیا۔

"ارے تو اس میں بات ہی کیا ہوئی۔ اگلا سین ڈسکس کرنا ہے نا۔"

"اوہ!" دھرم ٹھنڈا پڑ گیا۔

زرینہ جہاں میک اپ سمیت ہی گھر چلی جایا کرتی تھی۔ وہی اسٹوڈیو کی میلی کچیلی ساڑھی پہنے چلی آئی نہ کچھ پوچھا نہ گچھا، ترشی ترشی آگئی۔

رندھیر اور دھرم اندر بیٹھے پی رہے تھے۔ بچے اوپر کے حصے میں سونے جا چکے تھے۔ زرینہ صحن میں بیٹھی کتے کے پلوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ اتنی بڑی اسٹار تو تھی نہیں کہ گھر والے اس کے آگے پیچھے پھرتے یا پڑوسیوں سے ملنے جاتے وقت اس کی اجازت طلب کرتے۔

"یار غل مچایا تو؟" دھرم کے ہاتھ نئی دلہن کی طرح سرد تھے۔

"تو سالی کا گلا دبا دینا۔"

مگر زرینہ نے غل نہیں مچایا۔

جب رندھیر اور دتو واپس لوٹے تو دھرم دیوار آمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کا ہونق چہرہ دیکھ کر رندھیر کا دل ڈوبنے لگا مگر جب غور سے دیکھا تو نئی دلہن نے مسکرا کر نظریں جھکا دیں۔

"جیو پیارے!" رندھیر نے...... اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا اور وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔

"میں بہت کمینہ ہوں۔" دھرم نے مری مری آواز میں کہا۔

"کون سی نئی بات بتا رہے ہو۔ مرد کی ذات ہی کمینی ہوتی ہے۔"

رندھیر نے فخریہ کہا "یہی مرد کی شان ہے، کہ حرام کاری کرتا ہے مگر چھپا

لیتا ہے۔"

کمرے میں جھانک کر دیکھا تو زرینہ ساڑھی میں منہ چھپائے گڑی مڑی پڑی تھی۔

"اسے گھر بھجوا دو۔" دھرم نے سہم کر کہا اور خود غسل خانے میں چلا گیا۔

دتو نے زرینہ کا شانہ چھوا تو معلوم ہوا غافل سو رہی ہے۔

دوسرے دن سیٹ پر دھرم کے اوسان خطا تھے۔ رندھیر کو بھی اختلاج ہو رہا تھا۔ شوٹ تیار تھا اور ابھی تک زرینہ نہیں آئی تھی۔ ڈرائیور نے واپس آ کر کہا "وہاں کوئی نہیں ہے۔ گھنٹی بجاتے بجاتے تنگ آ گیا۔"

"کسی سے پوچھا ہوتا!"

"پوچھا، صاحب بمبئی میں کسی کو کچھ پتہ نہیں رہتا کہ پڑوس میں کیا ہو رہا ہے۔"

صبح سے دھرم بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ رندھیر کو بھی معلوم تھا کہ اب کمبخت آئے گی تو نخرے بگھارتی اٹھلاتی جیسے رات کے سودے میں سارے اسٹوڈیو کو خرید لیا۔ آسے پروڈیوسر کی منہ چڑھی عورتوں نے بڑے دکھ دیے تھے۔ اپنی ذلت کا انتقام اسٹاف کے جوتیاں لگا کر لیتی ہیں۔ زرینہ نہ جانے کب سے اس دن کی تاک میں تھی، کمال ہے!

ساڑھے دس بج گئے تب تو اعصاب کا تناؤ چٹخنے لگا۔

"رندھیر، کیسے معلوم ہو کہ فلیٹ میں کوئی نہیں!"

"ٹیلی فون کوئی نہیں اٹھاتا، نہ ڈرائیور...... ہیں؟ نہیں یار!" دھرم کا اڑا ہوا چہرہ دیکھ کر رندھیر کے بھی حواس جانے لگے۔ "اگر ہاں بیٹی نے کچھ کھا لیا...... اور چٹھی چھوڑ دی تو؟"

"چلتے ہو، دفتر میں ایک چابی فلیٹ کی پڑی ہے۔"

جیسے ہی دونوں اٹھے، جیسے مشین گن کی باڑھ چل پڑی۔

زرینہ اور منگلا موٹر میں سے اتریں اور تیز تیز ان کی طرف لپکیں۔

"یا پیر دستگیر —— یا مشکل کشا......" رندھیر کا حلق خشک ہو گیا۔ آج اڑیں گے پرزے!

"امینہ کے بیٹا ہوا ہے۔" منگلا نے چہک کر کہا۔ ساڑھے سات پاؤنڈ کا یہ موٹا تگڑا۔" امینہ زرینہ کی بہن تھی۔

"ایں؟" دھرم لڑکھڑا کر کرسی سے اُٹھا۔

"میں نے ہسپتال سے فون کیا۔ اینگیج۔ اینگیج۔ کیا مصیبت ہے۔" زرینہ ڈرامائی انداز میں بولنے لگی۔ "میں نے ویدی کو فون کیا۔"

"بلو ضد کرنے لگا، ہم بھی چلیں گے۔ اتنے سویرے کیسے لے جاتی...."

منگلا فر فر بولے جا رہی تھی۔ "اور وہاں پہنچی ڈر کے مارے دم نکلے دے رہی تھی کہ شوٹنگ پر دیر ہو جائے گی تو دھرم جی مار ڈالیں گے۔"

دھرم جی بڑے انہماک سے میز کی دراز میں کوئی نامعلوم سی چیز ڈھونڈ رہے تھے۔

"آپ کے ہاں سے آئی تو آپا بیٹھی رو رہی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا، میں تو موٹر والی کر چکی تھی۔ بڑی مشکلوں سے ٹیکسی آئی تب میں اور آپا آئیں...." زرینہ کہے جا رہی تھی "بس دس منٹ میں ریڈی!" وہ میک اپ روم کی طرف بھاگی۔

رندھیر بیٹھا جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا۔

"انسپائرنگ بھی ہو لی ادلالی میں بھی منہ کا لاکر ہے!" اس نے پیٹھ کا تسمہ اتنی زور سے کسا کہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آ گیا۔

دن بھر زرینہ نہایت مستعدی سے شوٹنگ کرتی رہی۔ بالکل ہمدردوں کی طرح رندھیر سے اسے منظر سمجھاتے جھوم جھوم اٹھی۔ دھرم نے سین کی وضاحت کرتے وقت آنکھوں میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ سین بنتی گئی اور ہمیشہ کی طرح وہ اس میں ڈوبتی گئی۔

لنچ بریک میں دھرم اور رندھیر کی آنکھیں چار ہوئیں۔

"خدا قسم بھابی کو دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی تھی۔"

"میری تو ابھی تک نکلی ہوئی ہے۔"

"پیارے اب بھی لیسور رہے ہو، سچ بتاؤ کچھ رات معاملہ کیا بھی یا غچہ دے گئی۔"

"نہیں یار...... یہ سوچ رہا ہوں وہ کون ہوگا؟"

"وہ کون؟"

"اس کا پہلا عاشق۔"

"لاحول ولا قوۃ، یار حد کرتے ہو۔ جی چاہتا ہے کہ......"

"تم...... میں تمھیں کیسے سمجھاؤں....... شاید وہ اُسے چاہتی ہوگی۔"

تم نے پوچھ لیا ہوتا۔"

"ٹال گئی، بس چپ ہو گئی۔ یار اتنی سی عمر میں...."

"سوکھی ماری ہے، اس لیے ذرا سی لگتی ہے۔ ایسی ننھی نہیں۔ خیر تمھارا جنون تو ٹھنڈا ہو گیا۔ یار ایک بات یاد رہے کہیں بھابی کے سامنے نہ اگل دینا، بڑے ٹھسّے والی عورت ہے۔ مگر ایک بات کہوں گا یار قسم سے بھابی معمولی عورت نہیں دیوی ہے۔ اس مڈل سے تمھیں پیار سے ملتی ہے۔"

دونوں منگلا کے گن گاتے سیٹ پر پہنچ گئے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی خواہش پوری ہو جائے تو گھر کی مرغی دال برابر ہو جاتی ہے۔ مگر زرینہ کو پا کر بھی دھرم کی پیاس نہ بجھی بلکہ دو آتشہ ہو گئی۔ اسے جیت کر بھی احساس ہار کا رہا۔ جسم ملا مگر روح ہاتھ نہ آئی۔ سب سونپ کر بھی وہ نہ جانے کون سی انجانی چیز اس سے بچا لے جاتی۔ ہر دم ساتھ رہ کر بھی وہ اچھوتی اور اجنبی ہی رہی۔ اس کے چہرے کی معصومیت اور کنوارپن قائم رہا۔ اس کے وجود کا اندرونی تقدس کسی غلاظت سے ملوث نہ ہو سکا۔ نہ اس کی شوخی اور الھڑپن میں کوئی فرق آیا۔ وہ اسے پھسلانے کے لیے "سلگتے" ہوئے جملے بولتا چلا جاتا۔ اس کے تلوے آنسوؤں سے تر کر دیتا۔ شدت جذبات سے اس کا دم گھٹنے لگتا۔ تب وہ کوئی نہایت بچکانہ بات کی آڑ لے کر کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ وہ اس کی آغوش سے نکل کر جب سیٹ پر جاتی تو بالکل غیر ہوتی۔ جیسے ایک سیٹ سے دوسرے سیٹ پر، ایک سین سے دوسرے سین پر، وہی تحمل، خلوص جو بدن میں، وہی سیٹ پر۔ دھرم کبھی بڑے معنی خیز انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا تو اس کا دل بیٹھ جاتا۔ ان آنکھوں میں گزری ہوئی راتوں کا کوئی ذکر نہ ہوتا۔

تب وہ بے طرح خائف ہو جاتا۔ وہ مجھے نہیں جانتی، دھرم دیو ڈائرکٹر کو جانتی ہے۔ مجھے بھول چکی ہے۔ میں جو صرف ڈائرکٹر نہیں، میں ہوں۔

وہ اسے کسی بہانے سے سین سمجھانے کے لئے میک اپ روم یا دفتر میں لے جاتا۔

"کیا کچھ خفا ہو؟" وہ مجرموں کی طرح پوچھتا۔

"نہیں تو، کیوں؟" وہ بڑی سادگی سے پوچھتی۔

"کام کا موڈ نہیں ......؟"

"نہیں نہیں، آج تو بہت موڈ ہے۔ بہت ہی خوبصورت سین ہے۔"

وہ ڈر جاتی۔

"تھکی ہوئی ہو؟"

"نہیں" "بالکل نہیں۔"

"اللہ قسم؟" دھرم نے زرینہ سے قسم کھانی سیکھ لی تھی۔

"اللہ قسم۔" وہ بڑی سنجیدگی سے کہتی۔

پھر وہ دونوں ہاتھ پھیلا دیتا اور وہ مورتی کی طرح تھرکتی اس کی بانہوں میں سما جاتی اور اس کے گردن کی دھڑکتی ہوئی رگ پر ہونٹ رکھ دیتی۔

دو سال سے فلم بن رہی تھی، مگر اس کے ٹرائیل دیکھنے والوں کا ایمان تھا۔ کہ ہٹ ہو یا نہ ہو یہ دھرم کی سب سے شاندار فلم ثابت ہوگی۔ اسی لئے اس نے ابھی تک پوری بزنس نہیں کی تھی۔ ہر جگہ ایڈوانس پر دینے کا ارادہ تھا تاکہ ساری محنت اور زرجیہ وصول ہو جائے۔

شوٹنگ کے زمانے میں اس کے اسٹاف نے زرینہ کے اور اس کے تعلقات کو کنواری کا بھید سمجھ کر چھپایا۔ کیشوان سب کا سرغنہ تھا۔ وہ دھرم کو اچھی طرح جانتا تھا۔ بغیر زرینہ کے وہ بے ٹائر کی موٹر کی طرح ٹھپ ہو جائے گا۔ گو آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔ وہ اب بھی بکھیر کر خاک میں ملا سکتا تھا۔

مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دھرم بغیر منگلا کے بھی زندہ نہیں رہ سکتا جب وہ روٹھ جاتی ہے تو غلوت سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب تک ملاپ نہ ہو جائے [illegible] رہے گا۔ دھرم اپنے پراسرار کرب میں پیگ پر پیگ چڑھائے گا۔ پھر کہانی

بدلنے کے منصوبے بناتا رہے گا۔ جب بات حد سے گزرنے لگتی تو اسٹاف کا ایک وفد منگلا کو سمجھانے جاتا۔ بال بچوں کا واسطہ، کمپنی کے بال بچوں کا واسطہ۔ منگلا کو مجبوراً غصہ تھوک کر سوچنا پڑتا۔ تب وہ مزے دار کھانوں کا کٹورا دان لئے، گیروا بنگالی وضع کی دھوتی پہنے خوب سا سندور مانگ میں رچائے بچوں کا ہاتھ پکڑے روٹھے دیوتا کو منانے آتی۔ پھر تھوڑی دیر بعد دھرم دیو جھینپتا مسکراتا سیٹ پر آ جاتا۔ اور سب کے چہرے کھل اٹھتے۔ زرینہ کو نہ روٹھنا آتا نہ اسے منانے کی کسی کو ضرورت پڑی۔ نہ اسٹاف کے لوگوں پر اس نے رعب جھاڑا۔ سب کو دادا بھیا کاکا بنا لیا تھا۔ نہ کسی کو مسکا لگانے کی فکر ہوتی تھی۔

گانوں کی ریکارڈنگ کے بعد منگلا بہت کم اسٹوڈیو جاتی تھی۔ نینی تال میں جو بسکی بچی تھی وہ تنہائی کا سہارا بن چکی تھی۔ وہ چار دلچسپ قسم کی سہیلیاں جمع ہو جاتیں، تاش کھیلتیں، دو دو شو انگریزی فلموں کے دیکھ ڈالتیں۔ کبھی دھرم کے ساتھ جاتی تو وہ اتنا تھکا ہوا ہوتا تھا کہ بیچ میں خراٹے لینے لگتا۔ یا گاڑی میں بیٹھا پیار کرتا۔ کبھی زرینہ اور اس کی بہن بھی ہوتیں۔ زرینہ کے ساتھ فلم دیکھنے میں بڑا مزہ آتا۔ بے حد ہنساتی۔ اگر دھرم کبھی رکھائی سے اس کی طرف دیکھ لیتا تو وہ زبان نکال کر کونے میں دبک جاتی۔

"یہاں بھی رعب جھاڑتے ہو جی۔" منگلا بڑبڑاتی "خواہ مخواہ کی چڑ ہے بیچاری سے۔" اور دھرم اٹھ کر جلدی سے گاڑی میں جا بیٹھتا۔

کیشو کی ناکہ بندی کو پھلانگ کر افواہیں انڈسٹری کے خندہ خانوں میں خوب پھیل رہی تھیں۔ منگلا سے کبھی انٹرویو میں کوئی منچلا جرنلسٹ یونہی اشارتاً پوچھ لیتا تو وہ سب کی ٹانگ گھسیٹنے لگتی۔

"وہ تو میری سہیلی ہے۔ فلم والوں کے دماغ بڑے گندے ہوتے ہیں۔ بکواس کرتے ہیں۔"

لوگ اس کی حماقت پر پیٹھ پیچھے ہنستے۔

رتیا اور رمتی کی شادی جس دھوم دھام سے ہوئی تھی ویسے ہی دم توڑ رہی تھی۔ رتیا کی سفارشوں سے اسے بھی کام ملنے لگا۔ رتیا تو بچے کی پیدائش میں پھول کر جھنیا ہو گئی۔ اس کی قسمت کا ستارہ چمک گیا۔ اور اس نے بیوی کو بالکل

گرہستن بنا کے بہت ٹھاٹ کے فلیٹ میں رکھ دیا خود فراٹے بھرنے لگا۔ رتی نے بہت اُدھم مچایا مگر کسی نے اُس کی بکواس پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ دھرم کی فلم کے بعد اس کی تمام فلمیں فلوپ ہو گئیں۔ اور انڈسٹری نے اُسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔ ہاں بطور رتی کی بیوی کے اب بھی اُس کی ساکھ تھی۔

منگلا سے اُس کی راہ و رسم بڑھنے لگی کیونکہ وہ بھی خوب پینے لگی تھی۔ اُس نے زرینہ اور دھرم کے رشتے پر روشنی ڈالنی شروع کی۔ منگلا نے ہنس کے ٹال دیا۔

”ہم پر تو شبہ کیا، وہ تو بڑی دیوی ہے نا اُسے کچھ نہیں کہتیں۔“

”ارے وہ بڑی سیدھی ہے۔ میں اُسے جانتی ہوں۔“ منگلا ہنس دی۔

”ارے تم کیا کھا کے اُسے سمجھو گی، وہ پوری ایکٹریس ہے، دیکھنا دھول پھانکو گی۔“

”ارے چل ہٹ سب تیرے رتی جیسے نہیں۔“

”ارے کیا رتی کیا رتی کا باپ، سب سور دے پُتر ہیں۔“

”اب تو ہمارا اتنا جھگڑا بھی نہیں ہوتا۔“

”ہنہ اسے فرصت نہیں ہے تجھ سے جھگڑنے کی یا پیار کرنے کی۔ سچ بتا منگلو کتنے دن سے تجھے پیار کرنے کی فرصت نہیں ملی؟ کب کیا تھا اُس نے تجھے آخری بار پیار؟“ وہ کافی چڑھائے ہوئے تھی۔

”اب کون مجھے یاد تھوڑی ہے۔“ منگلا کچھ سٹر پٹر ہونے لگی۔

”یاد نہیں کرتی سنے کب پیار کیا تھا۔ کل؟ پرسوں؟ — پچھلے ہفتہ؟...

..... اُس سے پچھلے ہفتہ؟“

”شاید کبھی میرا خود جی نہیں کرتا۔“

”کیوں؟ سوچ منگلو آخر کیوں؟ تیرا پیار کیوں ٹھنڈا پڑ گیا ہے؟ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے۔“

”مگر میری طرف سے ہی ہوا..... بھلا دو بچے ہو گئے کیا نئے دُلہن دُولھا ہیں۔“

”تو اپنے جی کو بہلانے کے لئے کہتی ہے کہ تو نے ہی ٹال دیا مگر منگلو سچ

بول۔ میرے سے نہیں اپنے من سے سچ بول۔ اور کبھی میں دھرم کو الزام نہیں دوں گی۔۔

...... ہر عورت کا ساتھ ہو، رومینٹک سین ہوں تو کچھ ہوتا تو ہے.....“

”تمھارے ساتھ تھا کچھ؟“

”اب تم سے چھپانے سے کیا فائدہ، اگر کچھ نہ تھا تو تم نے تھپڑ کاہے کو پیا تھا۔ خیر وہ تجھ پہ مرتا تھا۔ مجھ سے تو بس یونہی چوما چاٹی چلتی تھی...... برا نہ ماننا منگلو تو نے پوچھا تو......“

”فلم ختم ہو گئی تو ختم ہو گیا۔ اُس کا بھی یہی ہو گا۔“

”پانچ سال کا کانٹریکٹ ہے۔“

”تو کیا ہوا، ویسے اب اُسے باہر بھی دو فلموں میں کام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اُس دن ذکر ہو رہا تھا تمھارے رتی کو لینے کا ارادہ ہے۔“

زرینہ کے ساتھ؟“

”ہاں۔“

”کھا اس کا کھاتی ہو۔ میرا خصم تو اجگر ہے اجگر۔ دھرم خوب جانتا ہے کہ اُس کو زندہ کو سموچا نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا، مگر ایک بات کہے دیتی ہوں، میں تیری طرح پھسکی نہیں بیٹھنے کی۔“

”بک بک کئے جائے گی بس اگلی فلم کا اسکرپٹ تیار ہے۔ ست نرائن ڈائرکٹ کر رہا ہے۔ کانٹریکٹ ہو گیا۔ ٹیونیں کل ہی میں نے سنیں۔ وہ تو ایڈیٹنگ میں لگے ہوں گے۔ اسٹاف بیکار بیٹھ کر کھائے گا۔ اسی لئے جلدی سے شروع کر رہے ہیں۔“

”تو ٹھیک ہے۔“

”اری مجھے بڑی عقل سمجھا رہی ہے۔ تیرا خصم تو کھلے بندوں کرتا ہے اُسے نہیں روکتی۔“

”نے ہے، وہ تو بہتا دریا ہے میرے روکے بھلا رُکے گا۔“

”چھوڑ موتے کو۔“

”ہائے رام کیوں چھوڑوں، ارے جس پہ دنیا بھر کی عورتیں جان چھڑکتی

ہیں۔ وہ ہے تو میرا۔ پہلے میں بھی سوچتی تھی چھوڑ دوں، پھر میں نے سوچا ایسا گبرو جوان مجھے اور کہاں ملے گا۔"

"مجھے پیار جو نہیں کرتا۔"

"کیسے نہیں کرتا، بہنا میں کوئی ستیا جی تو ہوں نہیں کہ رام جی نے نکال دیا تو نکل گئیں۔ میں تو حرام زادے کی چھاتی پر چڑھ کر ہی لوں گی۔ اور انہیں ہے اچھے گھرانے کا۔ اس کے خاندان میں کوئی تھتم تھتا کا دستور نہیں۔ بھگوان کا شکر ہے ابھی تو تھوڑا بہت لڑ جھگڑ بھی لیتا ہے۔"

رتیا چلی گئی تو منگلا کی شکی طبیعت پھر تاؤ میں آ گئی۔ وہ ایسی کچھ غافل بھی نہیں تھی۔ کچھ تو زرینہ کی طرف سے اسے اندیشہ نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ واقعی پوری ایکٹریس ہو۔ دوسرے اگر کچھ ہوتا تو دھرم نئی فلم ست ترائن کو نہ دیتا اور ہیرو بھی خود ہی رہتا۔ پھر بھی جب شام کو دھرم لوٹ آیا تو وہ اُسے بڑے غور سے دیکھتی رہی۔ نہا دھو کر اُسے پھر واپس جانا تھا کیونکہ ایڈیٹنگ ہو رہی تھی۔ دو چار کٹ بھی لگوانے تھے تاکہ ادھورے سین مکمل ہو جاتیں۔

"مہورت کر رہے ہو "پورنیا" کی؟"

"ہاں کل کارڈ آ جائیں گے۔" دھرم آئینے کے سامنے جھکا کنگھی کر رہا تھا۔

"رتی سے کانٹریکٹ ہو گیا؟"

"ہو جائے گا۔"

"کب؟"

"بس کل پرسوں بات طے ہو جائے گی۔" اور وہ جلدی سے چلا گیا۔

"اسے جھگڑنے یا پیار کرنے کی فرصت کہاں۔" اُسے رتیا کے بول یاد آنے لگے۔ نہ جانے کیا سوجھی جھٹ زرینہ کو فون کیا۔

"رنگیلی میں بڑی اچھی فلم ہے۔ تم اور امینہ چلتی ہو؟"

"ہائے دیدی مجھے تو ڈائیلاگ ڈب کرنے جانا ہے اور امینہ آپا کا بچہ بیمار ہے۔ ہائے کیا کروں؟"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے ایک تگڑا سا پیگ انڈیلا اور چلن بنانے لگی۔

جب دھرم اور زرینہ فلم کی باتیں کرتے ہوئے دفتر کے پچھلے کمرے میں داخل ہوئے تو منگلا انگڑائی لے کر اُٹھ رہی تھی جیسے ابھی اس کی آنکھ کھلی ہو۔

"ارے دیدی!" زرینہ کھل اُٹھی۔

"تم پکچر دیکھنے نہیں چلیں تو میں نے سوچا چلو اسٹوڈیو ہی چلیں، یہیں بیٹھی تو نیند آ گئی۔"

"ریکارڈنگ روم میں آ جاتیں۔ کیا حسین ڈائیلاگ لکھے ہیں رندھیر بھیا نے۔" وہ اس کے قریب ٹھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ "دیدی کل میٹی میں چلیں، کیوں؟ ہو جاتے۔" وہ ابرو چلا کر بڑے مزے سے بولی۔

"صاحب سے تو پوچھ لو۔"

"کل رنجیت میں "چار کانٹے" کی شوٹنگ ہے میں صفا بھاگ آؤں گی۔"

"وہاں شوٹنگ میں دل نہیں لگتا؟" منگلا نے دھرم کی طرف ترچھی نظروں سے تاکا۔

"خاک نہیں لگتا۔ یہاں تو سب اپنے ہیں۔"

"سب تو نہیں جو اصل میں اپنے ہیں اُن کی بات کرو۔" اس نے دل میں سوچا۔

"میں چلوں؟" اس نے دھرم سے پوچھا۔

"ہاں، یہ اسکرپٹ تو لیتی جاؤ۔ جو لینے آئی تھیں۔" دھرم نے بڑے بھونڈے پن سے کہا۔

"ہاں، ہاں۔" زرینہ نے بات سنبھال لی اور فائل لے کر جانے لگی۔

"ٹھہرو میں بھی چلتی ہوں۔" وہ ساڑھی اُڑستی اُٹھی۔

"تم بیٹھو نا، ساتھ ہی چلیں گے۔" دھرم نے کہا۔

"نا بابا سب کہیں گے کہ میں کام نہیں کرنے دیتی ہوں۔ تم اپنی ایڈیٹنگ کرو۔" اور وہ زرینہ کا ہاتھ پکڑے نکل گئی۔

موٹر میں اس نے بڑی چابک دستی سے فائل کھولا اس میں ایکسٹرا سپلائر کا حساب کتاب لکھا تھا۔

"ارے!" زرینہ نے قہقہہ مارا۔ "وہ یہ کیا پکڑا دیا دھرم جی نے۔" اور وہ

ٹک ٹک کر فہرست پڑھ پڑھ کر ہنسنے لگی۔

"میں اس لڑکی سے نہیں جیت پاؤں گی۔" منگلا کا دل بیٹھنے لگا مگر وہ اس کے ساتھ ہنستی رہی۔

دوسرے دن اس نے فائل لاکر میز پر رکھ دیا۔

"میرے تو خاک پلے نہیں پڑا..... دیدی کہہ رہی تھیں بھولے میں دے دیا ہوگا۔ پر میں نے کہا نہیں وہ ایسی غلطی تھوڑی کرتے ہیں۔ غلطی تو مجھ سے ہو جاتی ہے کہ رنجیت میں نہ شوٹنگ نہ کچھ اور....."

دھرم نے گھڑی دیکھی اور مسکراتا ہوا اٹھا۔

جب منگلا نے یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ واقعی زرینہ رنجیت میں ہے یا نہیں اُسے فون کیا تو بھاگی ہوئی آئی۔

"کیا ہے دیدی؟" اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... میں تو پوچھ رہی تھی کہ..... تم چلو گی۔ میں ستار کے ہاں جا رہی ہوں۔" منگلا نے بات بنائی۔

"ہاں ضرور میں چھ بجے آجاؤں گی۔ شوٹنگ تو نہیں ہو رہی ہے سیٹ لگا ہے۔ ڈانس کی پریکٹس کرنا ہے۔"

منگلا اپنی ہوشیاری پر مسکراتی ہوئی صوفے پر لیٹ گئی اور گلاس سنبھال لیا۔

زرینہ واپس آئی تو رندھیر اور دھرم چپ ہو گئے۔

"ارے نئی پکچر کا وہ زوردار نام سوجھا ہے کہ کیا بتائیں۔"

"کچھ تو بتائیے۔" رندھیر نے زور دیا۔

"پچھ ہے بھاگ بلی آئی۔" وہ قہقہہ لگا کر لوٹ گئی۔

"ٹھیک، سو فی صدی ٹھیک بیٹھتا ہے۔" رندھیر نے کہا مگر دھرم کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔

"تو تم اسے کانٹریکٹ نہیں کر رہے ہو؟" منگلا کافی چڑھی ہوئی تھی۔

"مجھ سے اس کے نخرے نہیں سہے جائیں گے۔ پتہ ہے تمہیں جو لوگ اسے لیتے ہیں انہیں گنگی کا ناچ نچاتا ہے۔ اس کے دماغ خراب کر دیئے ہیں ان گھٹانے کے پروڈیوسروں نے۔"

"تو پھر راجندر کو لے لو۔"

"اس کے پاس بارہ فلمیں ہیں۔ میری مانگ کے مطابق وقت دے سکے گا؟"

"یہ کیوں نہیں کہتے خود کرو گے!"

"تم آج میرے پیچھے کیوں پڑ رہی ہو۔ پروڈکشن میں تم نے کبھی دخل نہیں دیا۔ ایسی کیا فکر پڑی ہے تمہیں؟"

"کیوں کیا مجھے پوچھنے کا بھی ادھیکار نہیں۔ کمپنی تمہاری ہے پر میں تمہاری کچھ نہیں؟"

"تم سب کچھ ہو۔ کمپنی تمہاری ہے، میں بھی تمہارا۔"

"تو ہیروئن کے لئے سندا کو لو۔"

"کیوں؟ زرینہ کو جو کمپنی تین سال سے تنخواہ دے رہی ہے؟"

"یوں کیوں نہیں کہتے اس کے ساتھ خود کام کرنا چاہتے ہو۔" منگلا گرم ہوگئی۔

"پھر؟" دھرم بھی گرم ہو گیا۔

"یہ نہیں ہوگا۔"

"تم کہتی ہو اس لئے....."

"تم بھی کمال کرتی ہو۔ یاد ہے جب رتنا کے ساتھ تم نے کہا تھا تم اس کا رول نہیں کرو گے..... پھر نیا میں، تمہیں میں نے اپنی مرضی دکھی تو پورنیما میں بھی اس کا رول ہے اس لئے....."

"آخر یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔"

"اپنے مطلب کی بات ہو تو کیسے پلٹ جاتے ہو۔" منگلا کا پارہ چڑھنے لگا۔ "اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے کہ وہی تمہارے ساتھ کام کرے گی تو گانے پھر کسی اور سے لے لینا۔"

"لے لیں گے۔" دھرم کا بھی خون کھول گیا۔

"تو پھر یہ طے ہے کہ تمہیں میری ضرورت نہیں۔"

"یہ میں نے نہیں کہا۔"

"تو اس کے بنا فلم نہیں بن سکتی۔" پارہ اور کئی ڈگری اوپر چڑھا ہوا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" دھرم اس سے بھی زیادہ گرم ہونے لگا۔

"میرے بغیر بن سکتی ہے۔"

"پتہ نہیں، بنا کر دیکھنا پڑے گا۔"

"وہ تمہیں بہت پیاری ہے۔"

دھرم چپ رہا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے؟"

"کیا جواب دوں؟" دھرم نے منہ پھیر لیا۔

"تو میں چلی جاؤں؟"

"نہیں۔"

"تو اسے نکالو۔"

"پانچ سال کا کانٹریکٹ ہے......"

"میں اپنا زیور بیچ کر پیسہ بھروں گی......" وہ سر سے پیر تک لرز رہی تھی۔

وہ اپنا سر پکڑے خاموش بیٹھا رہا۔

"مجھے جھٹلاؤ...... کہو میں جھوٹ بول رہی ہوں، دھوکا ہوا۔"

اس کے لہجے میں التجا ابھر آئی۔

اس نے سر نہ اٹھایا۔

"کیا سمجھا ہے تم نے، کیا میں تمہاری رنڈی ہوں، بولو......"

"آہستہ بولو۔" دفتر کی دیواریں محدود نہ تھیں۔

"کیوں آہستہ بولوں۔ میں تو ڈنکے کی چوٹ کہوں گی۔ وہ خانگی ہے۔ رنڈی ہے، میرے گھر کو آگ لگانے آئی ہے۔" وہ رونے لگی۔

"منگلو...... پلیز۔" اس کا دل کٹنے لگا۔

"دور ہو۔ خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔"

"بزنس کو جذبات کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو۔" اس نے زرینہ کا قول دہرایا۔

"اپیل کا کانٹریکٹ توڑتے وقت یہ بات نہیں سوچی تھی۔"

دھرم پھر بغلیں جھانکنے لگا۔

"اس دن جو رنجیت اسٹوڈیو میں چار سو بیس کی تھی وہ مجھے سب معلوم ہے۔"

دھرم چپ رہا۔

تھوڑی دیر وہ سناٹے میں کھڑی رہی پھر باہر نکل گئی۔

دھرم سر تھامے بیٹھا رہا۔

"کیا قصہ ہے۔" رندھیر دبے پیروں داخل ہوا۔

"یار جی اکتا گیا ہے اُس زندگی!"

"تو پھر لعنت بھیجو کمبخت پر۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو، وہ میری بیوی ہے، میرے بچوں کی ماں!" دھرم غرایا۔

"اماں یار حد ہو گئی۔ ارے میں بھابی کو نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"ہوں!" دھرم کا دل چور پکڑے جانے پر بجھ گیا۔

"عقل سے کام لو پیارے۔ بات نہ بڑھاؤ۔"

"بات تو بڑھ چکی۔" دھرم نے دم گھونٹ کر سر جھکا دیا۔

"اماں گھاس کھا گئے ہو۔ ایک دو پیسے کی لونڈیا کے پیچھے اپنا گھر خاک میں ملاؤ گے۔"

"میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"تمہاری سمجھ پر تو پڑ گئے ہیں پتھر۔ ورماجی بننے کا ارادہ ہے۔"

گھر پہنچا تو منگلا کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ سامان بندھ رہا تھا۔

دھرم نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور مجرموں کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ایک دن یہی ہونا تھا۔" وہ سسکی لے کر سوٹ کیس پر جھک گئی۔

"منگلو، میں تیرے بنا زندہ نہیں رہ سکتا۔" دھرم نے اس کے پیروں پر سر ٹیک دیا۔ منگلا نے سسک کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

اور دوسرے دن یہی الفاظ وہ زرینہ سے کہہ رہا تھا۔ اس میں ذرہ برابر

بھی جھوٹ نہ تھا۔

"توبہ توبہ...... کیوں گناہ گار کرتے ہیں۔" زرینہ نے اپنے پیر سکیڑ لیے۔

انسان کے دل میں کتنے خانے ہوتے ہیں۔ ایک خانے میں ماں باپ کا پیار۔ دوسرے میں بچوں کی ممتا۔ پھر بیوی کے لیے الگ خانہ۔ محبوبہ کے لیے پھر بھی گنجائش! منگلا رہتی تو دنیا رہتی۔ زرینہ کو ایک دن نہ دیکھا تو نزع کی سی کیفیت طاری ہو گئی!

فلم ریلیز ہوئی تو دنیا کی کوئی بات یاد نہ رہی۔ دھرم کو اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا گیا۔

زرینہ کی ماں کی طبیعت خراب تھی، اس لیے ہر جگہ ریلیز پریمیاں ہو گئے۔ ٹوٹتے ہوئے تار جوڑ دیے گئے۔ دعوتوں اور پارٹیوں کا سلسلہ ختم ہی نہ ہونے میں آتا تھا۔

اور جب یہ گھن گرج اور چمک ختم ہوئی تو دھرم پر پھر گھٹن اور اکیلے پن کے احساس نے حملہ کر دیا۔ وہ بیٹھا پیا کرتا۔ منگلا اس کا بھرپور ساتھ دیتی۔ اتنے دن شادی کو گزر جائیں تو پیار ٹھنڈا پڑ ہی جاتا ہے۔ نشہ میں دھت ہو کر نیند بھی جلدی آ جاتی۔

مگر منگلا اس کے پہلو میں پڑی کروٹیں لیا کرتی۔ جب تک بہت فرانٹ گلاس نہ چڑھاتی۔ نیند آنکھ چراتی رہتی۔ سونے کی گولیاں بھی ماند پڑنے لگی تھیں۔ پھر کچھ بھی تھا، وہ بحیثیت اس کے پہلو میں تو تھا۔

ست ترائن نے فلم شروع کرنے پر زور دینا شروع کر دیا۔ اسٹاف بھی اکتا رہا تھا۔ فلم شروع کرنا ہی تھی۔ ہیرو کی تلاش اور پری ڈول سے جاری تھی۔ روز نئے لڑکوں کے ٹیسٹ لیے جاتے۔ فرید جو ایک مشہور پرانے زمانے کے اسسٹنٹ ہیرو کا لڑکا تھا، بالکل چن ہی لیا گیا تھا۔ دھرم نے تو کانٹریکٹ کی اجازت دے دی تھی۔ کیشو ذرا ہچکچا رہا تھا۔ ذرا کام چل نکلے پھر ہو جائے گا کانٹریکٹ۔ دھرم کے ساتھ کام کرنے کے لیے بس کام ہی کی اہمیت تھی، معاہدہ کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

ان ہی دنوں رنجیت میں زرینہ کی شوٹنگ چل رہی تھی۔ اس کی بزنس کیشو ہی

سنبھالتا تھا کیونکہ وہ ابھی تک دھرم دیو فلمز کی نوکر تھی۔ آدھی رقم کمپنی ڈیپوزٹ کرتی تھی۔ مگر ابھی کمپنی نے اپنا حصہ لگانا شروع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ زرینہ نے نیا فلیٹ اور موٹر لے لی تھی۔ قسطیں ادھر کٹ رہی تھیں۔

نہ جانے کس کام کے سلسلے سے دھرم ادھر نکل گیا۔ بڑا تام جھام سیٹ لگا تھا۔ زرینہ بے انتہا زرنگار کپڑے پہنے بھونڈے سے ہیرو کے ساتھ انتہائی سستے قسم کا رومانس لڑا رہی تھی۔ اسے یوں مٹکتے آنکھیں مٹکاتے دیکھ کر دھرم کا خون کھول گیا۔

"یہ ایکٹنگ ہے؟" اس نے بریک میں زرینہ کو گھیر کر ڈانٹا۔ "بندریا کی طرح اچھل رہی ہو۔" دھرم غصے سے بے قابو ہو گیا۔

"ایسا ہی رول ہے۔"

"خاک رول ہے۔ اتنی آنکھیں کیوں مٹکاتی ہو اور گلا پھاڑ کر چیختی ہو۔ دھیمے سے نہیں بولا جاتا؟"

"اب جیسے ڈائرکٹر کہے کرنا پڑتا ہے۔"

"کیوں کرنا پڑتا ہے؟ ساری ایکٹنگ بھول گئیں۔ یہ تھرڈ کلاس ایکسٹراؤں کی طرح منہ چڑاؤ گی تو "پورنما" کا رول بھی گوڑ کر کے رکھ دو گی۔"

"واہ وہاں کاہے کو گڑبڑ کروں گی۔ آپ کی قمچی جو سوار ہو گی۔"

"ست ترائن ڈائرکٹ کریں گے۔" دھرم نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"مگر آپ تو ہوں گے، پھر......"

"فرید کو سائن کیا ہے، میں اپنی شوٹنگ کے سلسلے میں مدراس رہوں گا زیادہ تر۔"

"ہائے اللہ، آپ نہیں کر رہے ہیں اس میں کام؟"

"نہیں......"

"تو...... پھر ندا کو لے لیجیے۔" زرینہ گڑگڑائی۔

"نہیں۔ رندھیر کہتا ہے اس نے رول تمہیں سامنے رکھ کر لکھا ہے۔"

زرینہ نے میک اپ بگڑ جانے کے ڈر سے آنسو پی لیے۔ لیکن آنسوؤں کے بغیر بھی طوفان اٹھائے جا سکتے ہیں۔

"بہت اچھا رول ہے۔ تم ہی کرو گی۔"

"جو تم سمجھا رہا" زرینہ نے ٹھنڈی سی سانس بھری۔ "اللہ کرے میرے فرید"
"اس میں تمہارا ہی تو ہے۔ دو دھورا ہو جاؤ گی" دھرم ہنسا۔
"اچھی۔ میں کیوں ہوتی ادھورا۔ خوبصورت پاگل"
"تمہیں پسند نہیں؟"
"واہ جی مجھے کیوں پسند ہوتا منحوس" زرینہ بگڑ گئی۔
"رنگوں کا خیال ہے رینا اور رتی کی طرح تمہاری اور فریدہ کی جوڑی جمی۔۔۔"
"دیکھیے میں شام کی گاڑی سے جا رہی ہوں"
"کہاں؟"
"بھواڑہ"
"اور یہ سارے کانٹریکٹ؟"
"چولہے میں"
"پانچ سال کا جو ہمارا کانٹریکٹ ہے"
"وہ بھاڑ میں"
"پورینا کا رول"
"مجھے نہیں کرنا رول پھول بند"
"جانتی ہو کانٹریکٹ توڑو گی تو کیا ہو گا"
"پھانسی۔ اس سے زیادہ تو نہیں"

اتنے میں شوٹ تیار ہو گیا۔ مگر دھرم نے دیکھا وہ تنتاتی میک اپ روم میں چلی گئی۔ نہ جانے کیوں زرینہ کو غصہ کرکے اُسے بڑا لطف آرہا تھا۔ سیٹ پر دوبارہ جاکر جی جلانے کی ضرورت محسوس نہ کی اس نے رندھیر کو پکارا۔

موٹر بیک کرکے پھاٹک میں سے نکل ہی رہے تھے کہ زرینہ بھاگی ہوئی آئی، اس نے میک اپ اتار دیا تھا اور گھر کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔

"وہ میری کار سروس کے لئے گئی ہے۔ ذرا مجھے ٹیکسی کے اڈے پر اتار دیجیے"

وہ پیچھے بیٹھ گئی۔ رندھیر نے دھرم سے آنکھ ملانا چاہی مگر وہ سیدھ میں نظریں جمائے رہا۔ اس کے چہرے کے عضلات پُرسکون تھے اور آنکھیں پُراسرار۔

"رہ گئے ناکارے" اس نے لکڑ پہ کہا۔ مگر دھرم خاموش ڈرائیو کرتا رہا۔

اسٹوڈیو پہنچ کر وہ جلدی سے اُتری اور احاطے میں کھڑی ٹیکسی لے کر چل دی۔
"کیوں بھائی یہ کیا لفڑا ہے۔" رندھیر نے پوچھا، دھرم کے ہونٹ مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں لرز رہے تھے۔
"چلو پاپ کٹا" رندھیر نے سب قصہ سن کر اطمینان کا سانس لیا۔ حالانکہ دل اس اطمینان میں سو فیصدی شریک نہ تھا۔
"کہو تو جاکے روکوں چڑیل کو" پھر اس نے مجبوراً پوچھا۔
"کیا ضرورت ہے؟ پاپ کٹا" دھرم نے قہقہہ لگایا۔ رندھیر کا منہ ذرا سا نکل آیا۔ اُس نے دو چار گالیاں ہوا میں اچھالیں اور ٹیلی فون کرنے لگا۔ جواب ندارد۔
"کیوں وقت ضائع کر رہے ہو" دھرم دیو ہنسا۔ "ٹرین چھوٹے پاؤ گھنٹہ ہو گیا"
وہ ہنس رہا تھا۔ مگر رندھیر بے چین ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اس نے یہ ہنسی آخری مرتبہ نینی تال کی آؤٹ ڈور شوٹنگ پہ سنی تھی۔
"سالی جا بھی رہی ہے یا کوئی چال چل رہی ہے" اس نے سوچا،
"میں گھر جا رہا ہوں" وہ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔
"چلتے ہیں۔ جلدی کیا ہے" وہ بڑے اطمینان سے اٹھا۔ سگریٹ کیس میں پانچ سو پچپن بھرا اور ایک سلگا لیا۔
"کیا ڈانڈا چل رہے ہو" رندھیر نے پوچھا
"اوپننگ"
"چھبور؟ وہاں راج کے پاس؟"
"نہیں" دھرم کی آنکھیں شوخی سے ناچ رہی تھیں۔
"اماں یار۔ مجھے اتار دو، میں پاگل ہو جاؤں گا۔ تمہارے ساتھ کیشو ہے نا"
دھرم نے گھڑی دیکھی اور موٹر کی رفتار بڑھا دی۔ "اوہ کتنی بکواس کرتا ہے"
جب وہ اگت پوری کے اسٹیشن پر پہنچے تو سگنل ڈاؤن تھا۔ ٹرین آرہی تھی۔
"یہ آپ کیا کر رہے ہیں" زرینہ نے منہ پھلا کر پوچھا۔

"بک بک نہ کرو، آئیے ماں جی" رندھیر نے ماں کو رسانیت سے اُتارا، مینہ کے بچے کو گود میں لیا۔

"چلو ذرا تمھاری کیسی خبر لی جاتی ہے باہر شین گن تانے بیٹھے ہیں" اُس نے چپکے سے زرینہ کے کان میں کہا۔

"آپ بھی اُس پگلی کی باتوں میں آگئیں" رندھیر نے امینہ سے کہا۔

"کیا طوفان مچایا ہے۔ تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ ریل کے نیچے کٹ جاؤں گی"

اسٹیشن کے شیڈ پر چڑھی ہوئی بیل میں سے زرینہ نے ایک پتلی سی چھڑی توڑی۔ پتے سونتی ہوئی وہ موٹر کے پاس گئی۔ دھرم بے تعلق بیٹھا دھواں اُڑا رہا تھا۔ اُس نے چھڑی لی اور زرینہ کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر سٹراک سے کس کر دی۔ زرینہ کا منہ سفید ہو گیا۔

"ایک اور۔ ایڈوانس" وہ مسکرائی۔

دھرم نے اور بھی زور سے چھڑی ٹکائی۔ احتیاط سے چھڑی قریب رکھ لی۔ رندھیر جو اماں اور امینہ کو اسٹیشن ویگن میں بٹھا کر لوٹ رہا تھا پیشانی پر سے پسینہ پونچھنے لگا۔ دھرم نے ایک جھٹکے سے موٹر بڑھائی۔ زرینہ دھول اور پٹرول کے غبار میں بڑے ٹھسّے سے مسکرا رہی تھی۔

"مجھے پہلے گھر اُتار دو" رندھیر اُتر کر سیدھا بھاگا۔ دِتّو کو جھنجھوڑ کر جگایا اور اپنے سینے سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

۸

"پورنما" کی شوٹنگ بڑی گھن گرج سے شروع ہوئی۔ گانوں کی ریہرسل ہو رہی تھی۔ منگلا بڑی دھن سے لگی ہوئی تھی۔ بس یہی دن تو اس کی اصل اہمیت کے ہوتے تھے جب وہ منگلا ہوتی تھی، صرف دھرم دیو کی پتنی ہی نہیں۔ ایک عظیم فن کار جس کی آواز کا جادو دھرم کی بہت فلموں کی جان تھا۔ ان میں سے دو چار تو شاید بغیر گانوں کے سسک کر دم توڑ دیتیں۔

"آنٹی، دھرم نے مجھے میرے بارے میں طے کیا؟" جب وہ بیاہی گئی تھی تو مزید بارہ تیرہ برس کا لڑکا تھا۔ پڑوس کے ناطے آنٹی ہی کہتا تھا۔ دفتر میں دھرم کو انکل کہنا چھوڑ دیا تھا مگر وہ تو آنٹی تھی۔

"کیوں کیا ابھی کانٹریکٹ نہیں سائن کیا؟"

"مجھے کانٹریکٹ کی پرواہ نہیں، میں کاسٹیوم کی ناپ کے لئے روز آتا ہوں۔ کیشو جی روز ٹال دیتے ہیں، نہ وگ کا ٹرائیل ہوا۔ کیا دھرم جی بھی اس میں کوئی رول کر رہے ہیں؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اسے ٹال کر سیٹ دیکھنے چلی گئی۔ حویلی کا سیٹ لگ رہا تھا۔ ہیروئن کا ایک دکھ بھرا گانا برتا تھا ٹرائیں ریکارڈنگ ہو چکی تھی۔ دھرم اُس سے مطمئن نہ تھا۔ دو دن سے اسی گانے میں کچھ چیند نے تکرار رہا تھا۔

"فریدہ کا نٹریکٹ کب ہوگا؟" اس نے کیشو سے پوچھا۔

"اس سیٹ پر ہیرو کا کام نہیں۔"

"برات تو آتی ہے نا؟"

"دولہا کا منہ پھولوں سے ڈھکا ہوگا کوئی ایکسٹرا بٹھا دیں گے۔"

"اور فریدہ؟"

"بالکل کچرا ہے۔ اس قدر ڈائیلاگ بھولتا ہے۔ بڑا ہو جائے گا۔ رول اس کے بس کا نہیں۔ رحمان سے آج بات کرنے جا رہا ہوں۔"

"ہیرو کے لئے؟"

"نہیں بھوت کے رول کے لئے، بہت اچھا رہے گا۔ اپنے پرنٹ کے ساتھ اس کی اچھی جچتی ہے۔"

منگلا خاموشی سے اٹھی اور موٹر میں بیٹھنے لگی۔

"آپ کو روشن صاحب بلا رہے ہیں۔ شام کو ٹیک ہے گانوں کا۔"

"چلو" اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ اسسٹنٹ ڈھول بجا تکتا رہ گیا، بھاگا کیشو کے پاس گیا۔

"اچھا جاؤ دلستر میں جا کے بھجوا دو۔"

دروازے بند کر کے سکوٹ ہوئی۔ دھرم الگ تھلگ بھولا ہوا بیٹھا تھا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ منگلا کی اکڑ سب کو کھل رہی تھی۔ سیٹ تیار ہو رہا تھا۔ اب اگر اڑچن پڑ گئی تو پھر فلم شروع ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ منگلا کو فون کیا تو معلوم ہوا نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ دروازہ بند کئے دوپہر سے گھر میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ فلش کھیل رہی تھی۔

دھرم نے صاف کہہ دیا وہ ناک رگڑنے نہیں جائے گا۔ بچہ پر نہیں نبتی ہے نانبے۔ زرینہ ناچ کے توڑے سیکھ رہی تھی۔ بیچ بیچ میں کپڑے پہن کر سارے میں دکھاتی پھر رہی تھی۔

پہلے تو کیشو اور رندھیر کو ٹالنا چاہا مگر اڑ ہی گئے تو منگلا بھنا کر نکلی اور خواہ مخواہ برسنے لگی۔

"شریفوں جیسی باتیں کرتے ہو یا دلالی کا پیسہ کھاتے ہو؟"

"بھابی!" رندھیر نے ضبط کر کے بات سنبھالی۔

"تھو" "مجھے بھابی نہ کہو۔ اپنی ماں بہنوں کو گھیر گھیر کر صاحب کا بستر گرماتے ہو۔ تم ہی لوگ۔ اور انہیں ورغلاتے ہو۔ وہ کلموہی تو جا رہی تھی تم ہی اسے اگت پوری سے لوٹا لائے۔ اب جاؤ اسی سے گانے بھی گواؤ۔" وہ اپنے آپے میں نہیں تھی، دہکی کے بھبکے چھوٹ رہے تھے۔ ریتا اسے گھسیٹ کر اندر لے جانا چاہ رہی تھی مگر وہ بری طرح برس رہی تھی۔

"مجھے سب معلوم ہے جیسے تمہاری اپنی بھابی سب جھیل لیتی ہے، مجھے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے۔ وہ ہی جھیلے گی جس نے فارس روڈ بھگتا یا ہو۔ گھر کو سرکار کے عیش کا اڈا بنا رکھا ہے۔ مجھے سب خبریں ملتی ہیں۔ مجھے کاٹ کے اپنی جات برادری والی کو بھرنا چاہتے ہو۔"

اگر اس کی جگہ کوئی دوسری گانے والی ہوتی تو رندھیر اس کا منہ توڑ دیتا۔ وہ اور کیشو چپ چاپ جھپٹ کر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"اب عقل ٹھکانے ہوئی؟" دھرم نے طعنہ دیا۔ "بڑے گن گاتے ہو ہنومتی کے۔"

"بھاڑ میں جائے ستونتی۔ خدا قسم تمہارا لحاظ نہ ہوتا تو۔۔۔۔"
رندھیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"پھر اب کیا رائے ہے؟" دھرم نے اسے سلگا نے کو پوچھا۔

"———" رندھیر نے نہایت غلیظ مشورہ دیا۔ دھرم ہنسی نہ روک سکا۔

"لتا کو فون کرو۔" اس نے کیشو سے کہا۔ "وہ بہت جلدی دھن پکڑ لیتی ہے۔ جب تک سین اور سنت قرآن سے کہو، گانے بعد میں لیں گے۔"

جب گھر پہنچا تو نوکر سیڑھی پر اجاڑ سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس دن پہلی مرتبہ دھرم کو ڈھنڈار گھر بڑا ہی پر سکون معلوم ہوا۔ نہا دھو کر چھوٹا سا پیگ بنایا اور فائیل کھول کر سین دیکھنے لگا۔ اس کی نظر پاس پڑے ہوئے تکیہ پر گئی جہاں منگلا کا سر ہوا کرتا تھا۔ اس نے تکیہ اٹھا کر جھپٹا کے دور پھینک دیا اور

اپنا تکیہ پلنگ کے بیچوں بیچ رکھ کے بڑے اطمینان سے پھیل کر لیٹ گیا۔ اور اسکرپٹ دیکھنے لگا۔

جب وہ لتا کے گھر پہنچی تو وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے دیدی تم نے کیوں تکلیف کی۔ بس میں آ ہی رہی تھی۔ کیسا ہے یہ گیت جو میری ضرورت پڑی۔ ذرا بیٹھو میں ساڑھی بدل کر چلتی ہوں۔" پھر جب اس نے منگلا کا ستا ہوا چہرہ اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو اسے بیڈ روم میں لے جا کر دروازہ بند کر لیا۔

"دیدی!" اس نے پاس بیٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ منگلا اس کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پڑی۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ جو شوہر کی ستائی ہوئی بیوی اس کے پاس اپنا دکھڑے کر آئی تھی۔ فلم لائن میں ہی نہیں، زندگی کے ہر شعبے میں اس قسم کے پھندے پڑ جاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ فلم لائن میں مٹی بڑی پٹتی ہے۔ ان دنوں بس جگہ جگہ دھرم، منگلا اور زرینہ کا ترشول گڑا ہوا تھا۔ اخباروں میں ڈھکے چھپے اشارے چل رہے تھے۔

پرانے زمانوں کی اور بات تھی۔ بھلی بیویاں خصم کی رنڈی کے تلوے چاٹتی تھیں۔ روٹی کپڑے کا سوال تھا نا۔

مرد کی شان تو اسی میں ہے کہ بھنورا بن کے کلی کلی کا مزہ چکھتا پھرے۔ سب ہی پروڈیوسر ڈائرکٹر گھرستی بیویوں کے علاوہ فلمی بیویاں رکھا کرتے ہیں۔ مگر یہ نئے زمانے کی بیوی بڑا دند مچاتی ہے۔ خاص طور پر منگلا جیسی فن کار جو خود اپنی ایک واضح حیثیت رکھتی ہے، سختی پہ ڈٹتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب دوسری بیویوں یا داشتاؤں کا فیشن بھی فلم لائن میں بہت کم ہوتا جا رہا ہے۔ زوردار بیوی ہو تو کمزور رقیب کو مار بھگاتی ہے۔

عموماً جب اس قسم کا بحران بن جاتا ہے تو انڈسٹری بڑے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرتی ہے۔ اگر وہ دوسری عورت کوئی تیسرے درجے کی ایکٹریس ہو تو یار دوست دباؤ ڈالتے ہیں، ڈسٹری بیوٹر اور فنانسر بھی اسے اپنی بزنس کے لئے اہم نہیں سمجھتے، ان کا اثر بھی چلتا ہے، لیکن زرینہ بڑی تیزی سے ابھری تھی۔

اس کی بڑی مانگ تھی۔ دھرم اسی بات پر پھولا ہوا تھا کہ زرینہ پر بہت سی پارٹیوں کا داؤ لگا ہوا ہے اسے بھگانے میں کوئی دلچسپی نہ لے گا۔

مگر اسے خود دار مرہٹن سے پالا نہیں پڑا تھا۔ اس نے منگلا کے آنسو پونچھے اسی وقت میوزیشین کی ایسوسی ایشن کو فون کر کے ارجنٹ میٹنگ طلب کی۔ لتا نے الٹی میٹم دے دیا کہ اگر کسی نے دھرم کے ساتھ کوآپریشن کیا تو پھر اس سے وہ کوئی واسطہ نہیں رکھے گی۔ کوئی بھی سازندہ یا گلوکار منگلا کی حق تلفی نہیں ہونے دے گا۔ یہی نہیں، لتا نے بالکل ایک جال سا تن ڈالا۔ وہ آرٹسٹ، ٹیکنیشین، لیبارٹری، ڈسٹری بیوٹر جو دھرم کا کام کریں گے وہ ان کے ساتھ کبھی اور کسی صورت میں واسطہ نہیں رکھے گی۔

لتا کی انڈسٹری میں جو پوزیشن ہے اسے دیکھتے ہوئے کون ایسا تھا جو دھرم صرف ایک اکیلے پروڈیوسر کی خاطر لتا سے بیر پالتا۔ اگر اسے چھینک آ جاتی تو پروڈیوسروں کے ہاتھ پیر پھول جاتے پھر وہ حق پر تھی ایک عورت کے جائز حق کے لئے جنگ پر آمادہ تھی۔ تب تو اس کی رائے پر فوراً صاد کر دیا۔

دھرم کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ وہ زرینہ کو اپنی دونوں فلموں میں سے الگ کر دے۔ دھرم نے وہ الٹی میٹم اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں ڈالا اور ٹوکری اٹھا کر کھڑکی سے باہر الٹ دی۔

"میں بغیر میوزک کے فلم بناؤں گا۔"

"اور لیبورٹری کا کیا ہو گا۔ آرٹسٹ، اسٹوڈیو کا اسٹاف۔ ۔ ۔ ۔"

"جہنم میں جائیں میں فلم لائن چھوڑ دوں گا۔" دھرم کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔

وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح تلملا کر رہ گیا۔ چاروں طرف سے اس کا گلا دبنے لگا۔ منگلا جیت گئی وہ ہار گیا۔ دھرم دیو جس کے نام کی لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے۔ بیوی کے ایک طمانچہ پر منہ کے بل آ رہا۔ لوگ شرطیں لگانے لگے۔

"دھرم گھٹنے ٹیک دے گا۔"

"وہ زرینہ کو نہیں چھوڑے گا۔"

"زرینہ کی بات نہیں، مرد کی آن کی بات ہے۔"

"اب وہ فلم نہیں بنا سکے گا۔" اس پر رشک کرنے والوں کے ہاں گھی کے چراغ جل اٹھے۔

"ارے سب ٹھیک ہو جائے گا، یہ فلم انڈسٹری کے چکنے گھڑے ہیں اُن پر بوند نہیں ٹھہرتی۔" کسی دل جلے نے کہا۔

مگر سب ٹھیک نہ ہو سکا۔

دھرم نے اس رات دفتر کے پیچھے والے کمرے میں خواب آور گولیوں کی پوری شیشی حلق میں انڈیل لی۔

رندھیر کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ یا خدا یہ کیسی زندگی ہے کسی بات کا بھروسہ ہی نہیں۔ یہاں کوئی کھری بات نہیں کرتا۔ اس کی کہانی اور ساتھ میں ڈائریکشن کی بات چل رہی تھی، کل تک رام لال اس کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا۔ آج گھاس نہیں ڈال رہا ہے۔ اُٹھتے کے پیروں میں سب لٹک جاتے ہیں، جو اوندھے منہ گرے تو اس پر سے پھلانگتے ہوئے نکلے چلے جاتے ہیں۔ رام لال اس لئے مسکا مار رہا تھا کہ دھرم کے ہاں سے سہارا ہے ہی۔ دھرم آسانی سے کام دے سکتا ہے۔ قسطوں پر بننے والی فلمیں مستقل کو آپریشن پر ہی چل سکتی ہیں۔ اب دھرم کا تختہ الٹ گیا تو رندھیر رعایت نہ کر پائے گا۔ پہلے رندھیر کو منگلا پر طیش آ رہا تھا۔ اب دھرم پر غصہ آ رہا تھا۔ سوچا چلو اس کا ہی جی جلائیں وہاں وہ کمبخت موت کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اسی وقت بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایمبولینس آئی تو منگلا ننگے پیر بال کھولے موٹر سے بدحواس اتری اور اس کے سرد پیروں سے آنکھیں مل کر اپنی قسمت کو رونے لگی۔ صبح تک دھرم کو ہوش نہیں آیا۔ موت ٹل گئی۔

منگلا اس کے پیروں پر سر رکھے سسکیاں بھرتی رہی۔ ہائے اس نے اپنے پتی کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا۔ اپنی جیت اس کے گلے میں ویسے ہی پھانسی جیسی لگ رہی تھی۔ کچھ خالی خالی سی بیٹھی تھی کہ نون پہنچا۔ اس کا کلیجہ پھٹ گیا۔ ہائے اس کا دھرم، اس کے بلو اور جنٹو کا بابا! وہ جس کے ساتھ ہنس مکھ جیتے اس آلے والے املی کے درخت کے نیچے آنکھوں میں رس بھر کے سپنے دیکھے تھے جس کی موتیوں والی نشہ آور مسکراہٹ اب بھی جی لوٹ لوٹ ڈالتی ہے۔ وہ بیاہ کے پہلے ہفتہ والا رنگین مزاج دیوتا، بھرپور عاشق جس نے نینی تال کی ٹھنڈی ٹھنڈی راتوں میں انگ انگ میں آگ بھڑکا دی تھی۔ آج موت کی چاہ میں سب کچھ تج کر جا رہا ہے۔

جب وہ کچھ بھی نہیں تھا ایک معمولی اسسٹنٹ تھا تو ایک ڈائرکٹر نے اُسے بے بات جھڑک دیا تھا تو منگلا کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ اسے کوس کوس کر آنسو بہاتی رہتی تھی۔

"اس نے تمہاری ذلت کی، بس چلے تو اس کا خون پی جاؤں۔"

پر آج وہ خود اپنی کشتی ہی اس کا لہو پی رہی تھی۔

"اگر وہ دوسری پر ریجھا ہے تو اس کی سزا موت تو نہیں۔ وہ کسی کا بھی ہو کر رہے زندہ تو رہے۔"

"منگلو!" دھرم نے اسے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا تو بے چین ہو گیا۔

"ادھر آؤ۔" وہ سسکیاں بھرتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔

"مجھے معاف کر دے منگلو......" دھرم نے اس کے آنسو چوم کر کہا۔

"نہیں، سارا دوش میرا ہی تھا۔ تم......"

"میں نے کمینہ پن کیا منگلو، میں بڑا پتت ہوں۔"

"نہیں تم بھولے ہو، میرے کان بڑے کچے ہیں۔ رتنا چڑیل نے بہکا دیا۔" منگلا نے اپنے بچاؤ کا راستہ ڈھونڈا۔ "مجھ پہ بھوت سوار ہو گیا تھا۔ تم جو مجھے معاف کرو تو بیچ میں نہیں بولوں گی۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

خواب آور گولیوں کا معاملہ دبا دیا گیا۔ بدہضمی کے سر بات گئی۔ زرینہ ڈیرہ بھیجوں سے گزری۔ بالکل مسکراتی ہوئی۔ اس کی اماں نے صدقہ بھیجا۔ امینہ باندی نے ایک تعویذ باندھ گئی۔ منگلا اس وقت رندھیر کے سامنے ہاتھ جوڑے رو رہی تھی۔ "بھیا، اب تم مجھے معاف کر دو۔ نہ کیا تو میں مر جاؤں گی۔ آگ لگے میری زبان کو نہ جانے غصے میں ایسی بے تکی کیوں ہو جاتی ہے۔" وہ سر جھکائے رو رہی تھی۔

"ارے دیوانی رشتے میں تو بیٹا ہوں سوچو تو مار تو بھی سکتی ہو کہیں برا نہیں کروں گا۔"

رندھیر نے اپنی کوئی آنے والی ہٹ کہانی کے لئے یہ مکالمہ یادداشت کی ڈائری میں محفوظ

کرلیا۔" مگر دیکھو ایک بات صاف ہونی چاہیئے۔ دھرم جی کی بہت کرکری ہوئی ہے۔ اب اگر وہ اس ٹریل کو نکالتے ہیں۔ تو ساری انڈسٹری قہقہے اڑائے گی اور وہ کہیں سر اٹھا کر نہ چل سکیں گے۔ آرٹسٹ کی خودداری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ سیٹھ پرسان کی کیا پوزیشن رہ جائے گی۔ اب اس بات کو دبانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ ہیرو، جڑیل ہیروئن اور گانے آپ کے۔ تب ہی انڈسٹری کے منہ پر طمانچہ لگے گا۔ کام بالکل ایسے ہی ہو جیسے پچھلی فلموں میں ہوا کرتا تھا۔

منگلا خاموش رہی۔

"ایک بات اور، آپ نے بالکل دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ اسٹوڈیو آنا بند ہی کر دیا ہے۔ آپ اسی پابندی سے آتیے۔ آپ رہیں گی تو سانپ کو پھن اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ وعدہ کیجئے کہ آپ بلا ناغہ آئیں گی۔"

"آؤں گی۔" منگلا نے وعدہ کیا۔

"بات بہت بڑھ گئی۔ ورنہ ایسی کوئی وہ کوہ قاف کی پری نہیں۔ دھرم بہت ضدی ہے۔ یہ آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ آپ نے اس پر پہلا دھبہ شبہ کیا۔ ہم ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والے ہیں۔ ہنسنے بولنے میں ایسی کیا خرابی ہے۔ سیٹ پر کوئی منہ میں تالا ڈال کر نہیں بیٹھتا۔ اور بھابی سچ کہتا ہوں آپ کے سامنے وہ ہے کیا۔ دھرم کا ٹیسٹ اتنا گرا ہوا نہیں۔" بغیر ارادہ ایک کے بعد دوسرا جھوٹ اس کے منہ سے نکلتا ہی چلا گیا اور منگلا جو ویسے ہی بجھی ہوئی تھی یقین مان گئی کہ دھرم پر اس نے بہتان لگایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دل بستگی ہو مگر معاملہ اتنا تو نہیں بڑھ گیا جتنا تیاتے نے پہاڑ بنا کے اسے ڈرا دیا۔ شام کو اس نے دو بنارسی ساڑھیاں اور ایک فیروزے کا سیٹ دتو کو بھجوا دیا۔

جب وہ گھر پہنچی تو امینہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔

"بیٹھو!" اس نے بے ڈھنگی آیا سے لیا بچوں کو اوپر لے جاتے دیکھا "اماں تو اچھی ہیں؟"

"جی ہاں۔" امینہ کی آواز بجھی ہوئی سی تھی۔ "ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"کہاں..... کیوں؟"

"حیدر آباد..... میرا بھائی ہے چوہدرہ۔ وہاں سے یہ آکر فلیٹ وارڈر کا کچھ کریں گے۔"

"کیا کہہ رہی ہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے اور زرینہ....."

منگلا نے مجرموں کی طرح پوچھا۔

"ہاں یہ دیکھئے تین ٹکٹ ابھی سیدھی لے کر آرہی ہوں۔ سونے کی سیٹ ایک ہی ملی، اماں کے لئے، ہم تو ویسے بیٹھ کر بھی رات گزار دیں گے۔" امینہ نے تھرڈ کلاس کے ٹکٹ بٹوے سے نکال کر دکھائے۔

"دیکھوں؟" منگلا نے ٹکٹ لے لئے۔ "تو کام نہیں کرنا؟"

"دیدی، دھرم جی کے اور آپ کے ہم پر جو احسان ہیں ہم چاہیں بھی تو ان کا بدلا نہیں چکا سکتے۔ مگر اب انڈسٹری میں جو گند اچھل رہی ہے اسی کو جھیلنا بھی ممکن نہیں۔ دھرم جی جیسے شریف انسان کو بھی نہ چھوڑا۔ آپ تو ذرا اتنی سمجھدار ہیں دھرم جی پر اعتبار ہے، باہر جہاں کام کرے گی وہاں کون سمجھے گا اور ہم جیسے یار و مددگار عورتیں کس کس کا منہ بند کریں گی۔ آج آپ کا دل صاف ہے کل آپ کے ہی کوئی کان بھر دے۔ ہم آپ ہی لوگوں کے بھروسے پر آئے تھے۔ کوئی ماموں، چچا بھائی ہی ہوتا تو بھی غنیمت تھا، مگر ذرا سوچئے ہمیں زندہ چھوڑے گی یہ انڈسٹری۔"

"ارے خاک ڈالو انڈسٹری پر۔" آئی گئی سب انڈسٹری پر تھوپی جانے لگی۔ "بکنے دو بکنے والوں کو۔"

"میرے خیال میں تو چلے جانا ہی اچھا ہے۔ بڑا ڈر لگتا ہے۔ کوئی گلا کٹوا دے تو.....۔"

"ارے ہٹو، مجال ہے کسی کی جو گلا کٹوا دے۔ تمہارے جی میں نا پھر کاہے کا ڈر۔"

"وہ تو تنتناتے بھاگے۔ مجھ سے یہ گند نہیں سمیٹا جائے گا۔ کہتے ہیں طلاق دے دوں گا۔ آپ بتائیے کیا بیمار ماں کو چھوڑ دوں۔" امینہ نے آنسو پونچھ کر کہا۔

منگلا کا بھی جی بھر آیا۔ اپنی حماقت پر خود کو کوسنے لگی۔

"کوئی جانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیئے۔

"سیٹھ اتنے دن سے کھڑا ہوا ہے۔ پانچ سال کا کانٹریکٹ توڑ کے بھاگ رہی۔ دماغ چل گیا ہے۔"

ٹکٹ پھاڑنے کی خبر انڈسٹری نے ہاتھوں ہاتھ لپک لی۔

"چکے گھوڑے۔" پاگل بولا۔

۹

دھرم اچھا ہو کر گھر آ گیا۔ برامدے میں جنٹو کی گاڑی اور ننھے منے جوتے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس نے جوتے اٹھا لیے۔ ڈرائنگ روم کی اجلی دیوار پر بیلو کے میلے ہاتھ کے نشان پر اس کی نگاہیں جم گئیں۔

ہاتھ میں جنٹو کے جوتے لیے وہ دروازے کے بیچ میں کھڑا رہا۔ منگلا تکیہ پر اجلا غلاف چڑھا رہی تھی۔ دو بچوں کی پیدائش کے بعد بھی آج دونوں اجنبی تھے۔ بڑی عمر ہو جنٹو کی وہ بری طرح چنگھاڑتا ہوا داخل ہوا۔ دونوں ایک ساتھ لپکے اور بچوں کو اٹھاتے اٹھاتے دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں سما گئے۔ سانسیں الجھ گئیں اور ہاتھ پیر بے قابو ہو گئے۔ جنٹو اس نئے ڈرامے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگا۔ آیا بیلو کو بھی لے آئی۔ منگلا نے جنٹو کو سمیٹ لیا اور اسے دودھ پلانے لگی۔ ساڑھی اوڑھ کر کروٹ سے لیٹ گئی۔ رات کو ایک وقت وہ اسے اب بھی اپنا ہی دودھ دیتی تھی۔ دھرم نے بیلو کے اونگھتے ہوئے سر کو کندھے سے لگا لیا اور ٹہلنے لگا۔ موت کے ادھ کھلے دروازے سے جھانک کر جو کچھ دیکھا وہ دھرم کو ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔

دھرم نے سوئے ہوئے بیلو کو اس کے پلنگ پر سلا دیا اور آ کر منگلا کے پاس بیٹھ گیا۔ آنچل اٹھا کر اس نے بھوکے جنٹو کے مشتاق ہونٹوں کی جنبش دیکھی اور مسکرا اٹھا۔ منگلا نے سسکی بھری اور دھرم کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں پر

رکھ لیا۔ دھرم نے جھک کر بیٹے کے ہونٹ چوم لیے۔

کبھی پشیمان بیوی محبوبہ کا غم بھلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

شوٹنگ بڑے زور شور سے شروع ہو گئی۔ نام ست نرائن کا تھا مگر سارا کام دھرم اور رندھیر ہی کیا کرتے تھے۔ صرف اسٹارٹ اور کٹ ست نرائن کہتے تھے۔ یہ بات بھی انڈسٹری میں پھیلی ہوئی تھی۔ ست نرائن جب دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹھرّا پیتے تو دھرم اور رندھیر کو موٹی موٹی گالیاں دیا کرتے۔ مگر بندھا مار کھاتا ہے۔ انھیں امید تھی کہ پکچر ہٹ ہو گئی تو پھر دو تین چانس مل ہی جائیں گے۔ یہ انڈسٹری بڑی سیانی بنتی ہے۔ سپرہٹ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔

دھرم دیر فلمز کے اسٹاف نے طے کر لیا کہ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے پھر کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے گی کہ دھرم اور منگلا کی ان بن ہو جائے۔ زرینہ کی ماں کی بیماری کو ایک شاندار ریہ بنا لیا گیا۔ موقع بے موقع ان کی طبیعت کی خرابی کے فون آنے لگے۔ امینہ اور اس کا شوہر امداد سائے کی طرح زرینہ کے ساتھ لگے رہتے۔ امداد کاٹھ کے الو کی طرح بیٹھا رہتا تھا۔ اس کا جی بہلانے کے لیے زرینہ کے منیجر کا عہدہ دے دیا گیا۔ اور وہ بھی اس کا پیسہ وصول کر کے شوٹنگ کی تاریخیں طے کر کے خاصا اہم محسوس کرنے لگا۔ ویسے ایکسٹرا چھوکریوں سے بھونڈے مذاق کیا کرتا۔ اس پر امینہ بکھرنے لگی۔ تو زرینہ کو اسے چھوڑنا پڑا۔ ایک عجیب چکر چلانا پڑتا ہے اس قسم کی سیاست کو جمانے کے لیے اور کمبختو کے ہاتھ میں سب کی نگاہیں تھیں۔

ان سب چند دن کے بعد بھی منگلا کی ڈیوٹی فل ٹائم تھی۔ دن میں کئی بار فون کرنا، کھانے کا بکس لے کر آنا، اپنے ہاتھ سے دھرم کی پلیٹ سجانا، شوٹنگ ختم ہوتے ہی سینڈوچ اور گرم کافی لے کر سیٹ پر پہنچنا۔ اگر شوٹنگ رات تک کھنچ جاتی تو ساری ساری رات جاگنا۔

"آج کھانا زرینہ کے ہاں بریانی کھائیں گے"، منگلا کہتی۔ جھٹ زرینہ کو فون کر دیتی۔ دھرم، منگلا، رندھیر اور کشو پہنچ جاتے۔ خوب گپیں چلتیں، رمی میں بازی ہوتی۔ رات گئے تک ترپ چال چلتا۔ دھرم اور رندھیر ... میں الجھ جاتے یا کچھ چپکے ملانے کا پروگرام بن جاتا تو منگلا زرینہ کے ساتھ ہی باقی

بیٹھی امینہ کے ساتھ تاش کھیلا کرتی۔ زرینہ کسی کونے میں دبک کر سو جاتی۔

"روپ نما" جب شباب پر آئی تو سوئے ہوئے سانپ نے پھر پھن اٹھایا۔ اس پہرے داری سے شاید آگ بجھی تو نہیں بھڑک اٹھتی رہتی۔ دھرم کی دیوانگی بڑھنے لگی، بڑے مقبول سین ہوتے۔ بھول میں دبی چنگاریاں چٹخنے لگیں، شعلے لپکنے لگے بدن گرما کر سلگنے لگا۔ دماغ پھٹنے لگا۔ گھٹن اور پاگل پن نے تیل کا کام کیا۔ دھرم بالکل بجھے ہوئے دل کی طرح ریتلا چھوکرا بن گیا۔ سیٹ سے زیادہ دفتر یا منگلا کی آغوش میں۔ آہیں بھرتے، موت کے دروازوں سے سر پھوڑ کر۔

عجیب وحشت ہوتی جب ختم کرنے کے بے دھرم نے ایک دم "ٹوٹے خواب" پر کام شروع کر دیا جس میں یہ کہانی بنانے کا کہہ دیا۔ سب نے بہت سمجھایا مگر اس نے ایک نہ سنی۔ خبیث "روپ نما" کی رپورٹ اچھی تھی بزنس اچھی ہو رہی تھی۔ اور اسے کون روک سکتا تھا۔ منگلا نے بھی حمایت کی۔ شاید خود ڈائرکشن نہ کرنے کی وجہ سے اتنی وحشت ہے۔ بجائے اس سے تو جان ملے گی۔ بجلی کی سرعت سے فلم بننے لگی۔

"ٹوٹے خواب" کی کہانی بالکل دھرم کی اپنی زندگی کی کہانی تھی۔ ایک کامیاب فلم ڈائرکٹر کی کہانی تھی جو اپنی زندگی کی یکسانیت سے اکتا گیا تھا۔ اسے ایک معمولی سی لڑکی مل جاتی ہے۔ وہ اسے کامیاب ہیروئن بنا دیتا ہے۔ اس کی بیوی درمیان میں آ جاتی ہے۔ اور وہ لڑکی سب کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ ڈائرکٹر ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے بھول جاتے ہیں، مگر وہ کھوئے کھوئے خواب ڈھونڈنے اسٹوڈیو میں آتا ہے۔ کوئی اسے نہیں پہچانتا اور دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ وہ چھپ کر اسٹوڈیو میں گھس جاتا ہے۔ جبکہ وہاں کوئی نہیں۔ گزری ہوئی زندگی یاد آتی ہے۔ اور وہ اکیلے تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔ اور ایک پرانا مزدور اسے پہچانتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا بہت عظیم ڈائرکٹر تھا۔

فلم چند مہینوں میں مکمل ہو گئی۔ سوائے دھرم کے اس میں کسی کو کچھ نظر نہ آیا اور فلم ہر جگہ بہت بری طرح ناکام ہوئی۔

ناکامی ہی دھرم کو اصل کامیابی معلوم ہوئی۔ اس کردار میں وہ ایسا ڈوبا کہ ابھر نہ سکا۔ بالکل اس بدنصیب ڈائرکٹر کی طرح مردہ اور مفلوج ہو گیا۔ اس کے

دماغ اسے جھنجھوڑ کر یاد دلانا چاہتے تھے کہ وہ زندہ ہے مگر اس کا یقین ختم ہو چکا تھا۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ کر زرینہ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ گو وہ اب اس کی تمنا کو بھی دفن کر چکا تھا۔

اسے جگانے کے لئے سب ہی ٹونے ٹوٹکے کئے۔ رندھیر نے اس کی ملاقات ایک ایسی عورت سے کروائی جس کے بارے میں سنا تھا کہ مردوں میں جان ڈال دیتی تھی۔ کتنی لڑکیاں ہر سال فلم کے چکر میں پھنسی آتی ہیں۔ آسمان کی بلندیوں کو چھونے کے بجائے اٹھائی گیروں کے ہتھے چڑھ کر ہوٹلوں کی رونق کا سامان بن جاتی ہیں۔ پدما بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔ اب وہ فلمی طوائف کہلاتی تھی۔ نام کو فلموں میں کام کرتی تھی۔ میل جول بھی انھیں سے تھا۔ سیٹھ لوگوں کو پھانسنے کے لئے بطور چٹکلی استعمال کی جاتی تھی۔ ذرا عمر آ جائے گی تو اپنی "چھوٹی بہن" کو بلا لے گی۔ ویسے بھی اس کے یہاں اس قدر مجمع رہتا ہے کہ وہ اپنی سہیلیوں کو اپنی مدد کے لئے بلاتی رہتی ہے۔ بھورت پارٹیز پر جشن منانے عموماً لوگ اسی کے ہاں جمع ہوتے ہیں۔

پدما نسوانیت کا انبار ہے، اس کے کئی عاشقوں نے اسے فلم میں ڈالا مگر اس کا چہرہ کوئی کیمرہ قابل قبول نہیں دکھا پاتا اور اس کے دلچسپ اور چٹخارے دار زاویوں پر سنسر کی قینچی چل جاتی ہے۔ دھرم دیو پدما کے فلیٹ کی دھما چوکڑی دیکھ کر جی اٹھا اس کی ساری پھپھوند کھرچ کر پھینک دی۔ وہ اس کے فلیٹ میں دین دنیا کا غم بھلائے ہفتوں پڑا رہا۔ دھڑکن بے دم سی لگنے لگی تھی۔ مگر پدما کی زنبیل میں اور بھی معجزے پوشیدہ تھے، کبھی بھنگ، کبھی چرس، افیون بھی۔ کچھ دن میں زندگی مسلسل چٹخارہ بن گئی۔ دھرم کو عام فلم کے لوگوں کی طرح بے خوابی کی تکلیف تھی، مگر پدما نے ثابت کر دیا کہ یہ بیماری نہیں نعمت ہے سونا اور مرنا برابر۔ جاگتے وجود کا ہر لمحہ سمیٹ کر پی جاؤ، یہی زندگی ہے۔ باقی موت!

منگلا جو زرینہ پر پہرا ڈال کر مطمئن تھی اس کے فرشتوں کو بھی اس وقت پدما اور اس کی سہیلیوں یعنی چرس اور بھنگ کا پتہ نہ تھا۔ وہ تو اپنی دانست میں پتی دیو کو نرک سے نکال لائی تھی۔

ڈبل بیڈ میں خواب آور گولیوں کی لت بھی اسے پدما کے حضور میں لگی۔ زرینہ سے وہ بے توجہ تھا یا بنا دیا گیا تھا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ جنوں

سے نجات مل گئی تھی۔ بیداری پر پہرہ تھا مگر خوابوں پر روک ٹوک نہیں تھی کہ یہ خواب ہی اس کی زندگی کا ماحصل تھے۔ اگر زرینہ اس کے خوابوں سے کنارہ کشی کرتی تب ہی تو اس کی بے وفائی کا گلہ ہوتا۔ پدما کے میل جول کی خبر منگلا تک پہنچی۔ دھرم کی غیر حاضریوں سے تھک کر پھر اس نے پینا شروع کر دیا۔

"کیوں جاتے ہو اس گندی بیسوا کے ہاں؟"

"بس وقت گزر جاتا ہے۔"

"یہاں جی نہیں لگتا، وہاں لگ جاتا ہے؟"

"نہیں وہاں بھی نہیں لگتا، ہنگامے میں کچھ پتہ نہیں پڑتا۔"

"آخر جی کیوں گھبراتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" وہ احمقوں کی طرح مسکرانے لگا۔ اسے وہسکی میں خواب آور گولیاں استعمال کرتے دیکھ کر منگلا نے بھی نسخہ آزمایا۔ کچھ دن بڑی شاندار نیند آئی پھر ان کا اثر بھی دھیما ہونے لگا۔

"پورنما" سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بست نرائن پرانا چابکدست ڈائرکٹر اس مزے سے سین جما رہا تھا کہ پروگرام میں کوئی ہلچل نہ ہو۔ حتی الامکان دونوں کا علیحدہ کام بڑی تیزی سے ختم کر دیا۔ ایک دن پدما کے ہاں شکیلہ بانو کی قوالی تھی۔ محفل پورے شباب پر تھی۔ پدما بے حیائی کا مرقع بنی اونگھتے ہوئے جذبات کو جھنجھوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دھرم باوجود اس ہنگامے کے اکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ وہسکی پانی ہو چکی تھی۔ اس نے جیب سے خواب آور گولیوں کی شیشی نکالی۔ ہاتھ ہلا اور چند گولیاں ضرورت سے زیادہ پڑ گئیں۔ دھرم نے انگلی سے پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ گھل گئیں۔ اونھ کیا فرق پڑتا ہے۔

اگر اس وقت کیشو نہ آ جاتا تو دھرم داس کی کہانی اسی دن ختم ہو جاتی۔

"زرینہ کی والدہ کا ہارٹ فیل ہو گیا۔" کیشو نے کہا۔

دھرم کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ پڑا اور وہسکی قالین میں غائب ہو گئی۔

جب وہ پہنچا تو منگلا پہلے سے موجود تھی اور زرینہ کو چھاتی سے لگا کے تسلی دے رہی تھی۔ دھرم نے زرینہ کے سر پر آہستہ سے ہاتھ رکھا اور بے بسی سے واپس مڑ گیا۔

دھرم کو تو بہانہ مل گیا۔

"بتاؤ یہ فلم بڑی منحوس ہے نا" مگر اسٹاف کی ساری امیدیں اس فلم سے وابستہ تھیں۔ بست نرائن بھی بالکل بجھ گئے۔ زرینہ بھی اپنا غم بھول کر تیار ہو گئی۔ کچھ کامیڈین کا کام کچھ آرٹ ڈائرکٹر کا ہوا جس میں زرینہ کا کام نہیں تھا۔

خدا کی قدرت دیکھئے وہی انیل جسے دھرم نے اپنی فلم سے اس بے رحمی سے نکالا تھا زرینہ کی فلم میں چمک گیا۔ فلم تو نا کامیاب نہیں ہوئی لیکن انیل کی قیمت ایک دم چوٹی کے ہیرو کے قریب پہنچ گئی۔ پھر اس کی ایک سال میں دو عدد فلمیں سپر ہٹ ہو گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ رتی کی صف چھوڑ کر دلیپ اور دیو کی قطار کے پاس آ گیا۔ اس نے اپنی ذاتی کمپنی کھڑی کر لی اور اپنی فلم کے لئے ادھر ادھر کوئی لڑکی نہیں بس زرینہ ہی اسے چاہیے تھی۔ اس نے کیشو سے بات کی۔ وہ دھرم سے سفارش کرنے کا وعدہ کر کے ٹال گیا۔ مگر اسے یاد آیا کہ زرینہ کا کانٹریکٹ ختم ہونے والا ہے نیا کانٹریکٹ ہو جانا چاہئے۔

"ابھی کیا جلدی ہے پانچ سال کا ہے کانٹریکٹ۔"

"اکتوبر میں پانچ سال ہو جائیں گے۔"

"پانچ سال۔" اس نے کانٹریکٹ دراز میں ڈال دیا۔ ہاتھ کے اشارے سے کیشو کو ٹال دیا۔

"پانچ سال۔" ابھی کل ہی تو اس نے تیلگو فلم میں دیکھا تھا۔ سوکھی پیاسی بالکل بچی لگتی تھی۔ ایک دم زرینہ جونک بن کر کلیجے کو مسوسنے لگی۔ اس کا ذہن مفلوج ہونے لگا۔ بیزاری سے وہ میک اپ روم میں ٹہلنے لگا۔ بڑی مشکل سے بنا ٹھہرا۔

سیٹ پر آج سناٹا سا لگ رہا تھا۔ روز تو جھگڑے ابھرے رہتے تھے۔

"یہ پھول کیسے ہیں، کیا کوئی سالگرہ کا سین ہے؟" دھرم نے پھولوں کی ٹوکری کو پیر سے ٹھکرا دیا۔

"جی [illegible] بست نرائن بولے۔

"[illegible] ہوا؟"

"جی، آج منظور کی سہاگ رات ہے، مچھلی رات۔" سب ہنسنے لگے۔

دھرم کچھ شرما کر ہنس دیا۔ بڑے مزے کی بات تھی کہ آج وہ پہلی دفعہ فلم میں دولھا بن رہا تھا۔ ”ارے یہ گھوڑے کو چناؤ رنگ یاد دلھا کو“ اس نے بوجھل سہرا اٹھا کر ہاتھ میں تولا۔

”بے چارے گھوڑے کے یہ کہاں نصیب“ سب نے پھر قہقہہ مارا۔۔۔۔

بڑا معرکے کا سین تھا۔ رندھیر اسے بار بار سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دھرم کو موڈ ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ سیٹ پر پہنچا تو زرینہ سر میں کریم لگاتے جانے کی شرکیاں لگا رہی تھی۔ پاس انیل بیٹھا تھا۔ دھرم کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”ہلو ہلو انیل، کہو کیسے ہو؟“ دھرم بڑے تپاک سے ملا۔

”آپ کی دعا ہے، آج تو آپ خوب جچ رہے ہیں۔“ دھرم سرخ ہو گیا۔

”بھئی کمال ہے دلہن سے زیادہ تو دولھا شرما رہا ہے۔“ انیل ہنسا

”کیا یہ شرٹ ضروری ہے، ست نرائن جی، یہ سہرے کی بڑی نیکلس ہے۔“

”سہرا باندھنا نہیں ہے، انٹری کے وقت اتار دیں گے۔ ادھر صوفے پہ ڈال دیا جائے گا۔“

”اور پگڑی؟“ زرینہ نے پگڑی اٹھا کر اپنے سر پہ رکھ لی ”میں پہن لوں ست نرائن جی؟“ وہ ہنسی۔

”مار کھانے کا ارادہ ہے کھل جائے گی، رکھ دے۔“

دھرم رندھیر کے پاس جاتے جاتے چلا گیا۔

”شوٹ تیار ہے ریہرسل اور ٹیک“ ست نرائن آج فل یا نیچ لئے ہوئے تھے۔

پھولوں کی سیج پر زرینہ شرم سے جھکائے بیٹھی تھی۔ دھرم کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ باریک شفاف کے سنہرے جال کے دوپٹے میں اس کی جسامت بوجھل آنکھیں اور لرزاں ہونٹ ہوش و حواس پہ بجلی گرانے لگے۔ یہ ایک فلم کا شوٹ تھا یا اس کے بے رحم خوابوں کا دھندلا سا عکس۔ وہ بار بار بھول جاتا کہ وہ ایکٹنگ کر رہا ہے۔ ست نرائن کا چلاتے چلاتے حلق خشک ہو گیا۔ لائٹس اون — لائٹس آف۔۔۔

۔۔۔۔ ری ٹیک۔۔۔۔ کیا قیامت ہے، کوئی مشکل بات نہیں، بس دلہن کا گھونگھٹ اٹھا کر دولھا کو کہنا ہے۔

”آنکھیں تو کھولو میری جان!“ لائٹس اون ———— لائٹس آف!

”جان تو کھو“ کٹ کٹ

”گھونگھٹ تو آنکھیں“ کٹ۔

”جان تو گھونگھٹ ——— کٹ کٹ

”ست نرائن جی یہ۔۔۔۔ یہ جان بدل دیجئے“ دھرم نے چڑھ کر کہا۔

”مطلب جان نکال دوں؟ ارے بھائی رندھیر کدھر اونگھ رہے ہو یہ جان نکالو“ ایک قہقہہ پڑا۔

”بھئی ونرسٹر کو چلتا کرو“ دھرم نے چپکے سے کیشو سے کہا۔

”اور کوئی نہیں انیل اور ان کے مینجر سریش ادھر بیٹھے ہیں۔ زرینہ کے کانٹریکٹ کے لئے آئے تھے۔“

”ان سے کہہ دو ہو جائے گا“ کیشو لپک کر آیا ”وہ ٹھیک ہے ہو جائے گا۔“

”تھینکس“ انیل نے اس کا ہاتھ بڑے خلوص سے دبایا۔

”بس اب اطمینان رکھو، ہو جائے گا“ کیشو نے اسے باہر کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو کیشو صاحب، بہت بہت شکریہ۔ ڈیلیس کی جلدی نہیں۔۔۔ ۔۔۔۔ مجھے تو بزنس کے لئے بس پکا کرنا تھا۔“

انیل کے جانے کے بعد ذرا حواس درست ہوئے تو کیمو نخرے کرنے لگا۔ انیل سے کانٹریکٹ کے پکے وعدے سے زرینہ کا جی کھل اٹھا تھا۔ دھرم کو پلنگ کے پاس آتا دیکھ کر اٹھنے لگی۔

”بیٹھو بیٹھو“ وہ تکیہ گھسیٹ کر نیم دراز ہو گیا۔ ”کیا شوٹ اڑا ہے؟“

زرینہ مسکرا کر اپنی چوٹی سے کھیلنے لگی۔

”اتنا سا ڈائیلاگ ہے، زبان پر نہیں چڑھتا؟“

”کیوں؟“ زرینہ نے کچھ نہ کہنے کو پا کر کہہ دیا۔

”اس لئے کہ جو دل میں ہوتا ہے ہونٹوں پہ آتے ہوئے لرزتا ہے۔“

زرینہ نے نئی دلہنوں کی طرح چور نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"اِسے..... ادھر دیکھو!" دھرم نے اس کی ٹھوڑی دو انگلیوں سے اوپر اٹھائی۔

زرینہ نے منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ دھرم نے ہاتھ ہٹایا تو ایک آنسو ڈھلک کر رخسار پر بہنے لگا۔ دھرم نے ایک دلدوز آہ کھینچی اور زرینہ کا ہاتھ اتنے زور سے پکڑ کر اس کی انگلیاں کڑکڑا گئیں۔

"چاند..... چاند....." دھرم نے اس کا چھوٹا سا سرد ہاتھ اپنے اچھلتے ہوئے دل پر رکھ لیا۔

"بیوٹی فل!" ست نرائن اچھل پڑے۔ دھرم جلدی سے سنبھل گیا! "ارے زندھیر، یار بے گولی مارو سالے ڈائیلاگ کو بھئی ہم تو مر گئے بوڑھے جو نوجوانوں کو سوجھتی ہے۔ سالی اپنی سہاگ رات تو یاد بھی نہیں رہی۔ کیوں زندھیر، یہ کیسا پوز رہے گا۔ دولہا آتا ہے۔ کچھ جاں وان نہیں ہوتا۔ یوں لیٹ جاتا ہے۔" انہوں نے دھرم کو لٹاتے ہوئے کہا۔

پھر لائنیں بدل گئیں۔ وہ ٹریجیڈی سین جو اس دن ہوا دیکھنے والوں پر نشہ چھا گیا۔ وہ رکے رکے سے جملے بار بار لکھے گئے۔ پھر بدلے گئے۔ ست نرائن جی کی باچھیں یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

دوسرے دن سین کی دھاک ساری انڈسٹری میں پھیل گئی۔ دونوں نے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا۔

صبح کے دھندلکے میں جب میک اپ ہو رہا تھا تو دھرم نے میک اپ روم کی طرف جاتی ہوئی زرینہ کا ہاتھ چھوا۔ وہ انھیں کپڑوں میں مڑ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ دھرم اسے اوپر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر رات بھر کا مرجھایا ہوا سہرا اٹھا کر تھکی ماندی آنکھوں میں پیار کی شمعیں جلا کر اپنے پرائیویٹ کمرے میں داخل ہوا تو اندھیرا گُپ تھا۔

"چاند..... چاند" اس نے بھرے ہوئے گلے سے پکارا۔ دیوان کے پاس کا لیمپ ایک دم جل اٹھا۔ منگلا اس کا ڈریسنگ گاؤن پہنے اسی وقت بیٹھی تھی۔ وہ جھجک کر پیچھے ہٹا تو کسی سخت چیز پر پیر پڑا۔ جھک کر اٹھایا تو دلہن کی کاسٹیوم کا جھمکا پچکا پڑا تھا۔

۱۰

اگر چینی کا برتن چٹخ جائے تو صاف بال نظر آتا ہے۔ مگر جب انسان کا وجود کچے گھڑے کی طرح بیٹھ جاتا ہے تو مادی نظروں کو کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ دھرم کے وجود کے تین ٹکڑے ہو چکے تھے۔

ایک تو وہ دھرم دیو تھا جو فلم انڈسٹری کا کامیاب فرد تھا جس کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اپنی چہیتی بیوی کا محبت کرنے والا شوہر، بچوں پر جان چھڑکنے والا باپ، یاروں کا یار، ماتحتوں کا غمخوار۔

دوسرا وہ دھرم تھا جو "پورنما" کے سیٹ پر پھولوں کی رانی کا دولہا تھا۔ ایسے دہکتے ہوئے عشق و محبت کے سین فلمائے جاتے یا کم از کم ریہرسل ہی ہوتی کہ دیکھنے والوں کو پسینے آ جاتے۔ کسی مہمان کو سیٹ پر آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ سین اگر پردۂ سیمیں پر دکھا دیے جاتے تو شعلے بھڑکنے لگتے۔

اور تیسرا دھرم دیو وہ تھا جو "پورنما" کے سیٹ پر سلگائی ہوئی آگ پدما کی بانہوں میں ڈوب کر بجھاتا تھا۔ وہ کسی گرہستن کی سیج کے لائق نہیں رہ گیا تھا۔ پدما اس کے منتشر بکھرے وجود کو سمیٹ کر سینے سے لگا لیتی کہ اس کے قبیلے کی عورتیں کانچ کے ریزہ ریزہ ٹکڑے ہتھیلیوں میں سنبھال لینے کا فن جانتی ہیں۔

اس کا دل زرینہ کے قدموں میں تھا۔ دماغ اپنے مقدس گھر میں اور ناپاک جسم پدما کی بانہوں میں۔ اگر کبھی یہ تینوں گڈمڈ ہو جاتے تو وہ کہیں دور نکل [illegible]

میں قلابازیاں کھانے لگتا۔

مگر یہ کرب۔ یہ اذیت اس کی زندگی کا ماحصل بن چکی تھی۔ خود کو روندنے اور مٹانے میں اُسے ساری اُلجھنوں کا جواب مل جاتا۔ اُس نے ایک بار پھر افیون کی بھاری مقدار کھا کر موت سے رشتہ جوڑنا چاہا مگر موت نے بھی منہ پھیر لیا۔ گھر پر ہی تین چار دن علاج ہوتا رہا اور وہ پھر زندگی سے بیزار خود اپنی تلاش میں ویران پھرنے لگا۔ کوئی معقول وجہ نہیں تھی اس لئے کوئی ہنگامہ نہ ہوا۔

منگلا بے دست و پا ہو چکی تھی۔ اب پہرے داری مسخرہ پن لگنے لگی تھی۔ اس کے آنے کی خبر سیٹ پر آتے ہی کچھ کوڈ "لینگویج" میں ہر شخص کو اطلاع پہنچ جاتی اور جب وہ جاتی تو سطح بالکل ہموار نظر آتی۔ دھرم یا زرینہ کا کوئی کلوز اپ یا لانگ شوٹ لگا ہوا ہوتا۔ سب نہایت اونگھی ہوئی شکلیں بنائے اس کی آمد پر جاگ پڑنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آؤ بھگت کرنے لگتے۔ زرینہ نہایت شوخ جملے بڑے پیار سے اس کی طرف اچھالتی۔ وہ مزاج کی شکی تھی۔ مگر یہ سمجھنے لگی تھی اس کا مقابلہ ایک دو سے نہیں پورے اسٹاف سے ہے۔ کوئی بات چھیڑنا اپنا مذاق بنوانا ہے۔ کیونکہ اس کی ہر بات غلط ثابت کر دی جائے گی۔ اس نے پھر دل کا سکون ڈھونڈنے کے لئے سہارے تلاش کر لیے۔ چاہے شوٹنگ ہو یا نہ ہو زرینہ کو روزانہ اسٹوڈیو حاضری دینا پڑتی تھی۔ اس نکتے پر ہنگامہ کھڑا کرنا ہی حماقت تھی۔ انیل کو ڈیٹ دینے کے ذکر پر ہی دھرم بھڑکنے لگتا۔

"میری "پورنما" سنسر ہو جائے گی تب دیکھا جائے گا"، وہ بڑی رکھائی سے ٹال دیتا۔

"اب تو ختم ہونے والی ہے، اور اس سیٹ پر تو میرا کام نہیں، جانی کا اور آپ کا ہے" زرینہ نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

"تم کو کیسے معلوم کہاں تمہارا کام ہے اور کہاں نہیں" وہ غرایا "اب ڈائرکشن بھی سنبھالنے کا ارادہ ہے" ایک دم وہ اسے سب کے سامنے ایسی بُری طرح ڈانٹ دیتا تھا کہ زرینہ سکتے میں رہ جاتی۔ یہ بھی کوئی عاشقی کی ادا تھی۔ کچھ اپنائیت کی دعوت تھی۔ پھر وہ اتنا روٹھ جاتا۔ بے طرح اسے نظر انداز کرتا۔ دوسری [illegible] کو بڑے زور شور سے ہدایات دینے لگتا۔ زرینہ لرز جاتی۔ جس سے منّا تھا بلکہ

آ ہی چکی تھی، کہ اپنی سی کرنے پر آ جاتے۔ تو وہ پوری فلم کو آگ لگا دے گا۔ اور اس کی عنایات کا مرکز بننے کے بعد اس برتاؤ سے اس کا کلیجہ کٹنے لگتا۔ وہ موقع پا کر کوئی ایسا چھوٹا سا ادھورا سا جملہ کہہ دیتی کہ وہ بچوں کی طرح ریشہ خطمی ہو جاتا۔ گلزار کی طرح لہلہا اٹھتا، اسٹاف پر عنایات کی بارش ہونے لگتی، سارے جگ کے لئے پیار جاگ اٹھتا۔

انڈسٹری جسے اپنے سونگھ لینے کی طاقت پر بڑا ناز ہے، اس بار دھوکہ کھا گئی۔ دھرم اور منگلا کے ظاہری ملاپ سے سب مرعوب نظر آتے تھے۔ بجائے اس کی حماقتوں پر ہنسنے کے اس کی دوراندیشی کی داد دیتے تھے۔ فلمی بیویوں کا سہاگ تو سوئی کی نوک پر ٹکا رہتا ہے۔ وہ منگلا کی اس جیت کو اپنی ذاتی فتح سمجھتیں کہ کوئی تو ستی ساوتری نکلی جو بجائے ماتم کرنے کے یم دوت سے بھڑ گئی۔ اور اپنے پیارے پتی کو صحیح و سالم نکال لائی۔

چوٹ ابھر جاتی ہے، پر نشان نہیں مٹتا۔ جیت تو ہوئی مگر چہرے پر سے وہ بے ساختہ اطمینان اور بھروسے کی چمک اڑ گئی۔ اس میں کوئی کمی تھی جب ہی دھرم کے پیر لڑکھڑائے۔ انڈسٹری میں کوئی کسی تماشائے عالم کا شکار بنتا تو ان کے زخم ہرے ہونے لگتے کہ دوسرے کے آئینے میں اپنے دکھ زیادہ صاف دکھائی دینے میں۔ کچھ ایسے چلتے پھرتے جملے کہتی کہ دھرم اور زرینہ پر شبہ پڑنے لگتا۔

ستمبر میں فلم کی زور دار پبلسٹی شروع ہونے لگی۔ دیوالی پر "پورنما" ایک دم سارے بڑے شہروں میں ریلیز کرنے کا پروگرام تھا۔ زرینہ اسی پابندی سے آ رہی تھی۔ دھرم نے ابھی کہانی کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا تھا۔ مگر یہ طے ہو چکا تھا کہ وہی "پورنما" کی کامیاب جوڑی ہوگی، لیکن خاص کردار منگلا کماری کا تھا۔

کاپیاں تیار ہو ہو کر جا رہی تھیں۔ زرینہ دفتر میں بیٹھی اسکرپٹ پڑھا کرتی۔ انیل کو ڈیٹ دینے کی بات دھرم نے ان سنی کر دی تھی۔

"انیل کے فلم کی مہورت ہے چلو گے نہیں" منگلا نے تیار ہو کر پوچھا۔ "بیچارا خود آیا تھا بڑی منت سے کہہ گیا ہے جیتندر آ رہے ہیں مہورت کرنے۔"

"مجھے کاپیاں بھجوانا ہیں، پبلسٹی کا سامان بھجوانا ہے، تم جا رہی ہو۔"

"ہاں، گانے برمن دادا نے کہا مجھ کو بھی دینا ہوں گے۔"

"تم گانے دے رہی ہو؟"

"ارے بھول گئے۔ خود مجھے کیشو سے کانٹریکٹ بھجوایا۔ اور" وہ دھرم کا رنگ دیکھ کر جھینپی ہوگئی۔ ٹال کر اس نے پکارا "ہیلو ہیلو چنٹو...... یہ دیکھو ان کے لئے الگ کارڈ دے گیا ہے۔ تم بھی ملو نا خوش ہوجائے گا بیچارا۔"

"سارا کنبہ تو جا رہا ہے۔ ایک میرے نہ جانے سے کیا فرق پڑے گا۔ میری طرف سے عذر کر دینا۔"

وہ جانتی تھی دھرم ہٹ دھرمی کر رہا ہے۔ یہ سارے کام اس نے آج تک نہیں کئے۔ سب کیشو کرتا ہے۔ "وہ لاڈلی کوئی ریہرسل کرنے آ رہی ہوں گی۔"

مگر وہ بڑے چین سے دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہوگئی۔

وہاں زرینہ کو دیکھ کر اسے اتنی خوشی ہوئی کہ سچ مچ گلے لگا لیا۔

"ہاں بھائی "پورنماشی" کے چندا کو اب دیدی کے ہاں آنے کی فرصت کہاں" اس نے پیار سے طعنہ دیا۔

"ہائے دیدی طعنہ مارو گی تو اللہ قسم رو دوں گی۔ منے اسٹوڈیو سے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"ہائے میرے سہاگ کو منا کہہ رہی ہے۔" اس کا جی چاہا ڈانٹے مگر اس کا جی کھل رہا تھا۔ دھرم ہی تو اصل اسٹوڈیو ہے۔

مہورت بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ انیل کی بیوی کچھ کھنچی کھنچی سی لگ رہی تھی۔

میرا بھوت اتر کے اب اس نگوڑی پر چڑھے گا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائی۔ انیل کی بیوی یاسمین نے شادی کے بعد فلم میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ زرینہ کے قصے سن کر لرز رہی تھی، وہ اس میدان میں نئی نہیں تھی۔ سنا تھا کہ انیل سے بہت جھگڑا ہوا زرینہ کو لینے پر۔ مگر وہ نہیں مانا۔

"وہ کس کی اجازت سے مہورت میں گئی۔" کیشو پر دھرم نے گولہ باری شروع کی۔

"پرسوں ذکر تو ہوا تھا سب کے سامنے۔"

"سب کے سامنے سے یہ مطلب نہیں کہ میں نے اجازت دے دی تھی۔"

"انیل جب کارڈ دے کر آئے تو آپ فون پہ تھے۔ وہ دستخطوں کے لئے کانٹریکٹ دے گئے ہیں۔"

"یہ کانٹریکٹ نہیں ہوگا۔"

"مگر تم نے تو کہہ دیا تھا انیل سے کہ ہو جائے گا اسی لئے تو اس نے نام دے دیا۔"

"میں نے کہا تھا ہو جائے گا۔ بس اب میں ہی کہتا ہوں نہیں ہوگا۔"

"مگر....."

"میرا دماغ نہ چاٹو۔" وہ دھڑ دھڑ فائل پٹخنے لگا۔

بڑی شاندار مہورت ہوئی جیپ منسٹر کے ساتھ زرینہ اور انیل کی تصویریں کھنچیں، ترویدی کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، پہلی فلم تھی انیل مہمانوں کی خاطر میں بچھا جا رہا تھا۔ دھرم نہیں آیا، اسے کلیپر دینا تھا۔ انیل نے منگلا سے درخواست کی، بیحد جھینپتی ہوئی وہ تیار ہوگئی۔ انیل نے کانٹریکٹ کی یاد دہانی کی،

"ہو جائے گا، آپ فکر نہ کیجئے۔" امینہ نے کہا۔

"مجھے اپنی فکر نہیں، میں تو تمہاری تسلی کے لئے کہہ رہا تھا۔ مجھے کیا فکر دھرم جی نے کہہ دیا جانو کانٹریکٹ ہو گیا۔"

جب زرینہ اسٹوڈیو پہنچی تو دھرم فرعون بے ساماں بنا بیٹھا تھا۔

"مجھے کیا معلوم، امینہ آپا سے کہتے۔"

"کیا کہوں امینہ سے؟ امینہ کمپنی کی نوکر نہیں ہے۔"

"انہوں نے کہہ دیا تھا ہم لوگ ضرور آئیں گے۔" آنسو چھلکنے لگے۔

"تو وہ چلی جاتیں۔"

"معاف کر دیجئے دھرم جی۔ وہ بات یہ ہوئی کہ غلطی میری تھی۔" امینہ بولی۔

"میں دو ایک ساتھ شروع کر رہا ہوں۔ میں ڈیٹ کہاں سے دے سکوں گا۔"

دھرم نرمی سے بولا۔ "تم لوگوں کو میری پریشانی کا ذرا بھی خیال نہیں۔"

دھرم کے شرکت نہ کرنے سے انیل کچھ شبہے میں پڑ گیا تھا۔ اس نے یوں ہی ٹٹولنے کے لئے دھرم کو فون کیا۔

"ہیلو...... دھرم جی، میں انیل بول رہا ہوں۔"

"اوہ بھئی مجھے بڑا افسوس ہے۔ ڈیٹ کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا، دونوں فلمیں سیٹ پر جا رہی ہیں۔ آپ کو بھی خواہ مخواہ تکلیف ہو گی۔"

"جی؟ میں سمجھا نہیں۔" وہ واقعی نہیں سمجھا۔

"آپ وجینتی مالا کو لے لیجئے۔ زرینہ کے پاس بالکل وقت نہیں۔"

"مگر میں تو مر جاؤں گا۔ دھرم جی میں نے تو بزنس بھی کر لی۔"

"سوری، میں نے آپ سے کہا تھا۔" دھرم لاجواب ہونے لگا۔

"آپ نے کہا تھا ہو جائے گا۔ یہی بات ہے ۔۔۔۔ اب ۔۔۔۔۔"

"سوری انیل ۔۔۔۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں۔" اس نے بڑی نرمی سے کہا اور فون رکھ دیا۔

انیل سناٹے میں رسیور دیکھتا رہا۔ پھر رکھ دیا۔

"مجھے معلوم تھا۔" ترویدی نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔ "دربن نے کہا بھی تھا مگر"

"مگر ترویدی صاحب انہوں نے مجھ سے کہا ۔۔۔۔"

"پیارے یہ فلم لائن ہے۔ یہاں ہاں اور نہیں، کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

"یہ خوب رہی کامیابی نصیب ہو تو ہماری آپ کی ۔۔۔۔۔۔۔ اور باقی رہا الزام وہ انڈسٹری کے ماتھے۔ دھرم جی بات سے پھر جائیں۔ اس میں انڈسٹری کو کیوں داغ لگے۔ خوب۔ واہ۔" اتنے میں پھر گھنٹی بجی۔

"ہلو۔" انیل نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"ذرا انیل صاحب کو بلا دیجئے۔"

"کون امینہ آپا ۔۔۔۔ کہئے میں بول رہا ہوں۔"

"دیکھئے بات آگے نہیں جانی چاہیئے۔ آپ بے فکر رہیئے ۔۔۔۔ سب ہو جائے گا۔"

"مگر میں تو پندرہ اکتوبر سے آؤٹ ڈور پر جا رہا ہوں۔ جی ۔۔۔۔۔ اچھا اچھا۔"

"ہاں نئی لڑکی کی تلاش ہے یا اور ایسا ہی کوئی بہانہ۔" امینہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں ہاں وہ میں سب ٹھیک کر لوں گا ۔۔۔۔ شکریہ شکریہ ۔۔۔۔" انیل کا

چہرہ جگمگا اٹھا ۔۔۔۔ "ہاں ترویدی صاحب آپ کہہ دیجئے یہ تو میں جانتا تھا۔" اس نے ترویدی کو امینہ نے جو کچھ کہا تھا بتا کر چڑایا

"نہیں پیارے یہ تو میں بالکل نہیں جانتا تھا۔ یار یہ عورتیں بڑی نگرم باز ہوتی ہیں۔"

اپنی بات رکھنے کے لئے بے کہانی طے کئے دھرم نے سیٹ لگوانا شروع کر دیا۔ رندھیر کو مدراس سے ایک بہت بڑا آفر آیا۔ مگر دھرم نے کہا اتنا بڑا کام وہ کیسے سنبھالے گا۔ کیونکہ مینا کماری والی فلم اسے ہی ڈائرکٹ کرنا ہو گی۔ دوسری پھر ست نرائن کو دے دی جاتے یا ترویدی۔

"ترویدی انیل کے ساتھ پارٹنرشپ میں ہے۔"

دھرم کچھ چڑھ سا گیا۔ بھورت کے موقع پر جو اس نے بیلیجی کی ہنسی وہ بھی دھرم کو بہت بھچوری معلوم ہوئی۔ اس میں منگلا کے نن پر بہت ہی شاعرانہ روشنی ڈالی گئی تھی، حالات زندگی میں اسے اس قدر مہان ہستی ظاہر کیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا دھرم اسی کی محنت اور قربانیوں سے اتنا کامیاب پروڈیوسر بنا ہے۔ دھرم کو کبھی لوگوں کی طرح کسی کی غیبت کرنے کی نہ عادت تھی اور نہ مہلت اس کی اپنی زندگی اتنی بھرپور رہی تھی کہ کسی پر رشک کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی مگر اس وقت انیل پر چھینٹے کسنے لگا۔ چھچھورا ہے، بہت پھدکتا ہے۔

"یار خود جو نگانی کے سہارے اوپر چڑھا ہے اس لئے۔" رندھیر نے بھی اشرھ لگائی۔

زرینہ کا کوئی ذکر نہ تھا بس یہ کہ نئی ہیروئن کی تلاش ہے۔ ردل نئی لڑکی مانگتا ہے۔

"انگور کھٹے۔"

زرینہ بیٹھی اپنے بھانجے کا سوئٹر بن رہی تھی۔ امینہ اون کا گولہ بنا رہی تھی۔ اندر رنگے ہاتھوں ایک اخبار اسے دلچسپی لیتا پکڑا گیا۔ اس لئے وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ اب امینہ ہی زرینہ کے ساتھ چپکی رہتی تھی۔ رندھیر سے چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی تھی۔ زیادہ تر چاروں ساتھ ہی رہتے تھے۔

رندھیر کا ایک سیٹ ہو چکا تھا، مینا کماری مدراس گئی ہوئی تھی، اس لئے

زرینہ اور دھرم کے ہی کچھ سین ہوئے تھے۔ مینا کماری نے لئے منگلا آواز دے رہی تھی، اس لئے زرینہ کے لئے آشا کو لینا تھا۔ قتل کے نام سے دھرم کا خون کھولنے لگتا تھا۔ میاں بیوی کے جھگڑے کو اس نے سیاسی رنگ دے کر بات اتنی اچھلوائی۔

سیٹ ختم ہوئے تین چار دن گزرے ہوں گے۔ ابھی دوسرے سیٹ کا کچھ طے نہیں ہوا تھا۔ کہانی پر ابھی بہت کام کرنا تھا۔

"یار بوریت ہوگئی۔ چلو مہابلیشور چلتے ہیں۔ وہاں ذرا ٹھیک رہے گا۔" دھرم نے اکتا کر کہا۔

"ہاں، میں بھی اپنی گاڑی لے لوں گا، دِتّو اور بچّے دہلی بھی نہ چل سکے......بھابی تو چلیں گی ہی۔"

"وہ تو مدراس گئی ہوئی ہیں۔ مدراس کی فلم کے لئے ریکارڈنگ کرنے۔"

"اچھا کب؟"

"آج ہی صبح—"

"ارے یار تو پھر کیا پوچھتے ہو۔"

"امینہ—"

"اس کی طرف سے تم نسچنت رہو پیارے...." رندھیر نے آنکھ ماری

"اور ہاں بوتلیں اپنی لے چلیں گے وہاں کچرا ملتا ہے۔"

"ذرا پوچھو تو—" دھرم نے کیشو کو داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔ ایک دم سے اس میں جان پڑ گئی۔

"نہیں ابھی تک آئی ہی نہیں۔"

"ساڑھے گیارہ بجے ہیں اور ابھی تک نہیں آئیں، فون کرو۔" بوتل نکال کر دونوں نے شغل شروع کر دیا۔

"کیا، کوئی اٹھاتا ہی نہیں۔ ایکسچینج سے بولا، مگر لائن تو ٹھیک ہے۔"

"اچھا آئیں تو کہنا آج ڈانس ریہرسل نہیں۔" اور کیشو ڈریک سے بولا "ایک کیس چاہیے۔ ایک دم ولایتی، سالے نے کچھ گڑبڑ کیا تو بڑے جوتے لگیں گے۔"

بارہ بجے معلوم ہوا نہیں آئیں۔ دھرم کچھ زیادہ ہی تیزی سے گلاس پر گلاس خالی

کر رہا تھا۔

"میں جاؤں؟"

"ہوں ٹھہرو—" دھرم خود فون کرنے لگا۔ کسی نے اٹھایا فون—

"یہ کیا قصہ ہے.....اِیں....."

"میم صاحب نہیں ہے۔" کوئی آیا بول رہی تھی۔

"نہیں ہیں؟ کہاں گئیں؟"

"ہم کو معلوم نہیں صاحب۔"

بار بار فون کرنے کے بعد خدا خدا کر کے امینہ ملی۔

"ارے کہاں چلی گئی تھیں، میں سمجھا کوئی ایکسیڈنٹ تو نہیں ہو گیا۔"

"نہیں، ٹھیک ہے سب۔" امینہ ہنسی۔

"یہاں ڈانس ڈائرکٹر ہو کر رہا ہے انتظار میں، ریہرسل کے لئے نہیں آنا؟"

"ارے زرینہ نے تو صبح ہی فون کر کے پرکاش سے پوچھا تھا۔ اس نے کہا کوئی ریہرسل نہیں، اس لئے۔"

"اچھا تم صبح سے گئی کہاں تھیں؟"

"وہ..... اپنا..... کپڑے لینے درزی....."

"کپڑے لینے؟"

"جی، دیکھئے کاسٹیوم کے ٹرائل پر گئی ہوئی تھیں۔"

"یہ کیا ہوا اس لڑکی کو، بغیر اجازت کیوں گئی تھی؟"

"پوچھ تو لیا تھا میں نے۔" امینہ نے بات بنا لی۔

"کس سے پوچھ لیا تھا؟"

"زرینہ سے۔ اس نے کہا اس کی شوٹنگ تو اب کہیں [illegible]..."

آپے سے باہر ہو کر دھرم خرافات پر اتر آیا۔ ادھر سے فون رکھ دیا گیا۔

"حرام زادی وہاں کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو..... ہوش ٹھکانے [illegible]"

وہ لال پیلا ہو کر اٹھا۔

"اماں کیوں رنڈیوں کے منہ لگ کے اوقات گنواتے ہو..... چھوڑو۔"

"نہیں۔" دو تین مسلسل گالیاں دے کر دھرم ننگے پیر موٹر میں بیٹھنے لگا۔

"تم نہیں جاؤ گے؟"

"کیوں؟"

"ارے وہ ذلیل ہیں، تمہاری پوزیشن خراب ہوتی ہے۔ ہٹو، میں جاتا ہوں۔"

رندھیر اسے سمجھا بجھا کر خود روانہ ہو گیا۔ دھرم بوتل پر غصہ اتارنے لگا۔ وہ اس کی پتنی تو نہ تھی اور نہ محبوبہ تھی جو اس کے نخرے سہتی، پلٹ کر اسی کو ڈسنے لگی بیقرار ہو کر وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ یہ سب اسی کمینی کتیا امینہ نے اسے ورغلایا ہے۔ اس میں اتنا دم نہیں ..... وہ تو خود اتنی سیدھی ہے۔ اتنی معصوم۔ یہ جو نحس اس کی جان کو لگ گئی ہیں، ماں غریب ٹھیک تھی، یہ تو بلائیں ہیں۔ رندھیر کو گئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔

جی نہ مانا فون کیا رندھیر نے ہی اٹھایا۔

"ارے بھئی کیا کر رہے ہو آتے کیوں نہیں؟"

"آ رہا ہوں" رندھیر کی آواز مری ہوئی سی ہو رہی تھی۔

"تو آؤ نا، دن ہی دن میں روانہ ہو جائیں گے، پھر رات ہو گئی تو گھاٹ چڑھنے میں مصیبت ہو گی۔ اور ہاں زرینہ سے کہنا چوڑی دار ساتھ لے چلے چلنے پھرنے میں مزہ رہے گا ـــــ جلدی آؤ"

"اچھا" رندھیر بجھی ہوئی آواز میں بولا۔

دو گھنٹے بعد رندھیر آیا تو معلوم ہوتا تھا کسی نے عرق نچوڑ لیا ہے۔

"اتنی دیر لگا دی جا کر بیٹھ ہی رہے" وہ دروازے کی طرف زرینہ کو ڈھونڈنے لگا "کہاں ہے، سامان وغیرہ" وہ بے تابی سے بولا

"بتاتا ہوں" رندھیر ماتھے کا پسینہ پونچھتا بیٹھ گیا۔

"نہیں آئی" دھرم کا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا۔

رندھیر نے صرف موٹی سی گالی دی "اماں کچھ بسنت کی بھی خبر ہے؟"

"کیا بک رہے ہو؟"

"کیشو..... ابے کیشو....." کیشو آنکھیں جھپکاتے اندر آیا۔ باہر انتظار میں کھڑا تھا۔

"انہوں" دھرم چڑ گیا "ہم پوچھتے ہیں ساتھ کیوں نہیں لیتے آتے"

"اماں یار بات تو کرنے دو" رندھیر نے چڑھ کر کہا "پانچ اکتوبر کا کانٹریکٹ ختم ہو گیا"

"ہاں۔ اور"

"نیا کانٹریکٹ سائن نہیں ہوا؟"

"کہاں سائن ہوا، دو مہینے سے کہہ رہا ہوں، میری کوئی سنتا ہے" "ہو جائے گا۔ کیا جلدی ہے" "اب پتہ چلا وہ بھی ٹال رہی تھی"

"کیا بتاؤں دھرم عورت ذات پہ ہاتھ نہیں اٹھا" حالانکہ وہ دلّو کو اکثر چار چوٹ کی مار دیا کرتا تھا "بس جی چاہتا تھا منہ توڑ دوں سالی کا"

"زرینہ!" دھرم ہانپا۔

"وہ تو نکلی ہی نہیں" امینہ نے کہا نیا کانٹریکٹ ہو گا تب"

"نیا کانٹریکٹ..... میں کانٹریکٹ نہیں کروں گا" دھرم نے لات مار کر بوتل دور پھینکی۔

"تو یہ پکچر....."

"گولی مارو سالی پکچر کو..... شیلف کر دو۔ ہاں، شیلف۔ ہاں" وہ کھڑا ہو کر جھومنے لگا۔

"نہیں، ہم کوئی دوسری لڑکی......" رندھیر بولا۔

"نہیں..... کوئی دوسری تیسری نہیں۔ بس" اس نے گلاس زور سے دیوار پر مارا۔

"اور بینا بی کا کانٹریکٹ، رحمان..... ہیلن..... سب ہی کے کانٹریکٹ ہو گئے ہیں۔ کئی دفعہ کہا ٹال گئی۔

"اپنی کمپنی ہے کانٹریکٹ کی کیا ضرورت ہے" دھرم جی کا حکم..... "ہنہ حکم کی بچی"

"نہیں کرنا ہے اس کے ساتھ کام سور کے بچے" وہ کیشو پر برس پڑا اس نے فائل کے پرزے کر ڈالے اور میز پر سر رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگا۔ نشہ میں آنسو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اور جس بات کی دھن سوار ہو جائے بس سوار رہتی ہے۔

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں" وہ رات دھرم پر قیامت کی گزری۔ محبت اور نفرت

میں بال برابر کا بھی فاصلہ نہیں۔ کہاں محبت ختم ہو کر نفرت شروع ہو جاتی ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ محبت کی چوٹ جتنی گہری ہوتی ہے۔ اتنی ہی شدّت نفرت میں ہوتی ہے۔ کہ نفرت کرنے والا مجسم ہو جاتا ہے۔ نہ اُلفت پر کسی کا زور نہ نفرت پر۔

رندھیر نے اُسے ایک پل کو تنہا نہ چھوڑا، آج یہ پی پی کر دم توڑ دے گا۔ ساری رات ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا رہا، سسکتا رہا۔ پل بھر کو آنکھ لگ جاتی مگر آہیں نہ رکتیں۔ ذرا ہوش آتا اور پھر وہ اس ہوش کو شراب میں ڈبونے لگتا۔

"تم جھوٹے ہو، مجھے ستانے کو جھوٹ بول رہے ہو۔ تمھاری نیت اس کی طرف سے خراب ہے۔ تم ہمیشہ مجھ سے جلتے رہے۔ اُسے میرے خلاف بھڑکاتے رہتے"

رندھیر نے اپنی دونوں بیویوں کی اولاد کی قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا ثبوت دیا۔

"جس نے اُسے بُری نظر سے دیکھا ہو تو بی اماں پر بھی بدنگاہ ڈالی ہو" اس کی ماں کو مرے ہوئے چودہ سال ہو گئے تھے۔ "اپنی بہن کے ساتھ بدفعلی کی ہو" اُن کی آپا کا سر سفید ہو چکا تھا مگر اس پر بھی شراب چڑھی بیٹھی تھی۔

"امینہ نے اُسے کمرے میں قید کر دیا ہے" وہ زرینہ کو بے قصور ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح اس کی کچلی ہوئی انا کو تقویت پہنچتی تھی۔ زرینہ لاچار ہے مجبور ہے۔ ظالم دنیا اس کے ٹینٹوے پر سوار ہے۔ وہ بے بس ہے بے وفا نہیں۔ اُس نے ٹھکرایا نہیں۔

جب منگلا نے یہ رُوداد سنی، اپنے ریزہ ریزہ پتی دیو کو پیار بھری باہوں میں سمیٹنے نہیں آئی۔ اس کی ساری ذلتوں کا بدلہ مل گیا۔ اب دھرم دیو محفوظ ہو گیا خطرہ آپ ہی اسے ٹھکرا کر چلا گیا۔ چوری کا کھٹکا ختم، جیتا رہے سکون دل و دماغ کو دیکھنے والا۔ سب ہی اس پر ہنس رہے تھے۔ جو کل تک اس پر رشک کر رہے تھے آج بغلیں بجا رہے تھے۔ ایک بیوی والے عاشق کا دل ٹوٹا خوب ہوا۔

منگلا کی نگاہوں کے طعنے جھیلنے کی اس میں سکت نہ تھی۔ وہ پیا کی باہوں میں جا چھپا۔ پیا جو اس معرکے سے دور غیر جانبدار کھڑی تھی۔ اسے نہ منگلا سے ہمدردی تھی نہ زرینہ سے کوئی گلہ۔ اس کا کام تھا گرتوں کو سنبھالنا، ٹوٹے ہوئے ذروں

کو جوڑنا۔ مگر دھرم کے ذرات جوڑے جانے کی حدوں کو پار کر کے خاردار کرچیاں بن گئے تھے۔

جیسے کسی مال دار رنڈوے کو پیغام آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح فلم اسٹار بننے کی امیدواریاں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ زرینہ کے عیب اور اس کے گنوں کی تفصیل سن سن کر اس کے کان پھوڑا ہو گئے۔ اس کے کانوں نے ترویدی کے بھونڈے ڈائریکشن اور انیل کے سیٹ پر زرینہ کی پھُس پھُسی اداکاری کے چرچے بھی سنے۔ نہ جانے کیا سمائی، کون سی آس بندھی کہ شری ساؤنڈ اسٹوڈیو پہنچ گیا۔

اسے یقین تھا کہ جب وہ اُسے ہاتھ لگائے تو اس کا بدن جھنجھنا اٹھے گا اور وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ کر اس کی آغوش میں ٹپک جائے گی۔ تب وہ سینہ تان کر ان چھچھورے لونڈوں پر ایک قہقہہ لگائے گا اور اپنے چاند کو سب کے سامنے سمیٹ کر لے آئے گا۔

مگر جب اس نے زرینہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ یوں اجنبیوں جیسی دھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی جیسے پوچھتی ہو "کون ہیں جی آپ؟"

"چاندنی، چلو...." اس نے پیار کا نام لے کر ماضی کو جگانا چاہا۔

"شوٹنگ کر رہی ہوں" اس نے رکھائی سے کندھا جھٹک دیا اور مڑ کر میک اپ درست کرنے لگی۔

"چاند...." دھرم نے سسکی بھری۔

زرینہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی کہ کسی نے یہ احمقانہ خطاب سنا تو نہیں۔ سب دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔

"چلو، میں تمھیں لینے آیا ہوں"

زرینہ نے نہیں سنا۔ آئینہ میک اپ مین کو پکڑایا اور مقررہ جگہ چاک کے نشان پر کھڑی ہو گئی۔

"ریڈی—" اس نے موتیوں کی لڑی بکھیر دی۔ انیل بڑی تمکنت سے مسکرایا۔

"آل لائٹس!" ترویدی نے آواز دی جیسے دھرم کسی کو نظر نہ آ رہا ہو۔ دھرم کے دماغ میں ایک دم شعلہ سا لپکا اس نے زرینہ کا ہاتھ مروڑ

کر گھسیٹا۔
"آہ!" زرینہ دوہری ہوگئی۔
اور پھر طوفان پھوٹ پڑا۔ انیل نے پیچھے سے دھرم کی گردن میں کہنی اڑا
کر پیٹھ میں گھٹنا مارا۔ وہ اوندھے منہ گرا مگر پھر تڑپ کر اٹھا۔ ہزاروں ہاتھوں
نے اسے دبوچ لیا۔ ننھے سے بچے کی طرح ہاتھ پاؤں چلاتا وہ دروازے کے
باہر لے جایا گیا۔ وہ پھر ہاتھوں کی گرفت سے نکل کر اچھلا مگر ہاتھوں کی تعداد چوگنی ہو
گئی۔ اسے ایک دفتر میں بند کر کے لوگ جگہ جگہ فون کرنے دوڑے۔
دھرم نے دفتر کا سارا سامان چور چور کر ڈالا۔ رندھیر اور کیشو ڈاکٹر کو لیے
آئے۔ کیونکہ انھیں اطلاع ملی کہ طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر نے پکڑ دھکڑ
کر اسے انجکشن دیا اور وہ بے بس ہوگیا۔
جب اسے موٹر میں ڈال کر لے جا رہے تھے تو زرینہ چاک کے نشان پر
کھڑی پوچھ رہی تھی۔
"ٹھیک ہے نا ترویدی جی؟"

۱۱

جب انجکشن کا اثر دور ہو کر دھرم کو ہوش آیا تو اس نے آخری بار خودکشی
کی ناکام کوشش کی۔ سب چوکنے تھے۔ اس لئے کوشش خاک میں مل گئی۔ اس
کے چند عزیز دوست ہمزاد کی طرح دن رات اس کے ساتھ لگے رہتے۔ منگلا نے
نہایت بے حسی سے اس کی تیمارداری کی۔
"کیا سب دکھاوا انٹریکیٹ کی وجہ سے تھا؟" اسے کسی طرح یقین نہ آتا۔
کاش اس جنم میں وہ صرف ایک بار اسے مل جاتے۔
"چاندنی!" وہ اس کی ٹھوڑی اٹھا کر پوچھے گا اور اس کی آنکھوں میں اپنا
جواب پالے گا پھر عمر بھر وہ اس سے ملنے کی تمنا نہیں کرے گا۔ وہ اس جواب
کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنا لے گا۔
اسے معلوم بھی نہ تھا منگلا تیسری بار ماں بننے والی تھی۔ ایک دم نئی جان
کے تصور سے اس کے مردہ جسم میں جان آگئی۔ وہ خلا سے واپس لوٹ کر دنیا
میں پہنچ گیا۔ اس بار حمل بڑا تکلیف دہ تھا۔ اوپر سے میاں بیوی کے درمیان جو
اجنبیت حائل ہوگئی تھی۔ بڑی دم گھونٹنے والی تھی۔
بد دل اور بیمار منگلا سے پھر آنکھیں چار کرنا قیامت خیز تھا۔ مگر دھرم بلا کا
ضدی تھا اس نے ایک دم شراب چھوڑ دی۔ معافیاں مانگنے کا وقت گزر
چکا تھا۔

مینا کماری مدراس سے واپس آئی تو سیٹ تیار تھا۔ جب ڈرامائی سین شروع ہوئے تو دھرم کے اُجاڑ دل میں پھر فن کا رجاگ اٹھا۔ فلم اور سنگلا کے سوا وہ سب کچھ بھول کر ایک بار پھر پرانا دھرم دیو بن گیا۔ اس کے چاہنے والے کچے گھڑے کی طرح اس کی حفاظت کرتے۔ زرینہ کی تمام تصویریں اُتار کر چھپا دیں۔ اس کا نام لینا بھی جرم بن گیا۔

رندھیر کو اپنے پہلے ڈائرکشن کی بڑی فکر لگی ہوئی تھی۔ نئی لڑکی کی تلاش جاری تھی۔ تاکہ زرینہ کی جگہ سائن کر لیا جائے۔ اس نے دھرم کو دو چار تصویریں دکھا کر رائے لی۔

”کس رول کے لئے؟“

”نتی کے لئے۔“

”مگر وہ تو زرینہ کرے گی“ دھرم نے بڑی سادگی سے کہا مگر رندھیر کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اسے احمقوں کی طرح تکنے لگا۔ اس کے چہرے پہ کوئی وحشت کے آثار نہ تھے۔

”یار نظرا ہے۔ . . . میرے خیال میں تو“

”اتنی شوٹنگ ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں تو اب زیادہ کام نہیں۔ نتیا جی کے نئے سین رکھے گئے تو پھر ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”مگر“ اسے اتنی سمجھداری کی باتیں کرتے دیکھ کر رندھیر کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔

”اوہ“ دھرم بڑی صحت مندہنسی ہنسا ”اچھا رندھیر بتاؤ تو کیا میں تمہیں سچ مچ پاگل لگتا ہوں“

”یار پاگلوں کے اور کیا سینگ ہوتے ہیں“

ہیں، بس اس دن سے راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ ڈر کے مارے رات کو اپنے گھر میں بھی نہیں سوتے“

ڈر کس بات کا“

”رندھیر جی یہ فلم انڈسٹری ہے یہاں کیا نہیں ہوتا؟ اس دن جو حرکت انہوں نے کی . . . . .“

”وہ تو خیر نشے میں تھے تم تو ہوش میں تھیں، تم نے جو کمینہ پن کیا۔ جب تک کانٹریکٹ تھا بندھی مار کھاتی رہیں۔ اور جیسے ہی موقع ملا پیر پھیلانے لگیں۔ دھرم جی کے احسانوں کا یہی بدلہ ہے؟“

”احسان؟“

”اور نہیں تو کیا، وہ نہ لاتے تو انڈسٹری میں نہ گھسنے بھی نہ پاتیں“

”اچھا ہی ہوتا، مگر دھرم جی کے احسانوں کا بدلہ شاید اس جنم میں تو اتر نہیں سکتا۔ مگر کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ زرینہ نے پانچ سال بے چون و چرا بندھی تنخواہ پر کام کیا ہے۔ لوگوں نے بہت شہ دی مگر ہم نے کہا نہیں، ہم نا شکرے نہیں جو کانٹریکٹ سے وہ نبھائیں گے۔ پھر بھی جو کام اسے باہر ملا اس میں آدھا کمپنی کا۔ کمپنی نے زرینہ سے کتنا روپیہ کمایا اور پھر بھی احسان سر پر سوار رہا۔ انیل کی پکچر کے لئے پہلے ہاں کہہ دیا پھر صاف مکر گئے“ امینہ کی آواز بھر آگئی رندھیر قائل ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔

”وہ بے زبان ہے۔ ناتجربہ کار تھی۔ آپ لوگ اس کے سر پر چڑھ بیٹھے، قسم سے کہئے رندھیر جی، کیا اس نے ہیروئن بننے کی پوری قیمت ادا نہیں کی، ابھی کچھ اور باقی ہے“ امینہ دھاروں دھار رونے لگی۔

”بھئی محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے“

”یار بہت پی رہا تھا۔ ان دنوں، اس نے بدتمیزی کی بس نہ جانے کیا ہو گیا۔“

”ڈر لگتا ہے یار“

”میں وہی ڈر تو نکالنا چاہتا ہوں“

”اور جو وہ انکار کر دے تو؟“

”آدھے سے زیادہ کام کر کے انکار نہیں کر سکتی۔ میری پکچر پوری کرنا ہی پڑے گی۔ ورنہ وہ کہیں کام نہ کر سکے گی“

”یہ تو ٹھیک ہے . . . . مگر بھابی سے تو پوچھنا چاہئے“

”نہیں میں اس سے اجازت نہیں لوں گا۔ نہ کوئی وعدے وعید کروں گا۔ رندھیر بڑی باریک سی بات ہے شاید سمجھا نہ سکوں، مجھے اپنے اطمینان کے لئے . . . . . اس ٹیسٹ سے گزرنا ہو گا۔ ورنہ میں دنیا میں کبھی کچھ نہ کر سکوں گا“

”میں سمجھتا ہوں دوست، خدا تمھیں نظرِ بد سے بچائے اور۔۔۔“ اس کا جی بھر آیا۔

پھر بھی رندھیر نے منگلا سے رائے لینا ضروری سمجھا۔

”ٹھیک ہے“ اُس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”میں نے بہت کہا کیوں بات کو پھر سے اُٹھایا جائے“

”اب وہ بات نہ ہوگی“ منگلا پژمردگی سے مسکرائی ”میں اس چوکیداری سے اوب گئی ہوں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کہاں تک ان کے پیروں کی بیڑی بنی رہوں دل پتھر ہوگیا ہے کسی بات کی پرواہ نہیں ہوتی“

اس کے بعد رندھیر امینہ کے پاس گیا، وہ چپ ہوگئی۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“

”یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا سوچوں؟ اماں تھیں تو اور بات تھی۔ ہم دو بہنیں محبت ہے منگلا سے، زرینہ سے یا پدما سے؟“

رندھیر لاجواب ہوگیا۔

”صاف کیوں نہیں کہتے نواب میں طبیعت کے پوری حرم سجانا چاہتے ہیں۔ گھر میں ستی ساوتری، اندھیرے اُجالے کوئی بے کس لاچار، ہوحق کے لئے رنڈی کا کوٹھا“

”تم تو وکیلوں کے بھی کان کترتی ہو۔ کانٹریکٹ تھا تو پھونک سرکی ہوئی تھی“

”بندھا مار کھاتا ہے، آزاد ہو کر کسی کو بیڑیاں ڈالنے کا شوق نہیں ہوتا“

”ایسی عزت پیاری تھی تو فلم لائن میں کیوں آئی تھیں گھر میں بیٹھی ہوتیں۔

رندھیر جل گیا“

”آپ کو معلوم نہیں کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے۔ ابا کے انتقال کے بعد ہم لاوارث رہ گئے۔ اماں نے ہم تین کی تو جلدی جلدی شادیاں کردیں۔ یہ سب سے چھوٹی رہ گئی۔ ابا نے بڑے چاؤ سے اسے ناچ سکھایا تھا۔ پانچ برس کی عمر سے اسے اسٹیج پر چانس ملنے لگے۔ ابا کے بعد اس کی کمائی پہ ہم دال روٹی چلاتے رہے۔ تیلگو فلم میں کام ملا تو ذرا اور سہارا ہوا۔ جب دھرم جی نے آفر دیا تو ہم اُسے خوش قسمتی سمجھے کہ اس کمپنی میں کوئی فکر کی بات نہیں۔ سب

ہی شریف لوگ ہیں۔ مگر آپ تو جانتے ہیں جیسی شرافت کا ثبوت دیا ہے وہ۔۔۔“ غصّہ سے اس کی آواز پھٹ گئی۔ ”خیر جو نصیب میں تھا وہ تو بھگتا اب یہ بتائیے کیا ایسی کوئی صورت نہیں نکل سکتی کہ بغیر زرینہ کے کام چل جائے، کچھ کاٹ چھانٹ کرکے“

”بھئی واہ کیا کہنے ہیں وہ دن بھول گئیں جب رول بڑھانے کے لئے مسکا لگایا جاتا تھا، آج رول کاٹنے کا مطالبہ ہے“

”وقت وقت کی بات ہے“ امینہ ہنسی۔

بڑی جھک جھک کے بعد طے ہوا کہ رول کاٹنے کی کوشش کی جائے گی، امینہ بہن کی پہرے داری کرے گی سیٹ پر جائے گی۔ کام کرکے لوٹ آئے گی۔

”مگر ایک شرط ہے“ رندھیر نے کہا۔

”وہ کیا؟“

”زرینہ کو دھرم جی سے معافی مانگنی پڑے گی“ یہ شرط رندھیر نے لگائی۔

”خوب، اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے“ امینہ تلخی سے ہنسی۔

”آمینہ“

”فرمائیے؟“

”کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتی ہو کہ سارا قصور دھرم جی کا ہے“

”مگر دھرم جی معصوم تو نہ تھے“

”اور تمھاری بہن معصوم تھی، کیوں اُسے بنانے کی کوشش کرتی ہو“

”اوہ“ امینہ بے چین ہوگئی۔ رندھیر کو اپنی جیت پر بڑی مسرّت ہوئی“

رندھیر جی۔۔۔ جب یہ ناچ سیکھا کرتی تھی اور کوئی نو دس برس کی تھی تب وہ ملعون ماسٹر کانی ادھیڑ عمر کا اس کی نادانی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا تھا۔ یہ نگوڑی اُسے بھی کلا کا ایک حصّہ سمجھتی تھی۔ اُف سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ رندھیر جی یہ سوکھی ہوئی چوہیا، جب تھکی ہاری بسورتی ہوئی لوٹتی تھی تو اُلٹی اسے ڈانٹ پڑتی تھی، وہ تو ایک ذرا سمجھدار لڑکی نے پول کھول دیا اور ساری لڑکیاں چپ چاپ گھر بیٹھ رہیں۔ ایسی بات منہ سے نکال کر خود نکو بن جاتے۔ یہ ہمیشہ کی ایسی ہی سہمی ہوئی گم سم سی ہے۔ اس نے ایکٹنگ کا اب حصّہ سمجھ کر کبھی کسی سے

ذکر نہیں کیا۔ وہ تو جب ساری انڈسٹری میں بات پھیلی تب راز کھلا۔" امینہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ رندھیر کا سر جھک گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رہا۔

"امینہ۔۔۔۔ تم چاہو تو صاف انکار کر سکتی ہو۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

"شکریہ رندھیر جی جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور اب وہ مِٹ نہیں سکتا۔ اب تھوڑے سے کام کے لئے بگاڑ کرنے سے کیا حاصل۔ بس اتنا خیال رہے کہ بات بد سے بدتر صورت نہ اختیار کرنے پائے، کام جلدی نمٹ جائے اور پاپ کٹے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" رندھیر اٹھنے لگا "ایک بات پوچھوں امینہ"

"پوچھئے۔" امینہ نے ذرا تکلف سے کہا۔

"کیا زرینہ کی طرف سے بس ایکٹنگ ہی تھی یا۔۔۔۔ کچھ اور بھی تھا؟"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، وہ میری سگی بہن ہے مگر بخدا مجھے اس کے دل کا حال معلوم نہیں۔ وہ ایک معمّہ ہے جو میری موٹی عقل حل نہیں کر پاتی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے بس کوئی رول ادا کرتی ہے۔ جب وہ چھوٹی سی تھی اور کوئی ضد کر بیٹھتی تھی تو نہ روتی تھی نہ چیختی تھی مگر ہم سب کو اس کے سامنے ہار مان لینا پڑتی تھی۔ کھانے پر روٹھ جاتی۔ اماں زبردستی اس کے منہ میں نوالہ دیتیں، وہ بیٹھی منہ چلاتی رہتی، لاکھ دھمکانے پر بھی نہ نگلتی۔ تب ہم سمجھتے تھے اس کے سر پر کسی جن کا سایہ ہے۔"

امینہ اُسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

سیٹ پر بڑا شاندار ملاپ ہوا۔ زرینہ نے سر پر پلّو رکھ کر دھرم کے پیر چھوئے، انہوں نے بڑی شفقت سے سر پر ہاتھ رکھ کر معاف کیا۔ ہفتہ زرینہ اور دھرم کے سیٹ سے ملاقاتی بھگائے جاتے تھے۔ جرنلسٹ ٹرخا دیئے جاتے تھے۔ آج ہر خاص و عام کو اجازت تھی۔ کیمرے آنکھیں مار رہے تھے۔ مینا کماری کی شوٹنگ نہیں تھی مگر فضا کو خوش گوار بنانے کے لئے موجود تھی۔

رندھیر دونوں کو ایکشن بتا رہا تھا۔ اور دھرم بڑی بے تکلفی سے زرینہ سے ادھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔ منگلا کو پورے دن تھے مگر وہ بھی بنے کر آئی مسکرا مسکرا کر سب کو تلی ہوئی مچھلی اور راستہ کھلایا۔ دھرم زیادہ تر مینا سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر زرینہ کو قطعی نظر انداز نہیں کر رہا تھا۔ زرینہ کا کام بہت جلدی

ختم ہو گیا۔ چند شوٹ رہ گئے وہ کبھی بھی لے لئے جائیں گے۔

دھرم امتحان میں پورا اترا، جب زرینہ اور راتیل کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے انڈسٹری میں چرچے ہوئے تو بھی وہ قطعی متاثر نہ ہوا۔ بڑے کھلے دل سے ان کے فلمی رومان اور راتیل کی بیوی کی واویلا، واویلا پر چٹکلے چھوڑتا بلکہ کچھ زیادہ ہی دلچسپی لیتا کہ اکثر لوگوں کے چہروں پر ہنسی میکانکی ہو جاتی۔

منگلا نے بیٹی کو جنم دیا تو وہ خوشی سے ناچ اٹھا، پورے اسٹاف کو تین مہینے کا بونس دیا۔ بیٹی پر وہ بے طرح عاشق ہو گیا۔ اُس نے جوہو پر جو نیا بنگلہ خریدا اسی میں ہی ایک حصّہ دفتر کے لئے سجا دیا گیا۔ اب وہ زیادہ تر گھر پر ہی کام کرتا۔ صبح اُٹھ کر پھلوں کا رس پیتا پھر یوگا کے آسنوں کی مشق کرتا یا بیڈمنٹن اور ٹینس کی پریکٹس کرتا جس کے لئے باقاعدہ ایک کھلاڑی نوکر رکھا گیا۔ صحت اچھی رہے تو دماغ بھی چوکس رہتا ہے۔ رندھیر کی فلم "کلپنا" بہت ٹھنڈی گئی مگر کلاس مانی گئی۔ زرینہ کی بے وجہ غیر حاضری بے طرح کھٹکتی تھی۔ مدراس کا معاملہ ڈائرکشن کے لئے نہیں پٹا۔ وہ منظر نامہ اور مکالمے لکھ رہا تھا۔ دھرم ہی ان فلموں کا ہیرو تھا۔ اس نے مدراس کا کام اسی شرط پر لیا تھا کہ رندھیر لکھے گا۔ ساتھ میں وہ اپنی بھی تیاری کر رہا تھا۔ وہ جہاں جاتا لوگ کہانیاں لے کر ٹوٹ پڑتے۔ دھڑا دھڑ کہانیاں خریدی جانے لگیں۔

بات پر اڑ جانے کی عادت تو بہت پرانی تھی۔ اور یہی شاید اس کی کامیابی کا راز تھا کہ وہ ایک بات طے کر لیتا، پھر خواہ کتنی بھی ناممکن کیوں نہ ہو وہ اسے عملی جامہ پہنا کر دم لیتا۔ اب وہ اس بات پر اڑ گیا کہ کوئی بات طے نہیں کرے گا۔ اتنی بے تکی غلطیاں کرنے کے بعد اُسے اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں رہ گیا تھا۔ روز نئی کہانیاں پاس ہوتیں اور رد کر دی جاتیں۔ اکثر تو معاہدہ ہو جاتا تھا پھر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا اور پورا معاوضہ دینا پڑتا۔ ہر نیا حریف زبان کہانی کار منتخب کی ہوئی کہانی کی دھجیاں اڑا آتا۔ اپنی کہانی کے جھنڈے گاڑتا اور ایڈوانس لے کر کام شروع کر دیتا۔ پھر تو لوگوں نے اس کے سر وہ کہانیاں بھی منڈھ دیں جو پہلے کہیں بیچ چکے تھے یا بن رہی تھیں۔ کیونکہ یہ تو معلوم تھا دو چار روز بعد رد کر دی جائے گی۔ ایڈوانس ہی ہاتھ آئے گا۔

رات گئے تک دھرم کے کمرے میں لوگ جمع رہتے تھے دوسرے لولیتا چھوٹی تھی۔ اس لئے منگلا کا بیڈ روم بچوں کی نرسری سے ملا ہوا بالائی منزل پر تھا۔ کبھی وہ دھرم کے کمرے کا چکر لگا جاتی کہ شاید کسی کو کچھ ضرورت ہو، کبھی دوستوں سے جلدی چھٹکارا مل جاتا یا سب کے سب کسی مفت کی پارٹی میں چلے جاتے اور وہ اکیلا رہ جاتا۔ کیونکہ وہ پینے پلانے کی محفلوں سے دور رہنا چاہتا تھا تو وہ منگلا کے کمرے میں چلا جاتا، اگر وہ سوتی ہوتی تو جگانا نامناسب سمجھ کر لوٹ آتا۔ یا وہ ہی کچھ موڈ میں نہ ہوتی اور ٹال دیتی۔ وہ فرماں بردار شوہر کی طرح ٹل جاتا۔

اجنبیت بڑھتی گئی۔ ضرورت گھٹتی گئی۔

عورت سوکنوں کا پانی پی کے پھر سے ستونتی بننا چاہے تو نہیں بن سکتی۔ مگر مرد کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ تو دیوتا ہے۔ بیوی پھر اس کی پوجا پاٹ شروع کر دیتی ہے۔ شاید پوجا کرنے لگتی ہو۔ مگر ویسی والہانہ محبت کی موت ہو جاتی ہے۔

مگر چونکہ وہ محکوم ہوتی ہے، شوہر اسے روٹی کپڑا دیتا ہے، اس نے تیاگ رما بن جاتی ہے۔ عجیب خصلت ہے عورت کی۔ جب اس کا پتی اسے چھوڑ کر دوسری کا ہو رہتا ہے۔ پتہ نہیں یہ وہ اس کی چاہ میں کرتی ہے یا اس کا سرور ٹھنگ کرنے کے لئے اودھم جوتتی ہے۔

اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ دل سے اسے کبھی معاف نہیں کرتی۔ اگر وہ دوسری عورت کو چھوڑ کر واپس آجائے تو وہ اسے اس کا فرض سمجھتی ہے اور اگر عورت ٹھکرا دے تو پھر وہ اسے قطعی ناکارہ اور فضول انسان سمجھنے لگتی ہے۔ اس کی ناک چوٹی تو کاٹ نہیں سکتی کہ مرد ان جھمیلوں سے آزاد ہوتا ہے، بس اس کی وقت بے وقت کرکری کرنے پر تلی رہتی ہے۔

منگلا ہنسی ہنسی میں اسے چھوٹے چھوٹے نشتر چبھایا کرتی۔ جان بوجھ کر [illegible] کی شکل صورت اور ذہانت کی تعریفیں کرتی۔ اس کی کم عمری پر جھگڑنے لگتی۔ اسے زرینہ کے لئے ہر لحاظ سے موزوں ثابت کرتی۔

انیل کتنا سمجھدار ہے، کتنا بھولا ہے۔ منگلا کی کتنی عزت کرتا ہے۔ اس کا ایک ایک ریکارڈ جمع کر کے رکھ چھوڑا ہے۔

یہ بات نہیں تھی کہ دھرم کو رشک آتا تھا، وہ برابر منگلا کی ہاں میں ہاں ملاتا۔

"کیا نشافٹ خوشنگ ہوتی ہے بھئی۔ نہیں کہ بہنیوں رسی ہر سیل چل رہے ہیں۔" وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکراتی۔ فضا مکدر ہونے لگتی۔

"زرینہ کی ساری ہیکڑی ختم، انیل بالکل لفٹ نہیں دیتا۔ وہی مسکہ لگائے جاتی ہے انیل کے۔ وہ بیچارا مجھے بہت ہی مانتا ہے، بس اتنا سا منہ نکل آتا ہے۔ مجھے تو آنچل پھیلا پھیلا کر کوستی ہوگی۔ میری وجہ سے ہر جگہ کھنڈت پڑتی ہے۔" دھرم کھسیانی ہنسی سے سب جھیلتا رہتا۔ اس پر وہ اور سلگ اٹھتی۔ لوگ کوئی عذر کر کے سرکنا شروع کر دیتے، آخری ملاقاتی کے ساتھ وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ کبھی تو دھرم کو ایسا معلوم ہوتا وہ صرف اس کے ملاقاتیوں کو تتر بتر کرنے آئی تھی۔ جب یقین ہو گیا کہ سب جا رہے ہیں تو چل دی۔۔۔
۔۔۔ تاکہ وہ تنہا رہ جائے۔

مدراس میں فلم شروع ہوئی تو دھرم کی جان میں جان آئی۔ وہاں بمبئی کا ہر قابل ذکر فن کار کوئی نہ کوئی طریقہ نکال کر پہنچ جاتا۔ مدراس کی فلمیں جو جنوبی اداکاروں کو لے کر بنائی گئی تھیں۔ دو تین تو کامیاب ہوئیں پھر متواتر فلاپ ہونے لگیں۔ لہٰذا انہوں نے نہایت بے رحمی سے جنوبی اداکاروں کو نظر انداز کر کے بمبئی کے فلم اسٹار اور میوزک ڈائرکٹر منہ مانگے داموں پر لے کر ہٹ فلمیں بنانی شروع کر دیں۔ بس پھر کیا تھا ہر آرٹسٹ مدراس کی طرف مڑ گیا۔ دھرم نے بھی دو کانٹریکٹ کر لئے تھے، کیونکہ مدراس سے معاوضہ زیادہ اور وقت پر ملتا تھا۔ بمبئی کی طرح قسطوں پر فلمیں نہیں بنتیں۔ بمبئی میں چند پروڈیوسروں کو چھوڑ کر زیادہ تر ڈسٹری بیوٹر کی دی ہوئی قسطوں سے فلمیں بناتے ہیں اور اکثر فل کوآپریشن مانگتے ہیں یعنی پیسے فلم کی ریلیز پر ملیں گے۔ اگر مدراس کے پروڈیوسر نہ میدان میں آجاتے تو بمبئی کے فلم اسٹار بھوکے مر جاتے۔ جیسے زیادہ تر پروڈیوسر کڑکے ہو چکے تھے وہی حال ان کا ہوتا۔ کم از کم دھرم کو تو پھر سے مدراس نے زندگی بخش دی۔ یار لوگ وہاں اندر کا اکھاڑا جما کر جی بھر کے داد عیش دیتے ہیں۔ بیویوں اور داشتاؤں کی روک ٹوک سے وقتی طور پر جان بچ جاتی ہے۔ منگلا نے اپنی نخوت کے نشے میں چور ہو کر اسے نکما بنا ڈالا تھا۔ وہاں پھر سے شراب شروع ہو گئی۔ بے حیا قسم کی

لڑکیوں نے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس بخش دیا۔ وہ اس کے پیسے ہی کی نہیں مردانگی کی بھی قائل ہو گئیں۔

دھرم اگر چاہتا تو دوسرے اداکاروں کی طرح اپنی ایکٹنگ کی آمدنی پر ہی عیش کر سکتا تھا۔ بڑے فلم اسٹار کی مدراس میں بھی خاصی حکومت چلتی ہے۔ وہ اپنی مرضی کی ہیروئن، میوزک ڈائریکٹر، گیت نگار اور ٹیکنیک کی فرمائش کر سکتا ہے۔ چاہے تو اپنی ہی پسند کے دوسرے آرٹسٹ بھی لے لے۔ جیسے وہ بمبئی میں ڈکٹیٹر کے حقوق رکھتا ہے اور انھیں عملی جامہ پہناتا ہے، اسی طرح ایک حد تک اس کی پوزیشن کے مطابق وہاں بھی اس کی چلتی ہے۔ مگر دھرم کو اپنے اسٹاف سے بڑا لگاؤ تھا۔ بمبئی کی اس افراتفری زندگی میں دھرم جیسے پروڈیوسر کا وجود نہ جانے کتنے خاندانوں کا سہارا ہے۔ مدراس میں فلمیں لے کر وہ اپنے اسٹاف کو اسی طرح چلاتا رہا۔ اپنے پروڈکشن کے لیے فلم بنانا اشد ضروری تھا۔

مدراس سے وہ متواتر بمبئی آتا رہتا۔ یہاں پھر ایک فلم شروع کر دی۔ اس دفعہ اس نے گھر سے دفتر بھی واپس اسٹوڈیو میں منتقل کر دیا کیونکہ اب منگلا نے اس کے وجود کو قطعی نظرانداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ کئی کئی دن اسے منگلا کی صورت بھی نہ نظر آتی۔ پدما کی محفلیں دوبارہ جمنے لگیں۔

ادھر منگلا کچھ ضرورت سے زیادہ پینے لگی۔ ریتا اور رمی کا رشتہ بس روپے کا رہ گیا تھا۔ اس نے الگ فلیٹ لے لیا تھا۔ جہاں وہ آزادی سے دادِ عیش دیتا تھا۔ ریتا اور دونوں بچے منگلا کے قریب ہی الگ رہتے تھے۔ کبھی منگلا کی کسی اوٹ پٹانگ قسم کے دوست سے بہت پینگیں بڑھنے لگتیں تو منگلا اکیلی بیٹھی بوتل سے جی بہلایا کرتی۔ لتا اور محمد رفیع کی کچھ ان بن سی تھی۔ اس لیے بہت سے دوگانے اسے رفیع کے ساتھ ملے۔ ریکارڈنگ ریہرسل میں ذرا زندگی کا کچھ مصرف نظر آنے لگا۔ دھرم سے اجازت لینے یا اصلاح لینے کی نہ اب ضرورت محسوس ہوتی تھی اور نہ موقع ہی ملتا تھا۔ محمد رفیع سے اس کا کافی میل جول بڑھا، لیکن انڈسٹری نے ان کے بارے میں کوئی فضول قسم کی افواہ نہیں اڑائی۔ دھرم خود آوارہ منش تھا مگر اس نے بھی کبھی کوئی خیال نہیں کیا۔

مگر قسمت میاں بیوی کے بچے کھچے رشتے کو بھی ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ انہیں دنوں اپنی نئی فلم کے گانے دھرم نے بجائے رفیع کے مہندر کپور سے لیے۔ یہ بات منگلا کو بھی ناگوار گزری۔ حسبِ عادت اس نے مہندر کپور کے ساتھ گانے سے انکار کر دیا۔ دھرم نے چپ چاپ گانے آشا سے لے لیے۔ منگلا نے بھی کوئی پرواہ نہ کی۔

رندھیر کی فلم کلپنا فلمی میلے میں جرمنی بھیجی گئی۔ اس کے سلسلے میں دھرم اور رندھیر کو بھی بلاوا آیا۔ چونکہ زرینہ بھی جا رہی تھی۔ اس لیے اس نے دھرم سے کہا کہ منگلا کو بھی لے جانا چاہیے۔ دھرم گانوں کے معاملے میں زیادتی کر چکا تھا۔ اس لیے منگلا سے کہا کہ تم بھی چلو۔ رندھیر نے بھی بہت زور دیا کہ وہ ڈیڈو کو بھی لے جائے گا، لیکن اگر وہ نہ گئی تو ڈیڈو اپنی حماقتوں سے اس کی وہاں ناک کٹوا دے گی۔

”بھائی ذرا دس بارہ اچھی ساڑھیاں بھی خرید وا دو۔“ اس نے بڑی خوشامد سے کہا۔ منگلا بھی راضی ہو گئی۔ کیونکہ ارادہ تھا کہ وہاں سے انگلینڈ اور یورپ بھی جائیں گے۔ ایسے موقعے روز روز کہاں آتے ہیں۔ منگلا نے سب کچھ بھول بھال تیاریاں شروع کر دیں۔ شام کو محمد رفیع نے فون کیا کہ ہفتے کو ناگ پور جانا ہے۔ پرائم منسٹر فنڈ کے لیے روپیہ جمع کرنا ہے۔ منگلا نے کہہ دیا اس کا جرمنی جانا بہت ضروری ہے۔ بڑے زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ان دنوں گورنمنٹ نے باہر جانے پر سخت پابندی لگا رکھی تھی اور چونکہ بلاوا صرف دھرم اور رندھیر کا تھا، اس لیے منگلا اور ڈیڈو نہیں جا سکتی تھیں۔ بڑی دوڑ دھوپ کی مگر وقت نہیں تھا۔ دھرم نے کہا وہ بھی نہیں جائے گا، تو رندھیر نے کہا وہ اکیلا جا کر کیا بھاڑ پھوڑے گا۔

”نہیں بھئی اپنی فلم جا رہی ہے۔ آپ لوگوں کا جانا بہت ضروری ہے۔“ کیشو نے رائے دی۔

”نہیں منگلا نہیں جا سکتی اس لیے میں نہیں جاؤں گا۔“

”ارے تو کیا ہوا، تم چلے جاؤ۔ ولایت بھاگا تھوڑی جاتا ہے پھر چلے جائیں گے۔“ منگلا نے اصرار کیا، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ زرینہ

اور امینہ انگلینڈ گئی ہوئی ہیں۔ وہاں سے وہ بھی جرمنی جائیں گی۔ منیا کو اس کے پتی دیو نے نہیں جانے دیا۔ کیونکہ ان کا بھی بلاوہ نہیں تھا۔ بیچاری رو پیٹ کے چپ ہو گئی۔

رتیا کے نئے دوست سے اسی دن لڑائی ہوئی تھی جس روز یہ لوگ جرمنی روانہ ہوئے۔ وہ اپنا غم دل سنانے منگلا کے پاس آئی۔ دونوں دل جلی رات گئے تک پیتی رہیں۔ ایک دوسرے کو اپنی دکھی داستان سناتی رہیں۔ پھر سے زخم تازہ ہوئے اور کوئی مرہم نہ تھا انہیں بھرنے کے لیے۔ رتیا نے آیا کو فون کر دیا کہ وہ صبح آئے گی۔ اور وہیں سوئے گی۔ دراصل جانے کا دم بھی نہ تھا صبح سر میں ایسا درد تھا کہ پھٹا جا رہا تھا۔ دونوں نے پھر تھوڑی سی سہارے کے لیے پی اور پیتی ہی گئیں۔

بات بگڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ کسی پھرتیلے فوٹوگرافر نے دوسرے ہی دن اخبار والوں کے لیے وہاں کھینچی ہوئی تصویریں بھیج دیں۔ اور جب وہ تصویریں چھپیں تو منگلا پر جیسے بجلی گر پڑی۔ رتیا کو تو اس کا دوست سمیٹ کر لے گیا تھا۔ بچے پارک میں کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویریں دیکھتی رہی۔ یہ تصویریں دھرم اور زرینہ ساتھ تھے۔ چالاک فوٹوگرافر نے امینہ اور رندھیر کو اس چالاکی سے کاٹا تھا کہ ان کے وجود کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ اور کچھ اشارے کنائے میں چھپے بھی گئے تھے۔ پرانی کشیدگی کا بھی ذکر تھا۔ منگلا کی عدم موجودگی کا حوالہ بھی دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا دھرم قصداً اسے نہیں لے گیا تاکہ وہاں دونوں گلچھرے اڑا سکیں۔ کئی بار جی چاہا گلاس میں ساری کی ساری خواب آور گولیاں انڈیل کر اس کرب اس جانکنی کی حالت کا خاتمہ کر ڈالے کہ پیچھا چھوٹے۔

مگر پھر سوچا۔ یہ تو وہ دونوں چاہتے ہی ہیں۔ نہیں اس جنم میں تو انہیں خوش نہیں کرنا ہے۔ مگر جب لے جانے کا ارادہ نہیں تھا تو اس نے کہا کیوں تھا۔ شاید اس لیے کہ میں ناگپور نہ جا سکوں۔ میرا پروگرام منسوخ کر کے خود چلا جائے۔ محمد رفیع سے بیر ہے، اس لیے کہ وہ مجھے کام دلوا دیتا ہے تو شرما جی کی ہتک ہوتی ہے۔ "تمہیں کیا ضرورت ہے کام کرنے کی، روپے کی تنگی ہے کیا؟" وہ کئی بار کہہ چکا ہے۔ اتنے بڑے فلم سٹار اور پروڈیوسر کی بیوی کام کی محتاج! اپنی کمپنی

سے تو معاملہ ختم ہی ہو گیا۔ باہر کام نہ کروں، ختم ہو جاؤں، مٹ جاؤں۔ مجھ سے نفرت، میری کلا سے نفرت۔ صبح رفیع کی پارٹی ناگپور جا رہی ہے۔ ابھی وقت ہے اس نے فوراً فون کیا۔

"مگر وہاں گاؤں گی کیا، کچھ تیاری بھی نہیں کی ہے۔ رہنے ہی دو۔"

"ارے نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں چلنا پڑے گا۔ کچھ بھی گا دینا۔"

"میری تو کاپی بھی دفتر میں کہیں پڑی ہے۔"

"بچوں کے پاس گانوں کی کتابوں میں دیکھتا ہوں۔ اور وہ گانا جو مدراس میں وہ کون سی فلم تھی اس کے لیے ریکارڈ کیا تھا، وہ تو یاد ہی ہوگا۔"

"ابھی تو یاد نہیں، کون سا؟"

رفیع نے حوالہ دیا، گنگنا کر یاد دلایا۔

"ہاں ہاں"، منگلا نے بھی گنگنا کر یاد کیا۔

"کوئی نوکر بھی نہیں ہے اس وقت سب سو رہے ہیں، میں خود لے کر آتا ہوں ابھی۔"

رفیع اور منگلا ڈیڑھ بجے تک ہارمونیم پر ریہرسل کرتے رہے۔ کئی پرانے گانے یاد آ گئے جو دونوں نے ساتھ گائے تھے۔ پھر منگلا کا وہ بھجن بھی یاد آ گیا جو اس نے "پورنما" میں گایا تھا، گنگنانے لگی۔

"ہائے کیا سوز ہے اس گانے میں، بڑے جی سے گایا ہے۔"

"جی کو لگی جو تھی۔" منگلا نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اس نے اخبار رفیع کے سامنے ڈال دیئے۔

"ہوں" رفیع دکھی ہو گیا۔

"جبھی تو میرے جانے کا سارا معاملہ ٹھپ کر دیا۔"

"انتہا ہے حماقت کی۔ بال بچوں والا آدمی یوں واہی تباہی بکے، پھر تم کیوں اتنا دل چھوٹا کرتی ہو۔ تمہاری کلا کا بھی تمہارے اور کچھ حق ہے۔ اس پروگرام کے بعد ہمارا ارادہ اپنی ٹروپ کو لے کر یورپ کے دورے پر جانے کا ہے۔ پچھلی دفعہ بیرون میں بہت اچھا پروگرام رہا۔ ضرور چلنا۔"

دیر تک گلے شکوے ہوتے رہے پھر چونکہ صبح جلدی اٹھنا تھا، رفیع

سونے کی ہدایت کر کے چلا گیا۔

منگلا روتے روتے تھک گئی تب آدھا گلاس وہسکی میں خواب آور گولیاں ڈال کر غٹاغٹ پی گئی۔

۱۲

دھرم کو پلین ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بھی آ رہی ہے۔ بڑی زندہ دلی اور لاپرواہی سے ہنس دیا۔

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے، انگلینڈ گئی ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد بے تعلقی سے پوچھا۔

"ہاں امینہ اور وہ پرسوں ہی پہنچ گئیں۔"

"مگر یہ کیا تماشہ ہی ہے کہ بیچ میں آ گئے۔"

"اماں میلے ہی میں شرکت کی غرض سے آئی ہیں۔ امینہ کو اجازت نہیں مل رہی تھی۔ کیونکہ اس کا ارادہ نہیں تھا۔"

"تو پھر کیسے آ گئی؟" دھرم بولا۔

"دو مہینے پہلے بھاگ دوڑ مچائی۔ زرینہ نے کہدیا اکیلی نہیں جائے گی۔ لڑکی کو ایک ساتھی کی اجازت مل جاتی ہے۔ مینا کو بڈھے نے آنے دیا ہوتا تو پھر کوئی بات نہیں تھی۔ چونکہ وہی اکیلی لڑکی ہے۔ اس لئے......"

"تو کیا ہر میٹنگ میں بھی اسے گھسنے کی اجازت ہو گی؟"

"کیوں بھائی قصہ کیا ہے؟" زبیر نے اسے غور سے دیکھ کر پوچھا

"ارے کچھ بھی قصہ نہیں۔"

"دیکھو بھئی اگر تم نے یہاں پر لسپارے تو خدا قسم......"

"اپنے ہٹ خواہ مخواہ کے طومار جوڑ رہا ہے۔" بات ٹل گئی مگر رندھیر کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اگر پھر سے بات چل نکلی تو سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔ جب زکام ہونے والا ہوتا ہے تو چھینکیں آتی ہیں۔ دھرم کو رندھیر برسوں سے جانتا تھا۔ اس کی رگ رگ سے واقف تھا کبھی تو اسے یہ بھی پتہ ہو جاتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ دھرم کو زرینہ بخار ہونے والا ہے۔ چھینکیں آ رہی ہیں۔ زبان بند ہے مگر آنکھیں بول رہی ہیں۔ آپ ہی آپ مسکراتا ہے، پھر غم کے بادل امڈتے ہیں، پھر ہنس دیتا ہے۔ پھر کہیں کھو جاتا ہے۔ رندھیر کو معلوم ہے وہ دل ہی دل میں اپنی محبوبہ سے مل رہا ہے۔ بچھڑ رہا ہے۔ روٹھ رہا ہے پھر من رہا ہے۔ وہ اس کے دماغ میں کبھی پھول کھلاتی ہے کبھی کانٹے بھونک دیتی ہے۔ کبھی انگ انگ میں رس بھرتی ہے کبھی زہر گھول دیتی ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا اور لرز رہا تھا۔ یورپ کی سیر بھنگ ہوتی صاف نظر آ رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" دھرم نے زرینہ کو دیکھ کر رسماً کہا۔

"اچھی ہوں، آپ تو بہت بزی ہیں نا، نئی پکچر شروع ہو گئی نا، انگلینڈ میں بہت مزہ آیا۔ میں نے کہا آؤ اینہ آپا یہاں کھو جائیں۔ ...... وہ چہکتی رہی۔ یہ نہیں چاہتی کہ دھرم کچھ کہے، کیا بھروسہ ہے کیا کہہ دے اور وہ سٹ سے غائب ہو گئی۔

دھرم کے ماتھے پر نمی آ گئی۔

"نہیں اس سردی میں پسینہ ہرگز نہیں آ سکتا۔" رندھیر نے خود کو یقین دلایا۔ "چہل پہل سے چہرے پر رونق آ گئی ہے۔" مگر وہ اپنے کو دھوکا نہ دے سکے۔ جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے ویسے ہی دھرم بے ہوش بے سدھ بھرے مجمع میں بھوکی بھوکی نظروں سے ڈھونڈتا ہوا، نامعلوم کسی غیر مرئی ڈور سے بندھا ہوا چلا جا رہا تھا۔ نہ اسے نو نو گز افسروں کا خوف تھا نہ دیس بدیس کے مہمانوں کی پرواہ۔ وہ سب کو دھکیلتا، دھکے کھاتا، اس کے قریب پہنچ جاتا وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی رعنائیوں کا عذر کر کے بھرے مجمع میں کھو جاتی، مگر اس کی چھٹی حس اسے پھر وہیں کھینچ لاتی۔ وہ اس کے پیچھے ایسے بھاگ رہا تھا جیسے ماں اپنے تازہ پاؤں پاؤں چلتے بچے کے پیچھے باہیں پسار کے بھاگتی ہے۔ اس نے

دیکھا اور ٹھٹک کر سانس روک لی، بچہ خندق کے کنارے ڈگمگا رہا تھا۔

دھرم نے اس کے شانے کو چھوا اور جب مڑی تو اس کے سامنے ہتھیلی پھیلا دی۔

صدیاں بھاگتی دوڑتی گزر گئیں۔ قرن بیت گئے۔

وہ مٹھیاں بھینچے اس کی ہتھیلی کو گھور رہی تھی۔

"وہ دیکھو——" اینہ نے اسے گھسیٹ کر اپنے آگے کر لیا۔ اور آنکھیں موندے فواروں کے قریب چھوٹتی ہوئی آتشبازی دیکھتی رہی۔

دھرم نے مٹھی بند کر کے جیب میں ڈال لی۔ اس کی نرم نرم آنکھوں میں آتشبازی کا عکس دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔

وہ رات رندھیر نے محاذ پر گزاری۔ معلوم ہوتا تھا اس کے سر پر بار بار بم پھوٹ رہے ہیں۔ اسے دھرم کے پاگل پن میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اس نے کبھی ایک انسان کو بغیر خون کی ایک بوند بہائے یوں پھڑ پھڑاتے نہیں دیکھا تھا۔

"رندھیر وہ بے وفا نہیں، میرے دوست تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، یک طرفہ شعلے نہیں ہو سکتے۔ میرے یار میرے سینے میں بڑی جلن ہے۔ جیسے کوئی ناخونوں سے کھرچ رہا ہے۔ تم مجھے ڈانٹتے کیوں نہیں گالیاں کیوں نہیں دیتے کچھ تو کہو، شاید میرا دھیان بٹے۔ شاید دل میں غیرت جاگ اٹھے تب اس جلن پر شاید چھینٹا پڑ جائے۔" پھر وہ ایک دم دیوار پر ہاتھ رکھ کر خود سے کہنے لگا۔ "وہ اسی ہوٹل میں ہے۔ یہ دیوار پھر دیوار—— دیوار ہزاروں دیواروں کے بعد وہ ادھر ہے۔ کیسے تعجب کی بات ہے! ہے نا؟" وہ بڑے پیار سے دیوار پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ جیسے وہ سمنٹ کی سرد کاٹ نہیں محبوبہ کا نرم و لچک دار جسم ہو۔

"سنو..... ٹھیک سے یہاں بیٹھو، اگر تمہیں اتنا یقین ہے تو پھر کیا مشکل ہے؟" رندھیر نے اسے پھسلا کر پلنگ پر بٹھایا "تو پھر خواہ مخواہ کیوں بلبلا رہے ہو۔ صبح میں....."

"صبح نہیں،"

"ایسے کیا جوتے کھلوائے گا۔ معلوم ہے تین بجے ہیں۔ مجھے اس کے کمرے کا نمبر بھی نہیں معلوم۔ صبح میں بات کروں گا۔ امینہ سے بات کروں گا۔ میں صاف کہہ دوں گا۔۔۔۔۔" وہ ایک دم رک گیا۔ اسے قطعی کچھ نہیں معلوم تھا۔ کہ کیا صاف کہہ دے گا۔ مگر وہ بولتا چلا گیا۔ "اور بھی جب وہ بھی ـــ"

"تو تم جانتے ہو نا کہ وہ بھی۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے دل سے تو۔۔۔۔"

"ہاں ہاں یار اس میں کیا شک ہے۔" رندھیر نے اسے ٹھنڈا کرنے کو کہا۔

"مگر دیکھو میاں پردیس میں اپنا کھیل نہیں بنے گا۔ سمجھے اپنی ڈگنٹی میں فرق نہ پڑے ـــ ہاں!۔۔۔۔۔ اور دیکھو یوں بیکار ہڑبڑانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یوں تو بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔" اس نے بڑی نرمی سے کہا۔

"بگڑ جائے گا۔" دھرم پر پھر لرزہ چڑھا۔

"میرا مطلب ہے خواہ مخواہ۔۔۔۔۔ دنیا بھر کے لوگ جمع ہیں۔ تم اتنے بڑے پروڈیوسر وہ ایک معمولی ایکٹریس۔ بات حساب سے ہونی چاہیے۔ تم بالکل بے فکر ہو کے آرام کرو۔ میں سب ٹھیک کروں گا۔ ہاں۔" رندھیر نے اسے کمبل اڑھا دیا۔ ایسا لگا جیسے وہ ایک دم سو گیا۔

"یار رندھیر۔" اس نے ایک دم سہمی ہوئی آواز میں کہا "وہ منگلا۔۔۔۔۔ منگلا کا کیا ہوگا۔"

رندھیر اتنا تھکا ہوا نہ ہوتا تو وہ اسے قتل کر کے پھانسی پر جھول جاتا۔

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ ان کا اس میں کیا دخل۔۔۔۔۔۔ اچھا یار سو جاؤ ورنہ ہم صبح اٹھ نہ پائیں گے اور وہ لوگ گھومنے گھمانے نکل جائیں گی۔ بات ٹل جائے گی۔" اس نے پھسلا دیا اور۔۔۔۔۔۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو دھرم غسل خانے میں شیو کر رہا تھا۔ وہ سر پٹا کر لپکا۔ آدھے راستہ میں یاد آیا کہ بجلی کا شاور ہے اور وہ اپنی حماقت پر چڑھ گیا کمبخت پاگل کے ساتھ رہ کر وہ خود پاگل ہوتا جا رہا تھا۔ دھرم کی "ہاتم ہتیاؤں" نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

بڑی مشکل سے امینہ ہاتھ آئی۔ رندھیر نے بالکل عاشقوں کی طرح اس کے گرد طواف کرنا شروع کیا۔ جی تو چاہ رہا تھا ایک مکہ رسید کرے اور کہے چل اٹھ اور

سن مجھے بہت ضروری باتیں کرنا ہیں۔ مگر اس نے ضبط کیا اور ادا سے رسان رسان کھسکا کر ایک میز کے پاس لے گیا۔ جلدی سے کافی کا آرڈر دیا اور بڑے ہی خلوص اور چاؤ سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔

"امینہ تم اس نورٹم سے طلاق کیوں نہیں لے لیتیں۔"

"ارے یہ صبح صبح مجھے طلاق کیوں دلوانے لگے۔" مگر وہ خوش ہو گئی کہ کوئی اس کے میاں کو برا کہتا تو وہ بڑی دلچسپی سے سنتی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"طلاق لے کے کیا کروں۔" وہ ہنسی۔

"شادی۔"

"دو دو بالکوں سے؟ چیونٹیوں بھرے کباب سے کون شادی کرے گا؟"

"ساری دنیا میں تمہیں کوئی "کون" ہی نظر نہیں آتا۔ ایک میں میاں امجد علی عرف رندھیر۔۔۔۔ نام سنا ہوگا؟"

"جی کچھ یاد تو پڑتا ہے مگر سنا ہے وہ تو۔۔۔۔۔ ان کے تو بیوی۔"

"اسلام چار کی اجازت دیتا ہے۔"

"اوہ، دو تو آپ فرما چکے۔۔۔۔۔۔ اب تیسری اور کہیں کر ڈالیے، پھر چوتھی کے بارے میں سوچا جائے گا۔ سنا ہے لوگ آخری بیوی چاہتے ہیں۔ مگر رندھیر صاحب کیوں ادھر ادھر کی باتوں میں وقت برباد کر رہے ہیں۔ اگل دیجیے نا۔"

"اگل دوں؟"

"اب میں اتنی بھی ننھی نہیں ہوں کہ یہ یقین کروں کہ صبح صبح میری طلاق پر تبصرہ کرنے کے لئے یہاں لائے ہیں، مجھے۔۔۔۔ میرا مطلب ہے ہمیں پرکاش جی نرا گھمانے لے جا رہے ہیں۔ اس لئے ـــ"

رندھیر نے زیادہ تکلف مناسب نہ سمجھا اور اگلنے لگا۔ وہ چپ سنتی رہی۔ بٹوا کھولتی بند کرتی رہی۔ رندھیر کے اعصاب جواب دینے لگے۔

"مجھے ان سے بڑی ہمدردی ہے۔" اس نے الفاظ تول کر کہا "مگر یہ تو پتہ چلے کیا چاہتے ہیں۔"

"بیٹی، یہاں اتنی لمبی چوڑی داستان سنا ڈالی اور آپ کو یہی پتہ نہیں۔"

"دیکھئے وہ جو آپ سوچ رہے ہیں اس کا جواب میرے پاس نہیں۔ اسی سے پوچھئے لیکن اگر۔۔۔۔"

"اگر کیا؟"

"اگر شادی کا خیال ہے تو۔۔۔۔"

"شادی!" رندھیر ضبط نہ کر سکا۔

"آپ تو ایسے بدکے جیسے کبھی شادی کا لفظ نہ سنا ہو" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ حالانکہ ماشاء اللہ سے۔۔۔۔۔

"اور منگلا" رندھیر کا خون کھول گیا۔

"ارے آپ انجان کیوں بن رہے ہیں، ان کے بارے میں تو سوچنے کے بعد ہی کچھ طے کیا ہوگا۔"

"اور بچے!"

"اوہ بچے کس کے نہیں ہوتے، کیا آپ کے بچے نہیں تھے۔ آپ نے جب دتو سے بیاہ کیا تھا تو اپنی بیوی کے بارے میں جو سوچا تھا بس وہی —— رندھیر صاحب زرینہ میری بہن ہے۔ اس کی جگہ آپ کی بہن ہوتی تو آپ کیا جواب دیتے۔"

رندھیر کی آنکھوں میں خون اتر آیا، آپا بی یاد آگئیں۔

"ہیں اپنے بہت مقدس معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کا منہ بہت سرخ ہو رہا ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں نہ جانے کیا سمجھ رہے ہوں گے۔" وہ اٹھنے لگی۔

"یہ میری اپنی رائے ہے۔"

"اور زرینہ کی؟"

"وہ زرینہ جانے۔" وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

جب رندھیر نے گالیوں کے کلی ٹھنڈے لگا کر دھرم کو سب باتیں بتائیں

تو وہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ بڑی فرماں برداری سے گالیاں سنیں جھینپی ہوئی نظریں اٹھائیں۔ آنکھوں کے کونے پر موتی کانپ رہے تھے۔ جب وہ اپنے سے باتیں کر رہا تھا تو باہر فواروں کے پاس زرینہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ فوراً آنو تو گرا مر

ٹوٹ پڑے۔ وہ اسے بڑی مشکل سے بچا کر نکال لایا اور پھر وہ وزن دیکھنے کی مشین میں سکے ڈال کر کارڈ دیکھنے لگے

"یہ دیکھو" دھرم نے مٹھی کھول دی۔ وزن کا کارڈ رندھیر نے اٹھا کر دیکھا۔

"یہ۔۔۔۔ ادھر پیچھے دیکھو" وہ بچوں کی طرح شرمایا۔

"بچھڑے محبوب سے ملاقات ہو۔ دل کی مراد پوری ہو" کارڈ پر لکھا تھا۔

"ابے گاؤدی، الو کے پٹھے عاشق کے بچے" اس کا جی چاہا ایک گھونسا مار کر کہے مگر ایک شرماہے، یوں معاملہ نہیں پٹے گا۔ شادی کرنی ہوگی"

"شادی!" دھرم شوق سے مفلوج ہونے لگا۔

"جی نکاح۔۔۔۔ اور مہر۔۔۔۔" رندھیر نے مہر کی تشریح کی۔

"مہر جتنا بھی کہو"

"مہر سے کام نہیں چلے گا، نکاح کرنا ہوگا مسلمان ہو کر" رندھیر غرایا۔

"اور سالے اگر اب کے تم نے بھابی کا نام لیا تو خدا کی قسم جبڑا توڑ دوں گا"

"اس کا نام لینے کا مجھے کوئی ادھیکار نہیں" وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

ویٹر نے بیر کے مگ لا کر سامنے رکھ دیئے۔ رندھیر نے بل اٹھایا مگر جب تک دھرم نے نوٹ بیرے کو پکڑا دیا۔

"کیسی خرچ" دونوں اپنے اپنے خیال میں گم بیر پینے لگے۔

"یار رندھیر۔۔۔۔۔۔ یہ نکاح کیسے ہوتا ہے"

"یہ آدمی ہے یا گھن چکر ادھر منگلا کو ٹرنک کال ملانے کے لئے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔ بچوں کے لئے کھلونے اور چاکلیٹ خرید رہا ہے۔ ادھر نکاح کی فکر میں گھلا جا رہا ہے۔" اس نے نکاح کی تشریح کر دی۔

"یار باندرہ کی مسجد میں کام بن جائے گا" دھرم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

نہ جانے کیوں رندھیر کو منگلا پر ہونے والی زیادتی پر بہت غصہ آ رہا تھا جب اس نے خود دتو سے شادی کی تھی تب اسے اپنی بیوی پر قطعی ترس نہیں آیا تھا۔

حالانکہ منگلا اس سے کچھ خوش نہ تھی یہی سمجھتی تھی کہ وہ زرینہ کی دلالی کرتا ہے۔ وہ دیر تک دھرم کو ڈانٹتا رہا۔ پھر اس کو رحم آنے لگا۔ کیونکہ وہ سر جھکائے ملامتیں سنتا رہا۔

جب رندھیر بادلِ ناخواستہ امینہ کو دھرم کا جواب دینے کے لئے کمرہ تلاش کرکے پہنچا تو معلوم ہوا وہ لوگ باہر گئی ہوئی ہیں۔ شام تک لوٹیں گی۔ پھر شام کو معلوم ہوا فرانس چلی گئیں۔ دھرم نے پیچھا کرنے کا پروگرام بنایا۔

"نہیں یار اگر معاملہ کرنا ہی ہے تو لونڈھیار سے کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی سیٹیں بک تھیں، جائیں گی کہاں۔ چلنا تو ساتھ ہی ہے۔ یہاں ہوائی جہاز کے پیچھے دوڑنے سے کیا فائدہ۔"

مگر ایرپورٹ پر پہنچنے سے معلوم ہوا انہوں نے بکنگ کینسل کروا دی۔ پتہ نہیں کب اور کس پلین سے جائیں گی۔ کچھ نہ پتہ چل سکا۔ دھرم وہیں پھیل گیا مگر رندھیر نے سختی پکڑ لی۔

ایرپورٹ پر پہنچتے ہی اسے منگلا کے ناگپور جانے کی اطلاع مل گئی۔ ناگپور کا پروگرام خاصا کامیاب رہتا۔ اگر منگلا عین وقت پر ضرورت سے زیادہ پی کر اسٹیج پر نہ آجاتی کسی کو شبہ نہ تھا کہ وہ اس حد تک عادی ہو چکی ہے، صبح سے وہ ہوٹل میں اپنے کمرے میں نیند پڑی تھی۔ جب وہ جھومتی لڑکھڑاتی اسٹیج پر آئی تو سب متحیر رہ گئے۔ اُلجھے بال، بے ترتیب کپڑے۔ اُدھر آرکسٹرا نے ساز ملائے ادھر اسے بڑے زور کی اُبکائی نے دبوچ لیا۔ مارے سڑاند کے ناکیں سڑ گئیں مشکل اُسے باہر لے گئے۔

اخبار میں ساری تفصیل کے بعد لکھا تھا کہ دھرم جرمنی گیا ہوا ہے اور شاید منگلا کا پیر بھاری ہے۔

"کیا ضرورت تھی جانے کی، میں نے منع کیا تھا" وہ ایک دم نرم پڑ گیا۔

"مجھے بتایا بھی نہیں منگلو نے۔"

"تمہیں مہلت ملے تو بتاتے۔ یار گردن اڑا دینے کے قابل ہو۔ تم جیسی اس کی بے قدری کرتے ہو وہی ہے جو برداشت کر رہی ہے۔ اور کوئی ہوتی تو

کبھی کی تمہارے جنم میں تھوک کر الگ ہوتی۔" دھرم سے وہ بے تکلف تو ہمیشہ تھا۔ مگر دھول دھپّا کا رشتہ نہ تھا۔ مگر جرمنی میں جو بیتی اور رندھیر کی اہمیت بڑھی تو وہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گیا۔ پہلے وہ اُسے جینیس مانتا تھا۔ اب ذرا شک پیدا ہو گیا تھا۔

"اب کے پھر بیٹا، اور ہم بھی ایسی سپر ہٹ فلم بنائیں گے۔ کہ دنیا دیکھتی رہ جائے گی۔" اس نے منگلا کے بیڈ پر بیٹھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"بیٹا، ہنہ، بھگوان نہ کرے۔" اس نے دھرم کا ہاتھ جھٹک دیا اور ایسے دور ہٹ گئی جیسے وہ کوئی کوڑھی ہو۔

"منگلو..."

"بابا، یہ چونچلے وہیں بگھارو جاکے۔" وہ بیڈ سے اٹھ کر سنگار میز پر جا بیٹھی دراز کھول کر اس نے گلاس میں تھوڑی سی وہسکی ڈالی اور کنگھی کرنے کے لئے چوٹی کھولنے لگی۔

"منگلا یہ سویرے سویرے۔"

"تو؟" منگلا نے جیسے اسے چڑانے کے لئے نیٹ پینا شروع کر دی۔

"یہ اچھا نہیں منگلا۔"

"کیا اچھا ہے اور کیا اچھا نہیں۔ یہ میں بھی جانتی ہوں۔ تم کیوں فکر میں گھلے جاتے ہو۔"

"منگلا ——"

"ارے بابا جاؤ نا اپنی گلبدن کے پاس۔ بڑی مشکلوں سے تو روٹھی دیوی کو منایا ہے کہیں خفا نہ ہو جائے۔"

"کیوں طوفان جوڑتی ہو۔ وہ تو پیرس سے ابھی آئی بھی نہیں۔" دھرم کے منہ سے نکل گیا۔

"جبھی میرا بھیجا چاٹنے کی فرصت مل گئی۔" وہ ننگی تلوار کی طرح کھنچ گئی۔ اور ایک بڑا سا پیگ انڈیل کر منہ سے لگا لیا۔ دھرم اس کی طرف بے بسی سے بڑھا۔

"دور۔ دور۔" اس نے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ "مجھے ہاتھ نہ لگانا

ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔

دھرم اُس کی آنکھوں کا زہر نہ برداشت کر سکا تیزی سے باہر نکل گیا منگلا نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اور کنڈی چڑھالی۔

"نہیں رندھیر ——— اب کوئی گنجائش نہیں۔ میں بھی اسے اس اکڑ کا مزہ چکھاؤں گا۔ امینہ نے کیا کہا؟"

"ملی کب جو کہتی۔"

"تم نے فون کیا؟"

"فون؟ ارے میں نے اس کی چوکھٹ کی خاک لے ڈالی۔ مگر وہ لوگ آؤٹ ڈور کی تیاریوں میں لگی ہیں۔ ملتی ہی نہیں۔ یہ گھر تو امینہ کے نام ہے۔ اس نے دوسرا فلیٹ لے لیا ہے کسی وقت نہیں ملتی۔ اس کا یہ مطلب ہے وہ لوگ وہاں ہی رہنے لگی ہیں۔ اور وہاں کا ٹیلی فون ابھی نہیں آیا ہے۔ اس کی شرطا تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ مگر یار تم ہوزے نفالی کے بینگن۔ فیصلہ تو کر لو پہلے۔"

"کر تو لیا فیصلہ۔" دھرم نے نہایت غیر فیصلہ کن انداز میں کہا

"تو پھر رتیا کے ذریعہ بات چیت کے کیا معنی۔" دھرم بے بس ہو گیا ———

"اچھا اگر تم واقعی فیصلہ کر چکے ہو تو منگلا کو طلاق دے دو۔"

"طلاق؟...... رندھیر تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ وہ میرے بچوں کی ماں ہے! میں نہایت ہی کمینہ ہوں مگر اس کے یہ معنی تو نہیں......"

"اچھا بابا... بھول ہوئی، میں واقعی بڑا گدھا ہوں۔" اس نے کہنیوں تک ہاتھ جوڑے اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"رندھیر ———" دھرم نے دوڑ کر اس کا گریبان پکڑ لیا "کہاں جا رہے ہو۔" بڑی بے بسی سے پوچھا۔

"جہنم میں۔" وہ گریبان چھڑانے لگا۔

"رندھیر! ایسے وقت میں تم بھی میرا ساتھ چھوڑے جا رہے ہو۔" اُس نے گریبان چھوڑ دیا۔

"اُف، وہ نیک بخت میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ فلم کے ٹکٹ منگوائے تھے۔"

اس کی ساری اکڑ ختم ہو گئی۔

"ہاں وہ انتظار کر رہی ہو گی۔ جاؤ۔" وہ واپس کمرے میں چلا گیا۔

"صبح آٹھ بجے پہنچ جاؤں گا۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ دھرم دراز کھول کر بوتل نکال رہا تھا۔

"جاؤ" میں تو کہیں نہیں جا سکتا، میرا کوئی انتظار نہیں کر رہا ہے۔"

رندھیر کا دل ڈوبنے لگا۔ جاتے ہوئے قدم رک کر لوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر دونوں کھڑے سوچتے رہے۔ پھر رندھیر چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ "وہ جلو ریگل میں اچھی فلم لگی ہے۔"

دھرم مسکرا رہا تھا۔

"واسو کو فون کر دو ایک سے دو بھلے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"حد ہو گئی۔" اس نے بھی ایک گلاس اٹھا لیا۔ دونوں خاموشی سے پیتے رہے۔ بالکل بات کو ٹال کر فلم کی بات کرنے لگے۔

"مالا کو اپنا رول بہت پسند ہے۔"

"بڑا جی لگا کر کام کر رہی ہے۔"

"اب تو پھر سے ڈائننگ شروع کر دی ہے۔"

"ہاں اچھا نکھر نکل آیا ہے۔"

"بہن کے رول کے لئے سوچا کچھ؟"

"کوئی جچتی نہیں۔"

"حیدر آباد چلتے ہو۔"

"کیوں؟"

"ذرا چھو کریاں دیکھیں گے۔"

"یہ کوئی نئی لونڈیا لانی ہے چلتے ہو۔" دھرم ایک دم مستعد ہو گیا۔

"یار دیر ہو جائے گی۔"

"ابھی تو گیارہ بھی نہیں بجے۔" دھرم نے پھسلایا۔

"حاجی کے ہوٹل سے تھوڑے سے کباب لیتے چلیں گے۔"

ایک دم مطلع صاف ہوگیا۔ رندھیر پانچ منٹ کے لئے اپنے گھر ٹھہرا۔ رتو کو تھپا تھپا کر آگیا۔

پدما کے ہاں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ نئی چھوکری رس ملائی کی طرح بھرپور تھی۔ بے انتہا چلبلی، دھرم کی فلمی پوزیشن سے مرعوب، رندھیر کی اہمیت سے واقف۔

"کیسی رہے گی، چھوٹی بہن کے رول کے لئے؟"

"ذرا ٹھگنی ہے۔ اور گلے بہت پھولے ہوئے ہیں۔" رندھیر کو بعض وقت سخت حیرت ہوتی تھی۔ دھرم کی نظر اس قدر تیز تھی۔ خواہ وہ کتنا بھی مدہوش ہو، بہا جا رہا ہو بالکل کیمرے کے لینس کی طرح چہرے مہرے کی پیمائش سے نہیں چوکتا۔ اس کا اندازہ کبھی دھوکا نہیں کھاتا تھا۔ زرینہ اس شدت سے اس کے حواسوں پہ چھائی ہوئی تھی پھر بھی وہ شوٹ لگاتے وقت ہمیشہ اس کے بھونڈے ہاتھوں اور پیروں سے کیمرہ دور ہی رکھتا تھا۔ عشق میں اندھا ہوتے ہوئے بھی اس کی فنی غلطیوں کی کبھی درگزر نہیں کی۔

پدما کے یہاں سے تین بجے لوٹے تو ذہن پر سے سارا غبار دھل چکا تھا۔ دھرم نے وہاں بہت کم پی، باتیں خوب اور کھل کر کیں۔ نہ جانے کیا بات تھی پدما کی صحبت میں ساری جذباتیت صابن کی طرح دھل جاتی تھی۔

جب رندھیر اسے اتار کر چلا گیا تو وہ دماغی طور پر کافی صحت مند محسوس کر رہا تھا۔ سونے سے پہلے ایک اور پیگ کے لئے دراز کھولی۔ بوتل خالی تھی۔ ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا۔ کپڑوں کی الماری میں بوتل مل گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ البم بھی مل گئی جو اسٹل تیار کرنے والے نے اسے نجی طور پر پیش کی تھی۔ جس کی قیمت اس نے اپنی مدراس کی فلموں میں اسے کانٹریکٹ دلوا کر چکائی تھی۔ اس میں صرف اس کی اور زرینہ کی وہ تصویریں تھیں جو ریہرسل کے دوران میں لی گئی تھیں۔ نہ وہ سین فلم میں جوڑے گئے تھے اور نہ ان کے اسٹل تو باہر والوں کو دکھائے گئے تھے۔

وہ صبح تک ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا سولہ ملی میٹر کا پروجیکٹر نکالا اور وہ سین دیکھتا رہا جو فلم میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ فلم گندے یا قابل اعتراض نہیں تھے۔ دو انسانوں کے درمیان خوبصورت اختلاط کے ٹکڑے تھے۔ رندھیر سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سب کو جلا دے گا۔ اور سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع

کرے گا۔ اس نے انہیں جلایا نہیں، سیف میں چھپا دیا۔

نئی فلم کا کام شروع ہوگیا۔ عجیب انسان تھا، ایک دم فلم کے خوبصورت ڈرامائی سین آجاتے تو جاگ اٹھتا، بڑی جاں فشانی سے دنیا کو بھول کر جٹ جاتا۔

پھر نہ جانے کیا ہو جاتا۔ کچھ دل کو چوٹ سی لگتی، وہ اپنے کمرے میں ہو جاتا اور شراب کی بوتل سینے سے لگائے کئی کئی دن کے لئے بے کار ہو جاتا۔ کبھی بچوں سے ملنے آتا اور منگلا سے ملاقات ہو جاتی تو دونوں کنی کاٹ جاتے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ چونکہ جونہی منگلا کو اس کے آنے کی خبر ملتی وہ ادھر ادھر ہو جاتی۔

نئے فلم کے گانوں کے بارے میں کسی نے اس سے پوچھا نہ اس نے توجہ دی۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ فلموں میں گانا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے روپے کے لئے اسے کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ دھرم اسے بہت روپیہ دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خود نہایت نکما آدمی ہے۔ منگلا ہی بچوں کے مستقبل کو سنوارے گی۔ اس لئے وہ اپنی ایکٹنگ کی کمائی تو سب کی سب اسی کو دے دیتا تھا۔

منگلا اپنے خاندان کے بعد اگر کسی چیز سے دلچسپی رکھتی تھی وہ تھا اس کا گانا۔ کتنے دن وہ صرف دھرم کے فلموں ہی کے لئے گاتی رہی۔ اس لئے اس کا فن محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ سال میں ایک اور زیادہ سے زیادہ دو فلموں کے گانے گاتی، دوسرے پلے بیک گانے والے سینکڑوں گانے گا لیتے۔ مشق سے مہارت بڑھتی ہے ہر لغزش سدھرتی ہے سننے والوں کے کانوں میں بھی انہیں کی آوازیں پڑتی ہیں، زیادہ تر انہیں کے گانوں کی فرمائشیں ہوتی ہیں۔ انہیں کے ریکارڈ زیادہ تعداد میں بکتے ہیں۔ فلم مانگ کو نظر میں رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اداکاروں کی مانگ ہو یا گانوں کی۔ منگلا اپنے ذہنی سکون کے لئے گانا چاہتی تھی کہ زندہ ہونے کا احساس نہ ختم ہو جائے۔ وہ ہر طرح کا کوآپریشن کرنے کو تیار تھی، جو بھی اسے لیتا وہ پینا پلانا بند کر کے بڑی سنجیدگی سے ریاض شروع کر دیتی۔ خود ریہرسل کے لئے پہنچ جاتی۔ پیسہ مانگنا تو درکنار وہ ان کی ہر طرح مدد کو تیار ہو جاتی۔ دھرم والے سے تعلقات ٹوٹنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ سب سے کٹ گئی۔ دھرم کے پاس ہی بلاوا آتا۔ اگر ضروری ہوتا تو وہ خود اپنے دوست احباب کے ساتھ چلا جاتا۔ اس کے لئے کوئی بہانہ کر دیتا۔ لوگ اسے بھولتے جا رہے تھے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں رہنا چاہ رہی

تھی۔ چونکہ وہ غرض مند تھی، انڈسٹری کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کوئی گرا پڑا ڈائرکٹر جیسے دوسرے کلاکار رعایت دینے سے انکار کر دیتے منگلا کے پاس ہاتھ پھیلاتا آتا۔ ظاہر ہے نہ عام طور وہ بڑا میوزک ڈائرکٹر دیتا تھا نہ ہی اس کی فلم ہٹ ہوتی نہ ابھی دنیا ٹیکنیکل سہولتیں ملتیں۔ فلم انڈسٹری ابھرتے کلاکار کے پیچھے بھیک کا پیالہ لے کر بھاگتی ہے۔ گرے ہوئے کو روندتی چلی جاتی ہے۔ اتنی عظیم فن کار قعرِ گمنامی میں ڈوب رہی تھی۔ اور تنکے کا سہارا نہ تھا۔ وہ گمنامی اور بے توجہی میں کھو جانے کو تیار نہ تھی۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ ثریا کہاں گئی وہ جو کبھی چوٹی کی فلم اسٹار تھی جس کی آواز سن کر پتھر بھی تڑپ اٹھتے تھے جو لاکھوں کے دل میں اپنی آواز کا جادو جگایا کرتی تھی' آج کہاں ہے۔ وہ زندہ ہے اس کا گلا زندہ ہے مگر کون جانتا ہے۔ وہ ثریا کی طرح ضد بھی نہیں کرنا چاہتی تھی، کہ فلم کی ہیروئن بنائی جائے تب ہی اس کی آواز ملے گی ثریا اپنی آواز کے ساتھ جسم کو نہ بھول سکی، منگلا سب کچھ بھولنے کو تیار ہے کہ وہ ایک بڑے فن کار کی خوش حال بیوی ہے جو فلم کمپنی کا مالک ہے۔ اس نے کوئی شرط نہیں لگائی، مگر اس کی مقبولیت بحال نہ ہو سکی۔

صبح کسی گمنام سے پروڈیوسر نے اسے فون کیا تھا کہ شام کو گانے کی ریکارڈنگ کے بارے میں طے کرنے آئے گا۔ مگر کوئی نہ آیا۔ غریب بھاگتا پھر رہا ہوگا۔ جھولی پھیلائے۔ میوزک ڈائرکٹر بھی کہاں تک مروت پر فلمیں بنواتے جائیں۔ میوزیشین کو تو نقد دینا ہی پڑے گا۔ پھر ریکارڈنگ کا خرچ، اور پہلے وعدے ہی پورے نہ ہوئے ہوں گے۔ ایک وہ ہی تو ٹھالی پڑی ہے چند آوازیں ہیں کس کس کے ساتھ رعایت کریں۔ اور کب تک کریں۔ یتیمی کے ٹوٹے نصیبی پروڈیوسر کر چکے ہیں۔

کر اتنے میں گھنٹی بجی سوچا شاید پروڈیوسر دیر سویر آ ہی گیا، مگر جب ایک لمبا دبلا پتلا سا لڑکا جھینپا شرمایا اندر آیا تو وہ اُسے پہچان بھی نہ پائی جب اس نے اپنا نام و نشان بتایا تو چونک پڑی۔

''کون؟ فرید! باپ رے باپ کیا اونٹ کا اونٹ ہو گیا۔ ارے منیر کہاں ہے رے۔ بیٹھو۔''

''منیر کالج گیا ہے۔''

''اور تم نہیں گئے کالج۔''

''میں۔ میں نے تو ایف ایس سی سے چھوڑ دیا۔''

''اچھا اب کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ خاص نہیں۔ دھرم جی نے کہا تھا پھر ٹیسٹ لیں گے۔ سائیڈ رول ہے، اسی کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔''

ابھی منگلا اور دھرم کی علیحدگی کا چرچا عام نہیں ہوا تھا اور فرید تو ابھی انڈسٹری میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔ فلمی شوہر گھروں پر کم ہی ملتے ہیں۔ منگلا نے دھرم کی غیر حاضری کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

''ارے ان کے کہنے کا کیا ٹھیک'' مگر پھر وہ سنبھل گئی ''وہ بھول گئے ہوں گے۔''

''میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ شوٹنگ ہے کہ نہیں، انہوں نے کہا تھا کہ شوٹنگ شروع ہو گی تب سیٹ پر ہی ٹیسٹ لیں گے۔ ٹیلی فون پر کوئی ٹھیک سے جواب نہیں دیتا۔''

''فلم لائن پسند ہے؟''

''ہاں اگر چانس مل جائے تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔''

''ارے بڑی گندی لائن ہے۔ کچھ اور کام کرو نا۔''

''کہاں ملتا ہے کام۔ ایک فلم لائن ہے جہاں قابلیت دھری رہ جاتی ہے۔ بس قسمت چلتی ہے۔''

''ارے دنیا میں بہت کام ہیں۔''

''مگر فلم لائن میں کیا برائی ہے۔''

''کیا برائی نہیں، یہ پوچھو، تم تو مرتے کرتے پھرو گے بیوی سر پکڑ کر نصیب کو روئے گی۔''

''بیوی ہے ہی نہیں تو روئے گی کہاں سے''۔ وہ ہنسا۔

''کبھی تو آئے گی۔''

''کیوں آئے گی۔ میں شادی ہی نہیں کروں گا۔''

''ہائے رام، گھر نہیں بساؤ گے۔'' منگلا اپنی دھن میں کہتی چلی جا رہی تھی۔ اُسے یہ باتیں نہیں چھیڑنی چاہیے تھیں۔

فرید کا باپ کسی زمانے میں بڑا زبردست ہیرو تھا۔ اس کی فلمی بیوی ایک

آرٹسٹ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ تب فرید پانچ برس کا ہوگا۔

"چائے لوگے کہ کچھ ٹھنڈا؟"

"جی اب چلوں گا.... آپ دھرم جی کو یاد دلا دیجئے گا۔ پہلے بھی انہوں نے وعدہ کیا تھا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"ارے بیٹھو نا۔" ان دنوں منگلا اکیلی بیٹھی اوب جایا کرتی تھی۔ کوئی بھولا بھٹکا آن پھنستا تو اسے اٹھنے نہ دیتی۔ وہ تنہائی سے ڈرنے لگی تھی۔

"ارے بیٹھو نا......" اس نے فرید کی آستین پکڑ کر بٹھا لیا جب اس نے وہسکی پیش کی تو فرید سٹپٹا گیا۔

"کیوں؟ پیو نا بہت ذرا سی دی ہے۔ میں نے۔"

"نہیں،" فرید تکلف کرنے لگا۔

"ارے اتنا بڑا تاڑ سری کا ہو گیا، کیا ابھی تک دودھ ہی پیتا ہے۔" منگلا موڈ میں تھی۔

"ڈیڈی....،" وہ جھجک گیا۔

"تیرے ڈیڈی نہیں پیتے؟ خوب پیتے ہیں۔ کبھی تجھے نہیں پلائی؟ سچ کہ جھوٹ بول رہا ہے۔" فرید ہنسنے لگا۔ "بہت یار دوستوں کے ساتھ چکھی تو ہے۔"

"تو بس لو..... دو بوند تو ہے ہی۔" بڑے تکلف سے اس نے گلاس لے لیا۔

منگلا اس کی صورت دیکھتی رہی۔ ابھی کل ہی کی بات تو تھی جب وہ نئی نئی بیاہ کر آئی تھی۔ تو مشکل سے وہ اس کے کندھے تک آتا تھا۔ کبھی گیند لگانے میں آ جاتی تو لڑکیوں کی طرح لال کتر ہوتا آتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ فٹ اونچا ہو گیا مگر چہرے پر ابھی تک بچپن نظر آتا تھا۔ لڑکوں کے اتنے سرخ ہونٹ اچھے نہیں لگتے۔ جیسے لپ اسٹک لگی ہو۔ ابھی زہر حلق سے نہیں اترا!

فرید کی شربتی آنکھیں تین چار پیگ میں سیاہ پڑ گئیں۔ اور ہیرے کی کنی کی طرح دہکنے لگیں۔

منگلا اسے رخصت کرنے اٹھی تو ساڑھی پیر میں الجھ گئی۔ اس سے پہلے کہ منہ کے بل گرتی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے تھام لیا۔

وہ خود کو چھڑا کر جلدی سے اپنے بیڈروم میں ہانپنے لگی جیسے بہت دور سے بھاگی چلی آ رہی ہو۔ ساڑھی کا پلو کھینچ کر اس نے اپنے گرد لپیٹ لیا۔ اور دیوان پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ جیسے جاڑا بخار چڑھنے والا ہو۔ اکثر ایسا ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر کہتے تھے شراب پر قابو ہونا چاہیے۔ یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس بھنور میں ایک بار پھنس کر پھر کون چھوٹتا ہے۔ اور وہ تو ایک کمزور ابلا تھی۔ زندگی کی نامرادی اور تنہائی نے اسے بے دم کر دیا تھا۔ شراب اس کا آخری ساتھی تھی۔

یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟ ابھی اگر میرا دم نکل جائے تو، بے اختیار اسے دھرم یاد آیا۔ ایسا بے رحم تو نہیں کہ مرتی ہوؤں تب بھی نہ آئے۔ یہ اس نے کیا کر دیا۔ دھرم کیا اتنی دور چلا گیا ہے۔ کہ مڑ کر بھی نہ دیکھے گا۔ نہیں ایک بار اسے آنا ہی ہوگا۔ پھر وہ اسے اپنی باہوں میں جکڑ لے گی۔ جانے نہ دے گی۔ بس ایک بار اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لے گی پھر کبھی نہ کھولے گی۔

وہ فون کرتی رہی۔ انگیج کی آواز آتی رہی۔ بڑی مشکل سے کنکشن ملا۔

"ہلو۔ میں کیشو بول رہا ہوں دیدی۔"

"انھیں ٹیلی فون دو۔"

"کیا بات ہے دیدی میں آؤں۔"

"نہیں.....!" وہ زور سے چیخی۔ جیسے کیشو اس کے دل کا حال جان کر فعل بد کی دھمکی دے رہا تھا۔

"بچے تو ٹھیک ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہیں، انھیں بلا دو۔" منگلا نے لجاجت سے کہا۔

"دیدی..... وہ اگر کوئی بہت ضروری کام ہو تو......"

"کمینہ۔ حرام زادہ۔" منگلا نے فون پٹخ دیا۔ وہ تازہ پیگ انڈیل رہی تھی کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"ہلو..... میں رندھیر بول رہا ہوں۔"

"وہ کہاں ہے ذرا بلائیے۔" منگلا کو میوزک اور قہقہوں کی آواز سنائی دی۔

"تم اسٹوڈیو سے بول رہے ہو نا۔"

"جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جی ہاں" زندھیر کی آواز کہرے میں لپٹی ہوئی سی معلوم پڑ رہی تھی ۔
"وہ بہت تھکے ہوئے ہیں ۔ ابھی سوئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بخار بھی معلوم ہوتا ہے ۔"
منگلا سر سے پیر تک لرز رہی تھی ۔ "یہ سب میرے دشمن ہیں ۔ سب کی سب بھگت ہے ۔ مجھے چبانا چاہتے ہیں ۔ گیدڑ شیر کی دُم سے لگے ہوئے ہیں ۔ جیتا نہیں چھوڑیں گے ۔" وہ اور بھی ڈر گئی

"بہت ضروری کام ہو تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"مجھے روپیہ چاہیئے ۔" اس نے بڑی کھری آواز میں کہا ۔

"اوہ ۔ اچھا اچھا میں صبح ہی بھجوا دوں گا ۔ اور کوئی کام ہے ؟"

"نہیں ۔" اس نے ہولے سے فون رکھ دیا ۔ خالی ہاتھ گود میں رکھ کر بیٹھ گئی ۔ جیسے کہ پچھلے پہر کا سناٹا دل پہ ہول بن کر چھا گیا ۔ آبادی سے دور یہاں جھنڈھار بنگلے میں وہ تین بچوں کے ساتھ نوکروں کے رحم و کرم پہ تھی ۔ کسی کی نیت خراب ہو جائے تو گلا کاٹ کے ڈال جائیں ۔ کوئی اپنا نہیں ۔ پکار دو تو کوئی سنے گا بھی نہیں ۔ اسے ہر کھڑکی اور دروازے سے ڈر لگنے لگا کہ ابھی دروازہ کھلے گا ڈھاٹا باندھے کوئی ننگی چھری چمکاتا اس کی اور بڑھے گا ۔ تب اس کے حلق میں آواز گھٹ جائے گی ۔

اس نے اٹھ کر جلدی سے کھڑکیاں بند کیں ۔ دروازوں کو دیکھ کر تسلی کی ۔ اور بھی وحشت بڑھنے لگی ۔ وہ تیر کی طرح بچوں کے کمرے میں گئی ۔ آیا فرش پر سو رہی تھی ۔ دبے پاؤں وہ چوری چوری تینوں کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لائی ۔ پلنگ نرم گرم جسموں سے بھر گیا تب ڈھارس بندھی ۔

رام جانے وہ کون سے جنم کی بات تھی ۔ مدھ بھری آنکھوں والے ایک لڑکے سے املی کے پیڑ کی سبز چھاؤں تلے کوئی پیارا سا خواب دیکھا تھا ۔

کون تھا وہ ؟ بھلا سا نام تھا ۔

زندھیر ٹیلی فون کے ریسیور پر ہاتھ رکھے تھکا ہوا بیٹھا رہا ۔ جب منگلا نے دھرم کو فون کیا تو وہ کیشو نے اٹھایا کیونکہ وہ وہاں مدراس کی ٹرنک کال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا ۔ جب منگلا نے ٹیلی فون پٹخ دیا تو اس نے زندھیر کو فون کیا جو اس

وقت پدما کے ہاں سے بول رہا تھا ۔ دھرم کو ٹیلی فون پر بلانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا ۔ کیونکہ وہ پدما کی برتھ ڈے منا رہا تھا ۔

آج بہت دن بعد دھرم دیو کو موڈ آیا تھا اس نے دن بھر بڑے جوش و خروش سے نئی فلم کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا ۔ سیٹ کی ڈیزائن پاس کر دی ۔ نوے دن سے کم میں تیار نہیں ہوگا ۔ یہ موڈ تو بس "پورنما" کے بعد کہیں غائب ہی ہو گیا تھا ۔ حسنِ اتفاق سے اس کے دو چار دوست بھی آن پہنچے رام سنگھ ، رحمٰن اور رمی بھی روندی ہوئی لڑکیوں کے ساتھ آن دھمکا ۔ ریتا کو اس کی نئی جگہ کا پتہ چل گیا تھا اور وہ شبخونوں کا عزم کئے بیٹھی تھی ۔ اس لئے وہ اسے جھکمہ دے کر ادھر کھسک لیا ۔ کار میں دوسرا سامانِ عیش بھی تھا ۔ اس دن پدما کی سالگرہ بھی تھی کسی کو یاد بھی نہ تھا کہ صرف چار مہینے پہلے اس کی سالگرہ ہو چکی ہے ۔ گزشتہ بارہ چودہ برس میں کم سے کم پچیس برتھ ڈے پارٹیاں دے چکی تھی مگر ابھی مشکل سے بائیسواں سال لگا تھا ۔

کیا قیامت تھی چودہ برس پہلے نہ جانے کتنے پروڈیوسروں کے تختے لوٹ گئے مگر وہ ہیروئن نہ بن سکی ۔ دیکھنے میں سیکس اپیل کا پشتارہ تھی پر کیمرے کی آنکھ سے موالنظر آتی تھی ۔ اس وقت اپنی کھال سے بھی زیادہ چست بروکیڈ کی قمیض اور چوڑی دار پاجامہ پہنے تھی ۔ اور سڑک کوٹنے کے انجن کی طرح اپنے عاشقوں کو پیس رہی تھی ۔ اس کا دوپٹہ نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا اس وقت دھرم دیو کے گلے میں حمائل تھا ۔ لڑکیاں کم اور مہمان زیادہ تھے ۔ اس وقت وہ اس چابکدستی سے مورچہ سنبھالے تھی کہ دس کا کام نپٹا رہی تھی ۔ دھرم اس وقت نیلی چارخانہ کی تہمد اور لکھنؤ کے چکن کے کرتے میں بالکل رنگیلے شاہ بنا ایک کمسن سی لڑکی کی ہتھیلی پر وہسکی انڈیل کر چسکیاں لگا رہا تھا ۔ وہ کھلکھلا رہی تھی ۔ اور لوگ تالیاں بجا رہے تھے ۔ رمی یوں اسے میدان مارتا دیکھ کر تنفنا اٹھا اس نے اپنے پہلو میں مچلتی ہوئی مرغی کو اوندھا لٹایا ۔ کرتا ہٹا کر اس کی پشت کی نالی میں رم ڈال کر سڑپے لگانے شروع کر دیئے ۔ اس جدت پر اور تڑپ اٹھے اور سب ہی اپنی اپنی ذہانت کے مطابق لڑکیوں کے ساغر بنانے لگے ۔

فون رکھ کر زندھیر تھکے تھکے قدموں سے واپس ٹیرس پر آیا ۔ دھرم اس مجمع میں

نہیں تھا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی، سب سے الگ وہ اکیلا منڈیر پر جھکا ہوا تیسری منزل سے نیچے سیمنٹ کی پکی سڑک پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"بات نہیں بنے گی، شاید صرف ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ دھرم بھی ہنسنے لگا۔

"دیکھو یہاں سے کس قدر خوبصورت شوٹ بنتا ہے!" دھرم نے ہاتھوں سے کیمرے کا فریم بنا کر دکھایا۔ "بس وہ ایک لیمپ پوسٹ اور پاس پڑا ہوا ڈرم۔"

"واللہ یار، آدمی تم کام کے ہو۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو تم ہم سے عشق کرتے!"

"تم بھی ہمیں ترساتے۔" دھرم آکر قالین پر لیٹ گیا۔

"نہیں دوست ہم تو تمھارے قدموں میں دم توڑ دیتے اور اُف نہ کرتے!"

رندھیر اُس کے پاس پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ دھرم آدھا لیٹا رندھیر کی خرمستیاں دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اُس نے قمیص اور بنیان اتار پھینکا تھا اور تھوڑا سا چڈھی دے رہا تھا۔

اُس کی پیٹھ پر ایک تتیا سی چھوکری بیٹھی ٹخ ٹخ کر رہی تھی۔

سرتیا ایک ہوتے سے بنوں کے کپتان کے لہجے میں ڈو چلے کا پھندا ڈالے پشمین کے گلا اس کی ڈگڈگی بجا رہی تھی۔

"ناچ جمورے۔ ڈگ۔ ڈگ۔ ڈگ.....!" اور وہ جھالو کی نقل میں اُچھل رہا تھا۔

توری سیکل چرن سنگھ منہ کھولے چت پڑا تھا۔ ایک گول مٹول مجوہ سی جینیہ اس کی چپٹل چھاتی پر پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اور منہ میں قطرے ٹپکا رہی تھی۔ اس کی نارنجی قمیص کے چاک اُدھر تک پھٹے ہوئے تھے۔

"بھابی کا فون آیا تھا۔" رندھیر نے اس کی گنجی ہوتی ہوئی چاند پر کلے کی انگلی سے دائرہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" بڑی لمبی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"یہاں نہیں۔ دفتر میں آیا تھا کیشو نے مجھے کہا۔" دھرم کا چہرہ سفید ہونے لگا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"روپوں کی ضرورت تھی۔"

"اوہ!" وہ پھر واپس لیٹ گیا۔ اس کی ضرورت کس کو نہیں۔

"میں نے کہہ دیا صبح بینک کھلتے ہی بھجوا دیے جائیں گے۔"

"صبح کیوں؟ مجھے کہا ہوتا تم نے۔" وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"ہلو... کیشو..... فون آیا تھا، روپوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اماں پوری بات تو سنتے نہیں، بوکھلائے دیتے ہو۔ مجھ سے کہا تھا روپوں کا۔ تمھیں پوچھ رہی تھیں۔ تم اس لونڈیا میں مشغول تھے، میں کیا کہتا؟"

"یار چلو بور ہو گئے۔" دھرم نے اکتا کر کہا۔ رندھیر کا منہ اتر گیا۔

"کہاں جا رہے ہو۔ مجھے اتارتے جاؤ۔"

"دیکھیں منگلا کو کیا ضرورت آن پڑی۔ تم موٹر لے آنا۔ مگر میں نے پرسوں ہی نو ہزار دیے تھے۔ اتنی جلدی پھر ضرورت پڑ گئی۔"

"کیا ارادہ ہے؟" پورٹیکو میں موٹر روک کر دھرم خاموش بیٹھا رہا تو رندھیر نے پوچھا۔

"بڑی رات ہو گئی ہے۔ سو گئی ہو گی۔"

"پھر؟"

"صبح روپے بھجوا دینا۔" دھرم نے لمبی سانس لی اور موٹر اسٹارٹ کی۔

"تمھارے ہاں چلیں؟"

"چلو مگر وہ کمبخت رات بھر لڑے گی، نیند حرام ہو گی۔"

"نیند آتی کس حرام زادے کو ہے۔"

"کیشو ہے نا گھر پر۔"

"اچھا تو کل جلدی آ جانا، گانے کا ریہرسل ہے۔"

"جلدی ہی لو۔"

جب موٹر آکر رکی تو نہ جانے کیوں منگلا نے دم سادھ لیا۔ ان پیروں کی چاپ پر کان لگا دیے۔ موٹر پھر مڑ کر روانہ ہو گئی۔ قدموں کی چاپ نہ آئی۔ کوئی نہ آیا۔ کون آتا ہے۔ آہ بھر کے اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔

اس بار اس نے رندھیر کو بیچ میں نہیں ڈالا۔ رندھیر کو اس کے دل کا حال کیا معلوم؟

اس نے کیشو کے آگے دل چیر کر رکھ دیا۔ اس طرح نہ وہ سوچ سکتا ہے

نہ فیصلہ کر پاتا ہے۔ یہ فلم بھی ڈبے میں جائے گی۔

کیشو کے ہاں کسی نے سات پشت سے عشق نہیں کیا تھا۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں شادی ہو گئی جسے وہ بغیر کسی چون و چرا کے نبھا رہا تھا۔ دنیا میں ہوتے ہیں ایسے بھی لوگ جنہیں نہ عشق کا شوق نہ سلیقہ۔ فلم لائن میں اس نے اتنی ٹھوکریں کھائیں کہ بھوسہ نکل گیا۔ اس کی ساری جوانی دولت کمانے کا کوئی ذریعہ تلاش کرنے میں لٹ گئی۔ دھرم کے ساتھ اسے پہلی بار پیروں تلے زمین جمتی نظر آئی۔ اس کی سمجھ میں آج تک نہ آیا کہ عشق کیا ہوتا ہے جس کے پیچھے لوگ روپے کا نقصان کر لیا کرتے ہیں۔ روپیہ کمانے سے بھی زیادہ دلچسپ مشغلہ کوئی ہو سکتا ہے۔ ہاں عورت ہے۔ ایسی ہی جیسے روٹی ہے۔ چارپائی ہے، نہانا دھونا ہے، ٹٹی جانا ہے۔ اس میں ایسی قباحت ہی کیا ہے۔ جو قمیض ثابت ہوئی وہ پہن لی۔ کیسے کپڑے کی ہے۔ رنگ کیسا ہے یہ نہ اس نے کبھی دیکھا اور نہ سوچا۔ کوئی احمق دیکھ سکتا ہے۔

وہ بڑی ہوشیاری سے پہلے ہی وار میں امینہ سے ملاقات میں کامیاب ہو گیا۔

"کلر فلم ہے۔ پچاس لاکھ سے کم نہیں بیٹھے گا، بارہ گانے ہوں گے۔ یہ فنانٹ بنے گی۔" اس نے فوراً بزنس شروع کر دی۔ "میں نے صاف کہہ دیا دھرم جی یہ پکچر کوڑنے کی نہیں اسے تو آپ ہی بنائیں گے۔"

"اچھا؟" امینہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی۔ مگر دل رکھنے کو کہہ دیا۔

"قسم سے کیا رول ہے۔ مدھوبالا تو بس تڑپ اٹھی۔" اسے یاد بھی نہ رہا کہ مدھوبالا تو انارکلی بنی تھی کبھی کی دیوار میں چن دی گئی۔ "ویسے ہی کچھ ٹھیک ہے۔" اس نے بات سنبھالی۔ "مگر میں نے کہہ دیا یہ رول تو بس ایک ہی اسٹار کر سکتی ہے اور وہ اپنی زرینہ جی۔ تو بس آپ شام کو آکر کاسٹیوم کا ناپ دے دیجئے۔"

"کون میں؟" امینہ بدذاتی پر اتر آئی۔

"ہیں ہیں۔" وہ بڑی دریادلی سے ہنسا۔ "وہ آپ سمجھتی ہیں، امینہ جی وہ تو بچہ ہیں۔ آپ ہی سب کچھ ہیں، بزرگ ہوئیں نا۔"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ بہن تو ہوں، مگر وہ سب فیصلہ اپنی مرضی سے کرتی ہے۔ بات یہ ہے کیشو جی زرینہ کے پاس بالکل وقت نہیں۔ چھ پکچر ہیں۔

اور سب بڑے بڑے ہیرو بڑے میوزک ڈائرکٹر کی میں تو گنتی نہیں، مدراس کے مین کانٹریکٹ میں اور تین کا آفر آیا ہے۔ اتنی فلموں میں کام کرنے سے مٹی پلید ہو جاتی ہے۔" امینہ بھی نہلے پر دہلا لگانے لگی۔ "ارے زرینہ تیار ہو جاؤ۔ تین بجے ہیں، ساڑھے تین بجے پکچر شروع ہو جائے گی۔" وہ اٹھنے کے لئے پیر سے چپل ٹٹولنے لگی۔

"اچھا کیشو جی۔"

"سنیئے تو۔" کیشو نے ریل چھوٹتے ہی دیکھ کر جلدی جلدی پتیاں پھینکنا شروع کیں۔ "دھرم کے دل کا سکون ہے تو کمپنی چلتی ہے۔ کمپنی چلتی ہے تو اسٹاف کی روٹی چلتی ہے۔" "وہ سب شرطیں ماننے کو تیار ہیں۔" اس نے پلندہ پھینک ہی دیا۔

"شرطیں؟"

"ہاں رندھیر جی سے بات ہوئی تھی نا فون میں۔" اس نے بڑی رازداری سے کہا۔

"اوہ۔۔۔۔۔ ہوں۔"

"اب تو وہ مستقل پیڈر روڈ آگئے ہیں۔ وہیں رہتے ہیں، آتے جاتے بھی نہیں۔"

"ہوں۔" وہ غوطہ مار گئی۔

کیشو کے سر میں خون ابلنے لگا۔ اچھی منیجری ہے کہ صاحب کے نائی بن کر پیغام لائے ہیں۔ جی چاہا دل کھول کر کھری کھری سنائے اور رستہ ناپے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں۔۔۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سوچوں، ایسا کیجئے آپ زرینہ سے بات کر لیجئے۔" وہ لپک کر زرینہ کو پکارتی اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر دونوں کھسر پھسر کرتی رہیں۔ پھر زرینہ سہمی ڈری پنجوں کے بل آئی۔ غم و اندوہ کی تصویر بنی کرسی کے کنارے پر ٹک گئی۔

"تمہیں تو اندازہ ہوگا زرینہ جی وہ اپنی زندگی سے اکتا گئے ہیں کسی کام میں من نہیں لگتا۔ رات دن پیتے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو۔۔۔۔" اس نے بڑے ڈرامائی موقع پر جملہ توڑا۔

زرینہ کی آنکھوں میں ساون جھوم آیا۔

"اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ان کا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔"

زرینہ نے ایک سسکی لی اور ہرنی جیسی بڑی بڑی آنکھوں سے خلا میں گھورنے لگی جیسے دھرم کی ارتھی کا جلوس جا رہا ہو۔

"مگر دیدی" زرینہ نے آنچل سے منہ ڈھانک لیا اور لمبی لمبی سانسیں کھینچنے لگی۔

"ان کی فکر نہ کرو دیدی"

"کیسے ان کی فکر نہ کریں کیشو جی۔ تین بچوں کی ماں ہے۔ مذاق نہیں۔ آپ انہیں سمجھاتے کیوں نہیں۔ مدراس میں وہ اور رتی کیا راس رچاتے ہیں۔ بڑے لوگوں کے بڑے شوق، پورے پورے وہسکی کے کیس ایک رات میں ختم۔" زرینہ اٹھ کر بھاگ گئی۔ امینہ ساڑھی بدل کر آ گئی۔

"ارے جی ٹھکانے لگے گا تو یہ سب ختم ہو جائے گا۔"

"اچھا جی، ٹھکانے لگنے کا نام نہیں لیتا، گھر میں تین بچوں کی ماں ہے۔ مدراس میں خانگیوں کی فوج ہے۔ باندرہ میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور سرتیا دیوی الگ پیڈر روڈ کی رونق بڑھانے کو آتی جاتی رہتی ہیں۔"

"اور یہ سب کس کا قصور ہے" کیشو بھی پھٹ پڑا۔ "دو آنی ملیں نبائیں کبھی دیدی سے آدھی بات کی نوبت نہیں آئی۔ تمہارے آتے ہی سب بھسم ہو گیا۔"

"رہ جانے دیجئے، آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے دھرم جی کو جانتے ہی نہیں۔ آج زرینہ کے بہانے اپنی گنونتی کو چھوڑ رہے ہیں، کل کوئی اور نئی نویلی آنکھوں میں اتر آئی تو اسے چھوڑ کے اس کو سنبھالیں گے۔ کاہے کو بے زبان منگلا کا صبر سمیٹتے ہو۔" امینہ نرم پڑ گئی۔ "اور پھر بھی جھگڑا کھڑا ہو گیا تو آپ لوگ کیا کریں گے۔"

"کیسا جھگڑا؟" کیشو کا سر چکرا رہا تھا۔

"آپ یہ سب کچھ تسلی کی خاطر کر رہے ہیں؟"

"آ...... ہاں...... ویسے دھرم کے بارے میں جو میں نے کہا وہ جھوٹ تھوڑی کہا۔ ان سے مل کر ان کی حالت تو دیکھو، تمہارا جی پھٹ جائے گا۔"

"لیکن آپ کو تو کمپنی کی پڑی ہے۔ دیدی چپ چاپ سہہ لیں گی، پھر بھی میوزیشین اور پلے بیک سنگر گڑبڑ کریں گے۔ پھر کانوں کی مصیبت ہو گی۔"

کیشو بری طرح رجواب ہو گیا۔ بے حد سٹپٹا گیا۔ "نہیں شاید اب کے کچھ

نہ ہو۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"اور ایک شاید کے بھروسے پر آپ اتنا بڑا جوا کھیل رہے ہیں۔"

کیشو کے جانے کے بعد زرینہ نے جھانکا۔

"گیا؟" اس نے شرارت سے آنکھیں جھپکائیں۔

"ہاں گیا۔ حرام زادہ، سور کا بچہ، کمینہ کہیں کا! اس بچے کی دلالی کرنے چلا ہے۔ سب کی روزی لگی ہے نا، اس لئے مسکہ لگاتے ہیں۔ اس کی پیٹھ ٹھوکتے ہیں۔ یونس رہتا ہے۔ نا تو کیا اس کی ناز برداریاں کرتے ہیں، جو کل کو دیوانہ نکل جائے تو کوڑی کے تین کوئی نہ پوچھے۔ سب اسے چھوڑ کے کسی دوسرے تازہ دم کی پونچھ سے ٹنگ جائیں گے۔"

زرینہ دور جانے کہاں چلی گئی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" امینہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ کل ریلیز ہے فلم!"

"کیا ارادے ہیں؟"

"کچھ نہیں امینہ آپا کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے منہ پھیر لیا۔

"مدراس کی دونوں فلمیں کل ریلیز ہیں۔ یہاں کی بھی تینوں کل ہوں گی۔"

"دھت، مدراس کی فلمیں دھول دھان کے سوا ان میں ہوتا ہی کیا ہے۔ بیچے سارے وقت کیمرہ دلیپ کمار جی پر رہے گا۔ وہی گائیں گے ناچیں گے کودیں گے۔ ہم ایک کونے میں دانت نکوسے کھڑے رہیں گے۔"

"تو یوں کہو نا صاف صاف نیت خراب ہو رہی ہے۔"

"نیت تو اس رول پر ہمیشہ سے خراب تھی۔"

"اور رول کے ساتھ جو پیچ لگی ہے وہ؟"

"وہ تم نے لگائی ہے۔"

"زری میں شام کی گاڑی سے جا رہی ہوں۔"

"بس دھمکیاں دینے لگیں؟ آپا...... میری جان غصہ نہ کرو —— مجھے خفا کر کے کیسے جیوں گی۔" زرینہ اس کے گلے میں جھول گئی۔

"زرینہ سچ سچ بتاؤ گی؟" امینہ نے بڑی احتیاط سے پوچھا۔

"پھوپو!" زرینہ چہک کر بولی۔

"اگر ایسی بات تھی تو پہلے بیکار کا کیوں طوفان اٹھایا۔"

"انیل کا کانٹریکٹ وعدہ کیا اور مکر گئے۔"

"تو نے کہا ہوتا۔"

"باپ رے۔ وہ زور کا لپڑ مارتے کہ طبیعت ہری ہو جاتی۔" امینہ بڑی حسرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ پھر اسے گود میں گھسیٹ لیا۔

"کیا وہ نامراد گورو بھی لپڑ مارتا تھا؟"

"ہاں!" زرینہ نے سر ہلا دیا۔

"خدا غارت کرے ان کمتوں کو۔ ان کی قبر میں کیڑے پڑیں۔ تو اُس کمبخت سے ڈرتی ہے پھر بھی اس مردود پے مٹی دھری ہے۔"

"مردود ہے کو تو میں نہیں جانتی، ڈائریکٹر پہ مٹی دھری ہوں۔"

"اس میں اور حرام زادے گورو میں کیا فرق ہے؟"

"فرق تو کچھ بھی نہیں۔ آج میں جو کچھ ناچ لیتی ہوں وہ اُسی نے سکھایا اُس کے آگے کوئی بھی نہ سکھا سکا۔ جیسا رول میں نے "پورنما" میں کیا ہے، کبھی نہ کر سکوں گی۔ نہ "ترشنا" کی گلابی پھر پیدا ہو گی۔"

"اور جو گورو دکشنا دینی پڑی اس کا تجھے کوئی دُکھ نہیں؟ کوئی شرم نہیں۔"

"جب تھپڑ لگتا ہے تو دکھ ہوتا ہے پھر مٹ جاتا ہے۔"

"لٹنے کے بعد عزت واپس نہیں ملتی۔"

"مگر آپا تم ہی تو کہتی ہو سب سے کہ لوگ بکتے ہیں۔ جھوٹ اڑاتے ہیں دولھا بھائی کو تم نے قائل کر دیا تھا کہ نہیں! کہ فلم لائن میں کسی کے پاس سرٹیفکیٹ ہے کہ عزت تھی یا نہیں۔ ویسے بھی دُنیا تو ایکٹریس کو بدکار ہی کہتی ہے۔"

"نہ تمہی تو نے ناحق فلم لائن پکڑ لی تو تو اول درجے کی وکیل بن سکتی تھی۔"

۱۳

صبح جب کیشو نے روپے لا کر دیے تو وہ رات کا واقعہ بھول بھی چکی تھی۔

"یہ روپے کیسے؟"

"رات بولا تھا نا رندھیر جی سے!"

"اوہ۔ ہاں!" بغیر گنے اس نے روپے کشن کے نیچے سرکا دیے۔

"رات بہت دیر تک کام چلتا رہا۔ گراؤنڈ پلان بناتے رہے۔ کل سے نا پھر رندھیر جی کے ساتھ اسکرپٹ پر کام کرتے رہے۔"

"پدما کے ہاں؟" سنگلا نے رکھائی سے کہا۔ رتنا اُسے صبح ہی فون پر بتا چکی تھی۔ اس کی سہیلی کی سہیلی بھی گئی تھی۔ وہ کتنا اُچھلا ہے کر تو یہ ابھی تک لا پتہ ہے۔ اس نے ایک اور فلیٹ چھپ کے خریدا ہے مگر جاتا کہاں ہے، اس کا بھی سراغ لگ جائے گا۔ یہ تفنگے سمجھنے میں وہ کچھ نہیں جانتی۔

"نہیں ہیں میں!" کیشو کھسیانہ ہو گیا۔ "بابا پوری جادوگرنی ہے۔" اُس نے سوچا۔

اس کے جانے کے بعد یا سو تنم گھسیٹ کر دھنیں گنگنانے لگی۔ ہزاروں گیت امڈ پڑے۔ وہ گیت جو اُس نے دھرم کے کان میں املی کے پیڑ کی چھایا میں گنگنائے تھے۔ کس پیار اور ارمان سے وہ دھرم کے لیے گایا کرتی تھی۔ وہ پاس لیٹ جاتا۔ اس کا ہاتھ کمر میں شرارتیں کیا کرتا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ ڈھولکی چلاتا جاتا۔

جب وہ کوئی بہت ہی سریلا ٹکڑا الاپتی تو وہ اس کا سر جھکا کر ہونٹوں کو چوم لیتا۔ ہارمونیم چپ ہو جاتا۔ لب گنگ ہو جاتا اور دلوں کے ساز گونج اٹھتے۔ پھر گھنٹوں میں اور بھی رس آ جاتا۔ کتنا مزہ تھا ان ریہرسلوں میں۔ دھرم تو پیار کو بھی ریہرسل کہا کرتا تھا۔ دھڑلے سے سب کے سامنے کہہ دیتا۔

"ہم بھی ہم لوٹ جا رہے ہیں۔ ریہرسل کرنا ہے۔" اور منگلا شرم سے پانی ہو جاتی۔

صدیاں بیت گئیں ریہرسل کئے، جگ بیت گئے، ساز دل گونگا پڑا ہے۔ کلیجے میں ایک ہوک سی اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر رم کی بوتل اٹھائی، نہار منہ کئی گھونٹ حلق سے اتار لئے۔ جب کلیجے کی جلن کم ہوئی تو اس نے ٹیلیفون اٹھایا۔

"فرید ہے۔ میں مسز دھرم دیو بول رہی ہوں۔"

"اچھا اچھا، کہئے مزاج تو اچھا ہے۔" فرید کا باپ نذیر بول رہا تھا۔

"جی، وہ فرید نے کام کے لئے کہا تھا۔"

"ہاں دھرم صاحب نے وعدہ تو کیا ہے۔"

"میں شہری ساؤنڈ جا رہی ہوں۔ نندا جی کی ریکارڈنگ ہے۔ ان کی پکچر میں ایک رول ہے۔"

"اچھا اچھا۔ دیکھئے وہ نہا رہا ہے۔ میں ابھی اسے بھیجتا ہوں۔ عنایت ہے آپ کی۔"

"کوئی بات نہیں، میں خود کوئی پندرہ منٹ میں آتی ہوں۔"

"اچھا اچھا، بس تو وہ تیار رہے گا۔"

منگلا نے بڑا سا پیگ بنایا اور ہارمونیم دور سرکا کر بیٹھ گئی۔ آیا سے اس نے ساڑھی منگائی اور دوسرا پیگ بنایا۔ پھر ساڑھی پہننے لگی۔

"آرہ سوری!" فرید اونٹ کی طرح منہ لٹکائے چلا آ رہا تھا۔ آتے دیکھا۔ پلٹا۔

"ارے جاؤ ... آؤ نا۔" اس نے ساڑھی کا پلو کندھے پر ڈال لیا۔

"میں نے سوچا شاید آپ بھول گئیں۔ اس لئے۔" فرید بڑے تکلف سے آگے بڑھا۔

"ابھی وقت ہے۔ ذرا پیچھے سے میری ساڑھی تو ٹھیک کر۔" ہمیشہ بچپن میں وہ اس سے یہی فرمائش کیا کرتی تھی۔

فرید اکڑوں بیٹھ کر ساڑھی درست کرنے لگا۔

"ارے بدھو ... بس ... اوہ۔" وہ پھر ساڑھی کھول کر باندھنے لگی۔ فرید کچھ کھسیانہ سا بیٹھا رہا۔ منگلا کو پھر اس کے ہونٹ لپ اسٹک لگے ہوئے معلوم ہوئے اور اسے ہنسی آ گئی۔ آج خود بخود حلق میں ہنسی گنگنا رہی تھی، فرید کا منہ لال ہو گیا۔ اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ اور اس پر گھونسے مار کر ہنسنے لگا۔

کشن کے نیچے روپے دیکھ کر اس کا منہ فق ہو گیا۔

"کیا منہ پھاڑے دیکھ رہا ہے۔ کبھی روپے نہیں دیکھے ایڈیٹ!"

فرید احمقوں کی طرح ہنستا رہا۔

"چاہئیں؟"

"نہیں۔" فرید نے سر ہلا دیا۔

"کیوں؟ روپیہ نہیں چاہئے؟" منگلا نے پوچھا۔

"چاہئیے۔"

"تو پھر لے لو۔"

"نہیں۔"

"کیسا پاگل لڑکا ہے۔ میں خوشی سے دے رہی ہوں۔"

فرید نے بڑے تکلف سے چٹکی میں ایک نوٹ پکڑا۔

"بس۔"

"تھینکس۔" اور بھی لال ہو گیا۔

"کیا خریدنا ہے؟"

"اسکیلس خریدنا ہیں؟ مجھے بھی مارکیٹ جانا ہے۔ موٹر چلانی آتی ہے؟"

"ہاں۔"

"بابا تو کہیں لڑا تو نہ دے گا۔"

"نہیں، بڑی فرسٹ کلاس چلاتا ہوں دیدی۔"

''تو چلو! کل آنٹی کہہ رہا تھا۔ آج ویڈی پر اُتر آیا۔ لڑکا تیز ہے۔''

ری ہرسل کے بعد اُس نے فرید کو نندا جی سے ملایا اُنھوں نے کہا رول کے لئے بڑا اَنٹ بیٹھتا ہے ٹیسٹ بھی لے لیں گے۔

فرید نے موٹر میں واپس ہوتے وقت کہنا چاہا۔

''اگر دھرم جی . . . . . .''

''ارے ہٹاؤ دھرم جی لڑکوں کو چانس نہیں دیتے۔ وہ خود ہیرو ہیں۔ اُنھیں ہیرو کی کیا ضرورت ہے''

''سائیڈ میں''

''کیا سائیڈ میں مٹی خراب کرنا۔ اگر ہیرو بننا ہے تو ان کے پاس جانا بیکار ہے''

فرید اُداس ہو گیا۔ منگلا کو اس پر بڑا ترس آیا۔

''اور بھی پروڈیوسر ہیں جو نئے لڑکوں کو چانس دینا چاہتے ہیں۔ شام کو امر ناتھ سے اپوائنٹمنٹ ہے''

''ان سے میرے لئے کہیں گی''

''کہہ دوں گی۔ ارے ہاں، رات کو پریمیئر پر جانا ہے چلو گے؟''

''ہاں'' فرید نے دانت نکال دیئے۔ منگلا نے نذیر صاحب کو فون کر دیا۔

''نذیر صاحب میں مسٹر فرید کو پریمیئر پر لے جاؤں''

''شوق سے آپ کا پاس ہے''

''وہاں سب ہی لوگ ہوں گے۔ مدراس کے پروڈیوسر بھی ملیں گے۔ شاید کہیں ہو جائے''

''مہربانی، بڑی مہربانی جی''

اسسٹنٹ فلم تھی۔ بیحد بھونڈی سی مگر منگلا نے اس کے گانے گائے تھے۔ سپر ہٹ تھی، مدراسی تھی اس لئے مجمع اچھا تھا۔ فرید نے اس قدر قہقہے لگائے کہ منگلا کو بھی ہنسی آ گئی۔ حالانکہ اس کے گانوں کا ریکارڈنگ میں کافی ناس لگ گیا تھا۔ فرید کی ہنسی کے آئٹم بڑے زبردست تھے۔ اتنے قہقہے پچھلے کئی مہینوں میں نہیں لگائے ہوں گے جتنے ڈھائی گھنٹے میں لگا لئے۔ فرید فلم کو دیکھ رہا تھا اور وہ فرید کو دیکھ رہی تھی۔

واپسی پر منگلا نے ضد کی کہ بغیر کھانا کھائے نہ جانے دے گی۔ پہلے دو دو

پیگ ہو جائیں اتنے میں کھانا گرم ہو۔ فرید نے ڈٹ کر پی۔ اتنی پی کہ ہوش نہ رہا۔ منگلا نے سو روپے معہ سود وصول پائے۔

جب عورت ڈسنے پر آتی ہے تو تن من دھن دونوں ہاتھوں سے لٹا دیتی ہے۔ منگلا چوٹ کھائی ناگن کی طرح پلٹ کر خود ہی کو ڈسنے لگی۔ اس کے شوہر نے جو اس کا عاشق بھی تھا، معشوق بھی، اس کی نسوانیت کو ٹھکرایا تھا۔ اس کے پیار کی توہین کی تھی۔ اس کی کلا کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ کبھی اس کی آواز گلی کوچوں میں گونجا کرتی تھی، خود کو ساری دنیا پر چھایا ہوا محسوس کرتی تھی۔ اب اس کے گانے شاذ ہی ریڈیو پر سنائی دیتے۔ دنیا نے اُسے زندہ ہی دفن کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس کفن دفن میں دھرم کا ہاتھ سب سے آگے تھا۔ اپنی فلموں کے لئے اسے مخصوص کر کے پھر ایک دم دو کوڑی کی ایک لڑکی کی خاطر اُسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا، کاش وہ صرف ایک گرہستن ہوتی، لوگوں نے اس کی پرستش نہ کی ہوتی اس کی آواز پر سر نہ دھنے ہوتے تو وہ اپنے بچوں کے پیار اور گھر بار کی دلچسپیوں کو ہی سب کچھ سمجھتی، نہیں اس کے منہ کو تو شہرت کا خون لگ چکا تھا۔ انسان کتنی ترقی کر چکا ہے۔ پھر بھی اپنے جذبات اور احساسات کے ریلے میں بہہ جاتا ہے۔ کاش وہ اتنی حساس نہ ہوتی۔ ایک گرہستن کی طرح چپ چاپ آنسوؤں سے تکیئے بھگوتی اور اس وقت کا انتظار کرتی جب اس کا گمراہ شوہر اچھل کود سے شل ہو کر پالتو بلی کی طرح اس کی باہوں میں لڑھک آئے گا۔

شریف مرد تو آوارہ ہوتے ہیں۔ شریف عورتیں اگر کھل کھیلنے پر تل جائیں تو سماج کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ آوارہ اور بدمعاش لوگ اپنا دل اوباش رنڈیوں کو دیتے ہیں۔ مگر دماغوں میں پاکباز بیویوں کی عزت بھری ہوتی ہے۔ جان وہ بیسوا پر دیتے ہیں۔ مگر پاکباز ستی ساوتری کے سامنے ہی جھکتے ہیں۔ وہ اپنے کمینے پن کے معترف ہیں۔ مگر اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں کو دنیا کی عزت اور آبرو کا امانت دار سمجھتے ہیں۔ اپنی فلمی زندگی کی گندگیوں سے دور رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے وہ دوسری غلاظتوں سے دوچار ہو جائیں۔ ویسے فلم والے بدنام ہیں۔ اور ان کی بات اچھالی بھی بہت جاتی ہے۔

منگلا نے جو کچھ کیا وہ کوئی نئی بات نہیں، ایک مرد کی ٹھکرائی ہوئی عورت
نے دوسرے کی باہوں میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا تبھی سے
لاکھوں گھروں میں ہو رہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ دھرم اور رندھیر کے قصے پر
بھی لوگوں نے چہ مہ گوئیاں کی تھیں۔ چٹخارے لے لے کر تفصیلیں بیان کی تھیں
یہ بڑی عام سی بات ہے۔ نوجوان فلم اسٹار اور ڈائرکٹر کا ایک دوسرے پر
دل آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ اگر ایسا نہ ہو تو بے شک تعجب ہو سکتا ہے
منگلا کوئی گری پڑی ایکٹریس نہیں تھی۔ اس کی ان حرکتوں سے مشرقی تہذیب
کے مثالی عکس پر دھول پڑنے کے علاوہ یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں اس جیسیوں کو شہہ نہ
مل جائے۔ اچھے بھلے شریف گھرانوں میں کیچڑ اچھلنے لگے گی۔
منگلا اپنے زخمی وجود پر مرہم رکھنے کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتی تھی۔ وہ خود
اپنے آپ کو اور دنیا کو اس بات کا یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔
لوگ اسے کل کی بات نہ سمجھیں۔ وہ فرید کو فلم کا ہیرو تو نہ بنا سکی اپنے دل کا ہیرو
تو بنا ہی لیا۔ اس کے لئے کارمائیکل روڈ پر ایک شاندار بنگلہ سجا دیا۔ نئی کرائسلر
اسے بخش دی۔ خود چھوٹی گاڑی رکھ لی۔ پھر اس نے ضد کی تو سفید ایم۔ جی بھی
دلا دی۔
چیل کوے منڈلانے لگے۔ کسی عقلمند نے رائے دی کہ اگر فرید کو ہیرو بننا ہے
تو بڑی آسانی سے بن سکتا ہے۔ کیوں نہ ایک پروڈکشن کمپنی کھڑی کر دی جائے۔
منگلا کمپنی کے نام پر اچھل پڑی۔ یہ بات اسے پہلے کیوں نہ سوجھی۔ فرید کچھ
کم نہیں بلکہ دھرم کے مقابلے میں کمسن اور زیادہ ہینڈسم ہے۔
بس پھر کیا تھا، فرید کا نیسٹ پروڈکشن آفس بن گیا۔ اپنا میوزک تو منگلا کو
آتا تھا۔ وہ خود ہی میوزک دے گی۔ کہانیاں سنی جانے لگیں۔ دھنیں بننے لگیں۔
دھرم اپنی نئی فلم میں جٹا ہوا تھا۔ نام ایک پرانے گمنام ڈائرکٹر کا دے دیا تھا۔
مگر کرتا دھرتا دھرم اور رندھیر ہی تھے۔ وہ رنگین فلم فی الحال نہیں بن رہی تھی۔
ایک پرانی فلم کی کہانی کے حقوق خرید کر اسے نئے کپڑے لتے پہنائے جا رہے تھے۔
پرکاش جی کا نام ڈائرکشن میں دے دیا تھا۔ وہ اسی پر مطمئن تھے۔ ورنہ فلم

لائن تو انھیں بھول بھال چکی تھی۔ "پربھا" کے بعد ست نرائن جیسے بہت چمک
گئے تھے۔ ایسے ہی پرکاش جی کی کایا کلپ کی امید تھی۔ زیادہ تر وہ ایک کونے
میں حقے کی نو تانک مارتے اونگھا کرتے تھے۔ اسٹارٹ یا کٹ کی آواز پر چونک
پڑتے۔ چٹکیوں سے پتلون پکڑ کر اوپر کھسکاتے۔ جیب سے چپا شک کی پڑیا
اور کاغذ نکال اسکرپٹ پڑھنے لگتے۔ ڈانڈا کے میخانوں میں جب وہ اپنے لونڈوں
کے گروہ میں اندھوں میں کانے راجہ بنے بیٹھے ہوتے تو ان تمام معرکے کے "دو شالوں"
کو بڑی تفصیل سے سمجھاتے جو ابتدا ان کے انہوں نے زیر تکمیل فلم "دھمکی" میں لئے تھے۔
دھرم اور رندھیر ان خاکوں کی پوٹلی پر لوٹ گئے۔
بڑی بے دلی سے فلم بن رہی تھی۔ دو ہیروئنیں تھیں۔ ایک کا بازار ٹھنڈا ہونا
شروع ہو گیا تھا۔ دوسری جو کمسن تھی ابھی اس کا بازار گرم ہونا شروع نہیں ہوا
تھا۔ دھرم کا شمار باوجود ہٹ فلموں کے چوٹی کے فلمسٹاروں میں نہیں ہوتا تھا۔ فلم
کی رپورٹ بہت ٹھنڈی تھی۔ دھرم کے دل کو کوئی چیز نہیں چھوتی تھی۔ پہلے تو مکالمہ
نگار کا پتہ کٹا۔ رندھیر نے اتنی ہٹ فلمیں لکھی تھیں، انھی نے مورچہ سنبھالا۔ مکالمہ نگار
نے اپنا معاوضہ طلب کیا۔ یہ بات دھرم کو ناگوار گزری۔ وہ تو جیسے جیا بنا کان پکڑ کر
باہر کرتا۔ کسی کی مجال نہیں تھی چوں چرا بھی کر جاتا۔ مگر یہ مکالمہ نگار ویسے ہی پٹا ہوا تھا۔
دھرم کے ہاں سے کٹ جانے کے بعد اور بھی نقصان کی گنجائش تھی۔ معاوضہ مل
جائے یہی غنیمت ہے۔ کام کی تو کوئی خاص امید نہیں۔ اس نے فلم رائٹرز ایسو
سی ایشن میں جا کے عرضی ٹھونک دی۔ لے دے شروع ہوئی۔ دھرم نے معاوضہ
دینے سے انکار کر دیا۔ اسے کام پسند نہیں آیا تو پھر معاوضہ کیسا؟
فلم انڈسٹری میں اکثر ہوتا ہے۔ دس پندرہ کہانیاں سنیں، دس بارہ فلمیں
دیکھیں، تھوڑا یہاں سے لیا، تھوڑا وہاں سے، ملغوبہ تیار ہو گیا۔ کوئی بھی سستا سا
بیکھک پکڑا اور لکھوائی کہانی۔ سستی بھی اور بہت سی کہانی کاروں کے دماغوں
کا نچوڑ بھی۔ چند ہوشیار پروڈیوسر گانوں کے معاملے میں یہی کرتے ہیں۔ چھ سات
سے ایک سچویشن پر گیت لکھوایا، ناپسند کیا، پھر سب سے سستے گیت کار سے
ان گیتوں کی مدد سے بالکل اچھوتا گیت لکھوا لیا۔ ظاہر ہے یہ حرکت ان کہانی کار

اور گیت کار سے نہیں کرتے جس کی بازار میں مانگ ہے اور جس کا نام بکتا ہے۔
وہ نمونے کے گیت یا مکالمے لکھ کر نہیں دکھاتا بس اپنے نام کے بل پر سودا کرتا ہے،
کہانی کار کے بعد گیت کار سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ دو سیٹ ہو چکے تھے پھر ایکدم
دھرم آدب کر اُسے بدلنے پر تُل گیا۔ دو چار فلمیں تیار تھیں انہیں دیکھا گیا کہ نئی کہانی
میں یہ سین چپکائے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ پتہ چلا کہ بڑی آسانی سے دو گانے تو چاہے
کامیڈی میں ڈالو چاہے ٹریجڈی میں اور چاہو تو ڈریم سیکوینس بنا دو۔ بس شروع
اور آخر میں جوڑ دو کہ یہ خواب تھا۔ دو چار پاسنگ تھیں۔ دو سین کامیڈی کے
تھے۔ جو ہر فلم میں فٹ بیٹھ سکتے تھے۔ اب کہانی کی پھر سے ڈھنڈیا پڑی۔ پرانی
ہٹ فلموں کو پھر سے رد و بدل کر کے کلر میں بنایا جائے۔ بالکل آزمودہ نسخہ ہے
اوپر سے نئے اسسٹنٹ، کار کی ریس، کشمیر کے مناظر ڈال دیئے جائیں، وجہ نہیں
کہ کامیابی قدم نہ چومے۔

پرانی فلمیں دیکھ کر پرانے فکر پھر سے اکھڑ گئے۔ یہ تو کسی نے سوچا ہی نہ تھا۔
فلمیں دیکھ کر دھرم کو پھر دورے پڑنے لگے۔ بہت دن سے باندرہ کی مسجد کا ذکر
نہیں ہوا تھا۔ نئی فلم کے جھگڑوں میں دل کے پھپھولے فراموش کر دیئے تھے۔
"اماں ہٹاؤ بھی" دھرم نے اُکتا کر [illegible] فلمیں دیکھ کر اس کا دل
بھی بیٹھنے لگا۔ نہیں اب اس ٹکّر کی فلمیں نہیں بنیں گی۔ ہر چیز پہلے سے
ہزار گنا مہنگی ہو گئی ہے اسٹوڈیو کے کرائے، خام مال جو زیادہ تر بلیک مارکیٹ
ہی میں ملتا ہے۔ یہ فلم حاصل کرنے کا بھی خوب لطیفہ ہے۔ چلیے صاحب کوئی آنکھ
کا اندھا، گانٹھ کا پورا بنیا نے کس جتن سے نہ جانے کس کس کا گلا کاٹ کر پیسہ لایا۔
چڑیا پھنسی، کمپنی رجسٹرڈ کروائی، پارٹنر شپ ہوئی۔ اب خام فلم یوں بازار میں
نہیں ملتا۔ اس کے لئے پرمٹ لینا پڑتا ہے۔ اس پرمٹ کو حاصل کرنے کے
لئے خرچ دکھانا پڑتا ہے۔ اور خرچ دکھلانے کے لئے جھوٹی رسیدیں تیار
کرنی پڑتی ہیں۔ یہ رسیدیں پرمٹ کے علاوہ اور بہت سی جگہ کام آتی ہیں۔ بلیک
منی ان رسیدوں کے ذریعے سے تو رجسٹر میں درج کی جاتی ہے۔ لوگوں کی سہولت
کے لئے جھوٹی رسیدیں دینے والے موجود ہیں۔ جو صرف ان رسیدوں کا دھندا
کرتے ہیں۔ جتنے روپے کی رسید جس تاریخ کی چاہیئیں مل جائے گی۔ اسی تاریخ

کا اسٹامپ لگا ہوا۔
خیر جب پرمٹ ملتی ہے تو اکثر چڑیا کسی ہوشیار شکاری کے پنجرے میں
پہنچ چکی ہوتی ہے۔ پارٹنرز میں ہتھا پائی کر جو تم بیزار ہو چکتی ہے۔ وہ طرح دار
چھوکری جو چڑیا پھنسوا رہی تھی، امانت میں خیانت کر گئی۔ اور یا تو پارٹنر سے
سے پھنس گئی۔ یا فنانسر کو پھانس بیٹھی۔
فلم کمپنی ٹھپ ہے۔ پرمٹ رہ جاتی ہے۔ وہ پرمٹ بڑے داموں پر بکتی ہے۔
خام فلم کے علاوہ ہر چیز ہی پہنچ سے باہر ہو چکی ہے۔
"یار نام بتاؤ کوئی اچھا سا" دھرم نے رندھیر سے پوچھا۔
"نام ۔۔۔۔ کس کا؟"
"ہمارا ۔۔۔۔ باندرہ مسجد ۔۔۔۔ وہاں نام بدلنا ہو گا"
"باندرہ مسجد — اوہ!" اس نے بے حد گندی گالی بکی پھر سہم گیا۔
مسجد کے ذکر مبارک کے ساتھ مغلظات!
"کوئی بالکل نیا نام ہونا چاہیئے" دھرم آنکھوں میں رس گھول کر مست
ہو گیا۔
"شنکرا! گھسیٹے خاں، دھومی خاں یار یہ اچھا رہے گا" رندھیر جل گیا۔
"بکواس! اچھا سلیم کیسا رہے گا؟"
"سلیم ۔۔۔۔ اور انارکلی!"
"زوردار تھیم ہے۔ کلر میں ۔۔۔۔ اسٹارنگ ۔۔۔۔ زرینہ سلیم!"
رندھیر نے ایک لمبی سی آہ کھینچی!
اگر انڈسٹری کی اتنی بُری حالت نہ ہوتی تو وہ دھرم کی صورت پر
تھوکتا بھی نہیں۔ پانچ سال پہلے اگر کوئی دوسری شاخ پکڑی ہوتی تو آج
اس خبطی کی چمچہ گیری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ویسے بمبئی فلم انڈسٹری
کی قبر کی زمین تو اسی وقت ہموار ہونا شروع ہو گئی تھی جب مدراس کی
فلم "چندر لیکھا" نے پورے ملک میں جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس وقت
بمبئی والے اپنے آپ کو بے حد انٹلکچوئل سمجھے بیٹھے تھے۔ بنگال فلم انڈسٹری
دم توڑ چکی تھی۔ اور وہاں کے فلم اسٹار اور ٹیکنیشن تیزی سے بمبئی کی طرف

باگ رہے تھے۔ بمبئی سے زیادہ اس وقت پونا میدان میں تھا۔ پربھات، رنگ، چترریکھا، شالیمار پکچرز بڑے زور شور سے فلمیں بنا رہے تھے۔ بمبئی ٹاکیز سے دیوکا رانی جا چکی تھیں۔ مگر اشوک کمار اور شوک واچہ نے پھر سے اسے زندگی بخش دی تھی۔ مجبور، ضدی، مشعل اور بادبان جیسی کامیاب اور ستھری فلمیں بن رہی تھیں۔ ایس مکرجی اور رائے بہادر چنی لال بمبئی ٹاکیز سے ناطہ توڑ کر فلمستان کی بنیادیں مستحکم کر چکے تھے۔ ناستک، جاگرتی، سیندور کے معیار کی فلمیں بن رہی تھیں۔ کاردار داستان اور محبوب انداز دے رہے تھے۔ شاہد لطیف نے ضدی اور آرزو کے بعد بزدل پیش کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ بنگال اسکول کو ماننے والے ابھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

کیدار شرما نے سہاگ رات بنا کر اور پھر بمل رائے نے ایک کے بعد ایک معیاری فلمیں دے کر یقین دلا دیا کہ بنگال صرف بنگال ہی میں نہیں ملک کے کسی کونے میں بھی بسایا جا سکتا ہے۔ مگر مدھو چندر لیکھا" کی طلسمی کامیابی نے بمبئی فلم انڈسٹری کی چولیں ہلا دیں۔ پونا فلم انڈسٹری بمبئی کی طرف رل گئی۔ پربھات میں تالہ پڑ گیا۔ شالیمار پکچر کے ڈبلیو۔ زیڈ احمد ہجرت کر گئے اور نورنگ چترریکھا کا دیوالہ نکل گیا۔

"چندر لیکھا" کے بعد "نشان" اور پھر "منگلا" بھی ہٹ ہو گئیں۔ مار دھاڑ تلوار بازی، راجہ رانی، فوج اور لاتعداد جوان لڑکیاں، بے پناہ رقص، گانوں کی بھرمار ان فلموں میں کیا نہیں تھا؟

اب تو ذرا بمبئی والے کسمسائے۔ ہر ایک نے دھوم دھام کی فلم کے منصوبے بنائے۔ کے آصف نے "مغل اعظم" شروع کر دی۔ کمال امروہی "پاکیزہ" بنانے لگے۔ راج کپور نے برسات، آوارہ، شری چار سو بیس وغیرہ بنا دیں۔

سیدھی سادی فلموں کی تو بنا مر گئی۔ پھر بھی فلمیں بنتی رہیں۔ پانچ چھ لاکھ میں اچھی ... درجے کی فلم بن جاتی تھی کہ اچانک مدراس کی فلمیں لڑھکنا شروع ہوئیں۔ راجہ رانی، توپ بندوق، ہاتھی گھوڑے سب [illegible]!

کسی بوجھ بجھکڑ نے سمجھایا کہ اصل میں مدراس کی یہ وزنی ہیروئنیں اور گول گپا ہیرو نہیں چلیں گے کیوں نہ بمبئی کی پریاں اور گلفام شہزادے اڑا لیے جائیں۔

جب دلیپ کمار کے لئے مدراس سے آفر آیا تو اس نے کہا "جنت میں دو ہنٹر والی" کے معیار کی فلموں میں کام نہیں کروں گا۔" دلیپ کی اس وقت کئی فلمیں ناکامیاب ہو چکی تھیں۔ اس کی اداکاری کی دھاک بیٹھ چکی ہوئی تھی مگر لوگ اسے لے کر ڈوبنے کو تیار نہیں تھے۔ پھر بھی وہ نتن بوس کا چہیتا تھا۔ تیر تلوار بم پٹاخوں کے شور سے ہی بدکنے لگا۔ اور پھر جنوب کی ہیروئن کی مٹھاس کو اس کا ہاضمہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

پروڈیوسر نے بیچ میں بابو راؤ پٹیل کو ڈالا۔ دو لاکھ نقد ہوا میں رکھا ہیروئن اور کاسٹ جو تھی ایک طرف اصول دوسری طرف دو لاکھ کا کنٹریکٹ سائن کرتے وقت۔ بمبئی کا پروڈیوسر چار ریل کے بعد پیسے کی بات کرتا ہے۔ گھٹ گھٹ کر فلم بناتا ہے جو کوڑا ثابت ہوتی ہے۔ پیسوں کی ادائیگی سے پہلے ہی دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ فلمساز بنگال کے بھی تھے۔ معیاری فلموں ہی میں کام کرتے تھے۔ کہاں گئے؟ کچھ ریٹائر ہوئے کچھ بنگالی فلمیں بناتے ہیں۔ ایک محدود مارکٹ کے لئے اور کچھ بمبئی آئے جو یہاں نہ پنپ سکے۔ کچھ واپس ہو گئے کچھ چھوٹے رول کرنے لگے۔

"ایک فلم بناؤ، روپیہ سمیٹو پھر آرٹ کی خدمت کرو جی بھر کے" بابو راؤ پٹیل نے رائے دی۔

اور دلیپ کمار نے لے لی۔ دھڑا دھڑ ہٹ فلمیں بننے لگیں۔ اب ہر فلمساز مدراس کے کانٹریکٹ کو زندگی کا سہارا سمجھنے لگا۔ مدراس نے وہ معاوضے دیئے جو بمبئی والوں کی حیثیت سے کہیں اونچے تھے۔ مگر پھر فلمستار نے مدراس کی مقرر کی ہوئی قیمت کا مطالبہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا وہی دینے کو تیار ہو گیا اور انڈسٹری کی نبض پھر دھوم دھام سے کھڑکنے لگی۔ آج بمبئی کا پروڈیوسر چند کو چھوڑ کر، آوارہ ہے۔ بھیک مانگ کر پروڈیوسر ان شرطوں پر صرف جینے [illegible] کے لئے فلم میں لگا ہوا ہے۔ اب اس کے لئے دوسرے کون سے دروازے کھلے ہیں؟

"وہ آؤں گی بابا — ضرور آؤں گی۔" فرید یونا ٹینس کھیلنے گیا ہوا تھا۔

رندھیر نئے بنگلے میں اٹھ آیا تھا۔ نہایت اعلیٰ قسم کے فرنیچر سے آراستہ آج جھنڈوں اور غباروں سے گلستان بنا ہوا تھا۔ پیسہ بھی کیا استاد ہوتا ہے۔ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ دیو کو دیکھ کر کسی کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کبھی یہ ٹائیس روڈ پر مزدوروں کے پسینے کو لیونڈر سمجھتی تھی۔ ڈانڈا میں ٹھرے بازوں کی نے سمیٹا کرتی تھی۔ ہر ساڑی کے ساتھ میچنگ بلاوز پہنتی ہے، غلطی کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہیر ڈریسر دم بھر میں سیندھی تیل میں چپڑی چٹیوں کے گھنگریالے گچھے بنا دیتی ہے۔ چاہے جوڑا بندھوا لو چاہے پونی ٹیل پر میچنگ ربن اور کھڑ زیور ایک دوسرے کے دیکھ کر منوانا کیا مشکل۔ روپیہ ہو تو زندگی کا زائچہ بدلا جاتا ہے۔

بہت ہی گھریلو قسم کی بیویاں تھیں۔ بہتوں کو تو پتہ بھی نہ تھا کہ منگلا اور دھرم الگ الگ رہتے ہیں۔ یہ دونوں کے رویئے سے شبہ ہوتا تھا کہ کسی قسم کی رنجش ہے۔ دونوں الگ الگ موٹروں میں آتے۔ منگلا بچوں کے ساتھ اور دھرم کینتو کو لے کر، یہ تو ہوتا ہی ہے، بیوی گھر سے آئیں میاں کام سے آ رہے ہیں۔ دونوں ہشاش بشاش سب سے ملتے پھر رہے تھے۔

دونوں ساتھ ساتھ بچوں کا ہاتھ پکڑے بائی بائی کرتے ہوئے رخصت ہوئے، ایک ہی موٹر میں۔

"ٹا ٹا مو بیٹے۔" منگلا نے موٹر کی کھڑکی میں سے رندھیر کے بچے کی ٹھوڑی چھو کر ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔ دھرم کا ہاتھ پہلے سے اس کی گردن کے پیچھے رکھا تھا۔ ذرا کھسک کر جدا ہو گیا تب بھی اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

"وہ بڑی اچھی پارٹی تھی کیک کہاں سے بنوایا تھا جنے۔ بہت اچھا تھا۔"

وہ جلدی جلدی بولنے لگی۔

دھرم اس کے بندوں سے کھیل رہا تھا۔ جیسے ہی گاڑی احاطے سے نکلی منگلا نے جلدی سے بٹوہ کھولا فلاسک منہ سے لگا لیا۔

دھرم کو کچھ ناگوار گزرا مگر وہ سہہ گیا۔ اور مسکراتا رہا۔ منگلا نے مگن ہو کر دو گھونٹ اور لئے۔ پھر فلاسک دھرم کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"ہم بھی۔ ممی، ہم بھی۔" للنو ہمک کے ضد کرنے لگی۔ دونوں بے اختیار

ہنس پڑے۔ بلو اور جنٹو زور زور سے سیٹیاں بجانے لگے۔

وہ بڑی تیزی سے پی رہی تھی۔ اس نے ایک بار جو گھونٹ لیا تو دھرم نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑی التجا بھری نظروں سے آنکھوں میں ڈالیں، اس کی آنکھوں میں آسیب ناچ رہے تھے۔ پھر اس نے ایک ایسی کریہہ حرکت کی کہ دھرم کو پسینہ آ گیا۔ اس نے اس کے بال مٹھی میں پکڑ کر گھونٹ اس کے حلق میں اتار دیا۔ منگلا کا دانت اس کے ہونٹ میں لگ کر خون نکل آیا۔ پھر وہ سر پیچھے ڈال کر گھنگرو بھرے قہقہے لگانے لگی۔

پدما ایسا کرتی تھی، مگر وہ لچی تو تھی ہی، مگر منگلا.... منگلا تو دھرم کی بیوی، اس کی پتنی، بچوں کی ماں تھی! اس نے یہ گند کہاں ٹٹولا!

بچوں کو فوراً آیا نے سنبھال لیا۔ منگلا ڈرائنگ روم سے ہی ساڑھی کھولتی بیڈ روم میں چلی گئی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو منگلا نے سارے بلب جلا دیئے تھے اور پیٹی کوٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ دھرم کو اس نے بڑے میٹھے انداز سے دیکھا پھر بلاؤز کا گولہ بنا کر اس کے منہ پر مار دیا۔

جھک کر اس نے پلنگ کے نیچے سے بوتل نکالی اور دانت سے کاگ کھولتی کہنی کے بل لیٹ گئی۔ دھرم نے اسے اس قدر وحشت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ ہونق سا پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا

"یہ منگلو ہی ہے نا، یا وہ بھولے سے کسی اور کمرے میں آ گیا ہے۔" منگلو تو لاجونتی کی طرح اس کے پیار کے سامنے سمٹ جاتی تھی۔ ماں بننے کے بعد بھی وہ نئی دلہن کی طرح بجلی بجھانے پر اصرار کرتی۔ میٹھے میٹھے اندھیرے میں وہ کتنی اجاگر ہو جاتی تھی۔

مگر آج جب کمرے کا ہر بلب آنکھیں پھاڑے اس پر قہقہے لگا رہا تھا۔ دھرم کی منگلا نہ جانے کہاں گم تھی۔ اس کے بال کھل گئے تھے۔ وہ عورت جو اس کے سامنے ڈھٹائی سے کھلی پڑی تھی، جس کے دہکتے سے تر ہونٹوں پہ آبرو باختہ عورت کا سا تبسم تھا اور آنکھوں میں منہ پھٹ تقاضے۔ وہ جو اس سے اس نظارے کی بھیک مانگا کرتا تھا، حلق میں ابھرتی ہوئی ابکائی کو گھونٹ رہا تھا۔

تب اُس نے جانا کہ بائیس برس کے دیوتا کو بھوگ لگاتے لگاتے سونے کی بھاری بھرکم تھالی ٹھیکرا بن چکی ہے۔ اس کی آگ بن کتنی کٹھن ہے۔

وہ بڑی سرعت سے ساری بوتل ایک گھونٹ میں ہی پی لینا چاہتی تھی۔ دھرم نے ہاتھ پکڑ کر بوتل چھین لینا چاہی مگر وہ بوتل کے ساتھ لٹکی ہوئی اس کے پہلو میں ڈھے گئی۔

"بس کر منگلا" اس نے بوتل چھیننا چاہی۔ منگلا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا کرتا جھیر جھیر کر ڈالا۔

"ارے کیا کرتی ہو" اُس نے منگلا کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"کیوں رے..... تو جو میرے اتنے ڈھیر سارے بلاؤز پھاڑ چکا ہے؟"

"میں نے تو بلاؤز نہیں پھاڑے..... منگلا کے تو نہیں پھاڑے؟"

اُس نے سوچا۔

"بس روٹھ گیا، چل ادھر آ..... میرے پاس۔ اے فرقو... آجا... آجا" وہ چار اُنگلیوں سے پیارے پیارے اشارے کرنے لگی۔

"اور وہ تو میرا نام بھی نہیں جانتی....." منگلا نے بوتل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔

ایک دفعہ کسی بات پر چڑھ کر اس کا چکن کا کرتا تار تار کر دیا تھا اُس دن دھرم نے اُس کا نام "میاؤں" ہی رکھ دیا تھا۔ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے شرارت سوجھتی تو وہ چپکے سے منہ پر ہاتھ رکھ کے بلی کی آواز نکالتا۔ پھر خود ہی چونک کر کہتا۔

"ارے بلی..... یہ بلی کہاں سے آ گئی۔ پکڑو۔ اسے سارے کپڑے لتے پھاڑ ڈالے گی" وہ شوخی سے کہتا۔ تب دونوں کی آنکھیں پل بھر کو اُلجھ جاتیں۔ ستاروں کے بہکتے ہوئے راز چھلک اُٹھتے اور زرینہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔

دھرم نے سب کو باری باری یہ راز بڑے مزے لے لے کر بتایا تھا۔

خوف زدہ ہو کر اُس نے زرینہ کے خیال کو دور جھٹک دیا۔ سب اُس کا تصور تھا، منگلا کی گمراہی کا ذمہ دار وہ خود تھا۔

اس خیال سے بڑی ڈھارس بندھی۔ وہ ظالم تھا نا، اس کی انا کو بڑی تقویت

ملی۔ اس کے علاوہ وہ اس کی ہمدردی کی حقدار تھی۔ ان ذرّوں کو سمیٹنا اُس کا فرض تھا۔

مگر سمیٹنے میں اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں نہانے والی ریشمی ریشمی بھولی کو کب خاطر میں لانے والی تھی۔ وہ بائیس برس کا بھی نہیں تھا، طرح طرح کی عیاشیوں اور نشوں نے اس وقت سے پہلے تھکا ڈالا تھا۔ منگلا چڑھ گئی۔ تحقیر برآتر آئی۔ آنکھیں طنز کے زہر میں بجھ کر اور بھی سیاہ ہو گئیں۔ پھر وہ ہنس پڑی۔ خوب ہنسی۔ ہنسی کی مرکیاں اس کے رسیلے حلق میں ستار کے جھالے کی طرح اُلجھنے لگیں.....

"بھی ذرّے ہی بھاگ گئی" اس کا قہقہہ قے میں منتقل ہو گیا۔

دھرم نے وہی جھیر جھیر کرتا منہ میں ٹھونسا اور سیڑھیوں پر گرتا پڑتا باہر نکل گیا۔

صبح جب ندھیر دفتر میں داخل ہوا تو ایک دم ٹھٹک گیا۔

وہ بڑی دیر تک دھرم کو دیکھتا رہا..

میز پر فائلیں اور گراؤنڈ پلین کے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ دھرم سفید سلک کا کرتا اور اودی پنجابی لنگی پہنے کاغذات پر جھکا ہوا تھا۔ صندل جیسی شفاف پیشانی پر ایک لٹ جھک آئی تھی۔

"دھرم اتنا بھدسیلہ نہیں رہا" ندھیر نے سوچا کنپٹیوں پر چاندی کی جھلک نے وقار پیدا کر دیا ہے۔ دل کے لئے ہی بیچ کرنا پڑے گا واہ بیٹا ایک ہی وار میں جی اُٹھے، سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا"

"مزاج شریف" ندھیر نے پیار سے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ کی دعا ہے" مداس کی مسلم سوشل نے اسے لکھنوی آداب سکھا دیئے تھے۔

"بک جیو! میرے سرکار!" دھرم نوعمر دولہا کی طرح تکلف سے مسکرایا۔

"محنت ٹھکانے لگی!" ندھیر نے فخر کیا۔

"پکچر بہت ڈیلے ہو گئی ہے۔ آج دگ کا ڈائریکٹر لے کر فائنل کر لیا ہے۔ اس سیٹ پر بہت کام ہے"

"وہی پرانا منجھا یا دھرم دیو ایک ہی خوراک میں طبیعت صاف !"

زندھیر اپنی دور اندیشی پر داد دیتا ہوا بیٹھ گیا۔

اتنے میں کیشو اور مادھو بھی آ گئے۔

"پرکاش جی کو فون کر کیا دو بجے آتے ہیں۔ گاڑی بھیج دو"

"فون کئے دیتا ہوں۔ گاڑی اسٹیشن پہنچ گئی ہے" کیشو زکردوں کے دماغ خراب کرنے کے قابل نہیں تھا۔ حساب کتاب کا مالک تھا مگر سوائے بس کے بجی کام کے لئے کبھی ٹیکسی نہیں لی۔ پیٹرول سونے کے بھاؤ جا رہا ہے۔ کمپنی کی گاڑی کو بیکار دوڑانے سے کیا فائدہ۔

"راس نے پھر ہٹ لگایا" مادھو بولا۔

"اسٹوری کچھ بھی نہیں، وہی پرانا نا پرولا ہے۔ پر صاحب مانتے ہیں گروپ ڈانس کیا اٹھائے دیئے ہیں۔ ساٹھ لڑکیاں اور لڑکے" کیشو نے ہانک لگائی۔ وہ اصولاً سب فلم دیکھتا تھا۔ بجائے لطف اٹھانے کے پورے وقت پروڈکشن ویلیو گانوں کی تعداد اور کامیڈی سین گنتا رہتا تھا۔

"اپن تھی ڈانس ایک گروپ ڈانس، کیوں دھرم جی؟" مادھو بولا۔

"کوئی سچویشن نہیں اپنی پکچر میں"۔

"ارے سچویشن بنانے سے بنتی ہے"

"ہاں ہیرو تن ہیرو شبیشر میں جاتے ہیں، بس وہاں"

"شیشر ہے ہی نہیں فلم میں"

بھلا ڈانس کی بھی سچویشن ہونے سے انکار کر سکتی ہے۔ ہیرو ہیروئن گاتے ایک دوسرے کو کھدیڑ رہے ہیں۔ پگڈنڈی پر گاؤں کی گوریاں یکساں لباس پہنے چلی آ رہی تھیں ٹھمکی، ادھر سے ایک سے ڈریس پہنے بالکل اتنے ہی لڑکے نکل پڑتے ہیں۔ لیجئے ہو گیا گروپ ڈانس کا موقع۔ پر اصل بات ہے کہ ایسے گاؤں کا پتہ کسی کو نہیں معلوم جہاں اتنی لڑکیاں اور لڑکے ایک وضع کے کاسٹیوم پہنے ہر وقت جنگلوں میں تیار بیٹھے رہتے ہیں کہ نہ جانے کب کوئی پریمیوں کا جوڑا ادھر گاتا ہوا آ نکلے۔ اور وہ ایک سُر کا ناچ میں کہ از کم سو ساز بج رہے ہوں گانا شروع کر دیں۔ پتہ اگر کسی کو معلوم ہے تو وہ فلم پروڈیوسر ہیں جو کسی کو نہیں

بتلاتے۔

"آج بچے نہیں آنے ؟" دھرم نے گھڑی دیکھ کر پوچھا

"رگھو گیا تو ہے آتا ہی ہوگا"

دھرم پھر کام پر جٹ گیا۔

بڑے اہتمام سے شوٹنگ شروع ہو گئی۔ روز شام کو دھرم پابندی سے بچوں کو لے کر گھر چلا جاتا۔ اس نے کبھی زندھیر کو نہیں بتایا کہ وہاں منگلا نہیں ہوتی وہ بچوں کے ساتھ کھیل کر گھر چلا جاتا ہے۔ کبھی رتی کے گھر جس نے حال ہی میں نہایت پوشیدہ جگہ ایک فلیٹ لیا ہے۔

"رتنا کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا" مگر دھرم جانتا ہے۔ رتنا کو پتہ چلے گا اور بہت جلد یہ گھر بھی کرائے پر اٹھا دے گی۔ رتی اور گھر ڈھونڈ لے گا۔

"جو ہے بھاگ بلی آئی" زرینہ نے کہا تھا۔ اب تو زرینہ کے خیال سے بھی دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی۔ اگر رتی نہیں ملتا تو وہ پدما کے ہاں چلا جاتا۔ نہ جانے کیوں پدما کی محفلیں سرد پڑتی جا رہی ہیں۔ نہ وہ چہل پہل نہ وہ ہنگامے۔ جیسے دنیا اب محور پر گھومتے گھومتے سستانے کو ٹھہر گئی ہے۔ تین مہینے ہو گئے دھرم نے کسی عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا۔

پرکاش جی سہمے سہمے ہدایات دیتے ہیں۔ وہ جان کے ان کی غلطی نظر انداز کرتا ہے۔ ایک آدھ چھوٹی موٹی غلطی سے پکچر مر تو نہ جائے گی۔ انیل بڑا سُتھرا ہوا آرٹسٹ بنتا جا رہا ہے۔ اس کی اچھوتی فلم میلے کے لئے منتخب ہوئی ہے۔

"مبلہ!" دھرم کے وجود میں ایک چھپکلی نے سر اٹھایا پھر سسک کر دم توڑ دیا۔

"پرکاش جی سے کہو" کیشو اس سے نئے کاسٹوم کے بارے میں کچھ پوچھتا ہے تو وہ پرکاش جی کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ ان کا لرزتا ہوا ہاتھ نیلون کی جیب پر جاتا ہے جس میں ٹھرے کی شیشی دبکی ہوئی ہے۔ وہ ہاتھ اندر نہیں ڈالتے۔

"پچاس ہزار اتنی رات گئے میں کہاں رکھوں گی" منگلا کیشو پر بگڑ تی ہے"

میرا اگلا کٹوانا ہے۔ اکیلی دکیل پاکر کوئی ٹھکانے لگا جاتے، باپ کہتے ابھی جاتے ہیں نا؟"

"پتہ نہیں" کیشو مری ہوئی آواز میں کہتا ہے۔

"وہ آپ فیصلہ کیجیے" دھرم درزی کی دوکان میں لگے ہوئے آئینے کی طرف مڑ جاتا ہے۔

"عجیب آدمی ہے" پرکاش جی بلاوجہ کھنکارتے ہیں، ہاتھ جیب کے پاس لرزتا ہے۔ اندر نہیں گھس پاتا۔ "میرے خیال میں تو ٹھیک ہیں" وہ کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ ان کی قوت فیصلہ اسی دن جواب دے گئی تھی جب کرونا نے بھری محفل میں ان کے منہ پر چپل مار کر کہا تھا "بڈھے کھوسٹ ایک تو ہی رہ گیا ہے مجھے اور کوئی نہیں ملتا جو بوڑھی لاش پر مرنے لگوں"

تب پرکاش جی کرونا کی بھاری بھرکم جوانی کے خواب بوڑھی لاش میں سمیٹ کر لوٹ آئے تھے۔ اور لوٹتے ہی جا رہے تھے۔

ان کی بیوی میٹھی رمی کھیل رہی تھیں۔ لڑکیاں دوستوں کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھیں۔ انھیں کسی نے نہیں دیکھا جیسے وہ جادو کی ٹوپی پہن کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہوں۔ اوجھل تو وہ تب ہی سے ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے کرونا کو اپنی کمپنی کی ہیروئن بنایا تھا۔

کتنی زندگیاں تالاب کی سطح پر پڑتی ہیں۔ بلبلے اٹھتے ہیں پھوٹ جاتے ہیں۔ دائرے بنتے ہیں مٹ جاتے ہیں۔

"آج نہ جاؤ، رندھیر بڑی وحشت ہو رہی ہے"

"بچے کو ٹائیفائڈ ہو گیا ہے۔ دتو روز روز کرمان دیئے دے رہی ہے۔ میں صبح ہی آ جاؤں گا"

"ابھی مت جاؤ" دھرم نے التجا دہرائی۔

"گیارہ بج رہے ہیں۔ ڈائیلاگ لکھ دیجیے۔ تم سین کی فکر نہ کرو۔ میں سیٹ پر موجود رہوں گا" وہ پھر بیٹھ گیا۔

"بارہ بج رہے ہیں۔ یار کیا مصیبت ہے" رندھیر چڑھ گیا۔

"نوکر کو تو آ جانے دو اکیلا چھوڑ جاؤ گے" دھرم نے حسرت سے کہا۔

"اوہ یار ننھے بچے تو نہیں جو تمھیں پریاں اڑا کر لے جائیں گی" وہ پھر بیٹھ گیا۔ شام کے آٹھ بجے سے وہ گھر جانے کی تندید کر رہا تھا، مگر دھرم پر بھوت سوار تھا۔ ضرورت سے زیادہ چڑھا لی تھی۔

"کیا آج یہاں نہیں سو سکتے۔ صبح چلے جانا"

"یار تمھارا دماغ خراب ہوا ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ کیا بھابی سے پھر کھچاؤ ہو گیا؟"

دھرم خاموش رہا۔

"اماں یہ کیا قصہ ہے؟"

"کوئی قصہ نہیں۔ قصہ ختم!"

"پھر وہی..... یا بندرہ مسجد کا جن تو سوار نہیں ہو گیا"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں"

"پھر بھابی سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی؟"

"ملاپ ہی کب ہوا تھا" اٹک اٹک کر سپاٹ آواز میں اس نے اس عجیب وغریب رات کا احوال سنایا۔ رندھیر دم سادھے سنتا رہا۔

"عجیب آدمی ہو یار تم نے مجھے خوب بے وقوف بنایا"

اتنے میں نوکر آ گیا۔ اس نے پیکیٹ دیا۔

"اچھا یار اب چلتا ہوں"

"رک نہیں سکتے"

"خدا کی قسم بچہ بیمار ہے...... میں صبح...."

"اچھا جاؤ جاؤ" دھرم نے ہنس کر کہا۔

رندھیر تیزی سے لفٹ کی طرف لپک گیا۔

"میاؤں!" مدراس کے ایک شاندار ہوٹل میں زرینہ کروٹیں بدل رہی تھی۔

"ارے ہے زرینہ میں تو ڈر گئی....." امینہ نے سرہانے کا لیمپ جلایا۔ "یہ کیا کر رہی ہو"

"میاؤں۔" زرینہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"چل بیوقوف یہ بھی کوئی وقت ہے مذاق کا، سو جاؤ۔" امینہ لیمپ بجھانے لگی۔

"نیند نہیں آ رہی ہے آپا!" اُس نے امینہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے اچھلتے ہوئے دل پہ رکھ لیا۔

"پانی دوں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"رونے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔" زرینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"زرّی... میری جان۔" امینہ نے اُسے کلیجے سے لگا لیا۔ کتنی دیر تک وہ سسکیاں بھرتی رہی اور ٹوٹے ٹوٹے ادھورے جملے اس کے ہونٹوں سے جھڑتے رہے۔

"باتیں ٹھیک ہوئے تھے۔ منہ سے نکلتا ہی نہ تھا۔ چاند.... ذرا آنکھ تو کھولو۔ بس اتنی سی بات تھی... آپا سردی لگ رہی ہے، ایئرکنڈیشن کر دو۔"

"بند ہے۔" امینہ نے اسے کمبل اڑھا دیا۔

"پیار کرتا تھا۔"

"ایں؟" اونگھتے اونگھتے امینہ چونک پڑی۔

"کچھ نہیں آپا ... کچھ نہیں۔"

"زرینہ۔" امینہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ "واقعی میں اندھی ہوں۔"

"ایں؟" اب زرینہ کے چونکنے کی باری تھی۔

"تو اگر صاف صاف کہہ دیتی، بیوقوف۔ دل میں گھاؤ چھپائے بیٹھی تو نے مجھے بھی دھوکے میں رکھا، عجیب لڑکی ہے۔"

"آپا۔"

"ہاں۔"

"مجھے ڈر تھا۔"

"کس بات کا؟"

"تم کسی سے کہو گی تو نہیں، قسم کھاؤ، میری جان کی قسم۔"

"قسم سے کسی سے نہ کہوں گی۔"

"مجھے ڈر تھا... کہ..... وہ......" وہ چبا چبا کر بولنے لگی "کہ وہ ڈیڈی کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"ہنہ اب اُس بدذات نے جو چھوڑ دیا اور اس جھنڈ لینے کے سنگ۔"

"مجھے کیا معلوم تھا۔"

"خیر اب تو وہ گئی راستے سے۔ دیکھ زرّی تو بالکل فکر نہ کر میں یہاں سے جا کے فون کروں گی۔"

"ہائے آپا نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"چل دیوانی ڈر کاہے کا۔"

"آپا تم نہیں جانتیں، وہ عجیب آدمی ہیں۔"

پڑوسیوں نے بتایا اس رات بار بار ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تھی۔ مگر فلیٹ بند تھا۔ آخری بار تین بجے پھر گھنٹی بجی۔ پھر خاموش ہو گئی۔

دھرم نے رندھیر کے جانے کے بعد نیا پیگ بنایا پیکٹ کھولا، دو گولیاں خواب آور دوا کی ڈالیں اور انگلی سے گھولنے لگا

بالکنی میں کسی کی بلی رو رہی تھی۔ دھرم کمرے میں اکیلا تھا پھر بھی اُس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی سرکا دی۔ ٹیلی فون ملایا گھنٹی بجتی رہی۔ بجتی رہی اُس نے تھک کر واپس رکھ دیا۔

پیگ ختم ہو رہا تھا مگر نیند کا نام نہ تھا۔ وہ اوندھا لیٹا، چت لیٹا، آنکھیں بند کیں، پھر کھولیں، نیند نہ آئی۔ اُس نے دوسرا پیگ بنایا، پھر دو گولیاں ڈالیں کچھ سوچ کر ایک اور ڈال لی۔ رسیور اٹھایا، پھر ٹیلی فون کیا، گھنٹی بجتی رہی۔

وہ پلنگ پر لیٹ گیا۔ پھر کروٹیں بدلیں۔ کتاب اٹھا کر کھولی تب کروٹ
کچھ سوچ کر اس نے ٹیلی فون اٹھایا، کتاب میں سے نمبر دیکھا۔

"ہلو۔ راج صاحب ہیں۔ میں دھرم دیو بول رہا ہوں۔" ایسا معلوم ہوا میلوں کے فاصلے سے راج نے اُسے گلے لگا لیا۔ شوٹنگ کی باتیں، نظم کی باتیں، ڈیل کی باتیں ہوتی رہیں۔ دو بج گئے۔ دھرم دیو نے ٹیلی فون نہ چھوڑا۔ اگر یہ سلسلہ ٹوٹ گیا تو پھر وہ کھو جائے گا، پھر نہ مل سکے گا۔ "راج یار ایسا کرو ادھر آجاؤ نا۔" جیسے راج دیوار کے اس پار ہی تو کھڑا تھا۔

"دو بجے! ڈرائیور تو چلا گیا اور اپنے سے تو دو قدم نہیں چلا جا رہا ہے۔ صحت ڈکر ہو جائے گی۔ بس میں صبح ہی تو ادھر آ رہا ہوں پھر رہیں گی باتیں۔۔ آ۔۔ف۔" راج نے لمبی سی جمائی لی۔

"دیوی جی کہاں ہیں؟" دھرم نے پوچھا۔

"یہ پاس ہی پڑی ہیں۔ کوئی چار انچ کے فاصلے پر۔" راج ہنسا۔

"میری طرف سے ایک پیار تو لے لو۔"

"لو بھئی لے لیا، ایک تمھاری طرف سے اور ایک اپنی طرف سے۔" دونوں ہنسے۔

"راج!"

"بولو یار۔"

"اس وقت نہیں آسکتے۔"

"نہیں یار بالکل دم نہیں ہے۔ صبح۔۔۔۔۔۔"

"ارے صبح کس نے دیکھی ہے۔"

ٹیلی فون رکھا، نیند اور بھی دور بھاگ گئی۔ جیسے اب نہ آئے گی کبھی نہ آئے گی۔

پھر پیگ بنایا، کتنی گولیاں ڈالیں، کون جانے۔ پھر منگلا کو فون کیا، ڈھائی بج رہے تھے گھنٹی بجتی رہی چلاتی رہی۔

"ہلو۔۔۔۔ ہلو۔۔۔۔ میں بول رہا ہوں۔" شکر ہے ٹیلی فون اٹھا لیا گیا۔

"میں دھرم بول رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

دھرم کے پاس کچھ جواب نہ تھا۔

"یہ رات کے تین بجے فون۔۔۔۔ کیا بات ہے۔" شاید ہوش میں تھی آواز میں ذرا نرمی آگئی تھی۔

"وہ، میرا جی گھبرا رہا ہے۔ تم ایسا کرو۔۔۔۔ بچوں کو بھیج دو۔"

"تین بجے رات کو، بچوں کو بھیج دوں! کیا ہو گیا ہے تمھیں۔"

"تم ہی آجاؤ منگلو۔" اس کا جی چاہا کہے مگر الفاظ راستہ بھول چکے تھے۔

"بچوں کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دو۔۔۔۔ میں۔۔۔۔"

"کیا ہو گیا ہے جی، سوتے بچوں کو ہلکان کروں، صبح بھیج دوں گی۔"

"صبح کس نے دیکھی ہے۔"

منگلا نے پھر فون کیا، مگر انگیج تھا۔ سوچا خود جاؤں دیکھوں کیا بات ہے۔ پھر خیال آیا۔ فون انگیج ہے کسی کو کر رہے ہوں گے فون۔

آخری پیگ۔ کتنی گولیاں؟ کون گنے کوئی نہیں، کوئی نہیں۔

اتنی لمبی چوڑی دنیا میں اکیلے کا کوئی نہیں۔

یار نہیں دوست نہیں،

بیوی بچے نہیں۔

چاند ——— تم بھی نہیں

فون ملایا   کوئی نہیں۔۔۔۔

صرف گولیاں،

دور خالی فلیٹ میں گھنٹی بجتی رہی۔

بجتی رہی۔